© OneUrdu.com

بابا محمد یحییٰ خان

کاجل کوٹھا

ظاہر و باطن کے عالمِ مکشوف .....

© OneUrdu.com

الٰہی! یہ کس نگر کے لوگ ہوتے ہیں......؟

- دُرویشی، ریت کا ذرا سا ذرہ نہیں ہوتی اور نہ ہی مُٹھی بھر ریگ کی مانند ہے۔ یہ تو ادب، خِدمت، اطاعت اور ریاضت کے ان گنت اربوں کھربوں ذرّوں کا خشک صحرا ہوتا ہے...... چکا چوند اُجالے میں سَراب اور گھٹا ٹوپ اَندھیرے میں قُطبی تارا...... حاصل گھاٹ تو کبھی بگڑے بَیل کا ٹاٹ، دلقِ اویسؓ تو کبھی کاسۂ قیس یہ فغانِ یعقوب بھی ہے اور کبھی صبرِ ایوب بھی، یہ دَرَفشِ کاویانی بھی ہے اور عصائے سُلیمانی بھی ہے یہ ہُنرِ آذری بھی ہے اور سحرِ سامری بھی ہے......!

- میں دُرویشی کی راہ کا کمزور سا مُسافر ہوں، زادِ راہ ہے نہ ہی ہمت و سکت، دَر دَر بھٹک رہا ہوں، ٹھوکریں، رُسوائیاں، رَتجگے، جاں ماریاں میرا نصیب ہیں۔ مجھے یہی حکم ہے کہ چلتے رہو...... اللہ کی زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، صحرا، جنگل، ویرانے گُل خانے تمہارے منتظر ہیں، جاؤ! ان سے آشنائی پیدا کرو، پیادہ، جانوروں کی پیٹھ گول پہیوں والی مشینوں پہ...... آہنی پَروں والے پرندوں پہ...... سمندروں کے سینوں پہ تیرتے ہوئے راج ہنسوں پہ کہ دُرویشی دَریوزہ گری نہیں...... دریدہ دری اور رَفوگری ہے۔

- گندہ کرنا ایسا مُشکل نہیں جتنا مُشکل پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ سرسراتی ہوا کی مانند مست خرامی کبھی ایسی سوہانِ رُوح نہیں ہوتی جیسی حالتِ قید و قیام، رُوح فرسا ہوتی ہے...... کہہ بول لینا دینا بھی اتنا دُکھ درد کا باعث نہیں ہوتا جتنا کہ چُپ گُم، جان جلاتی ہے۔ چکّی کا قُطب خُود تو دھرا، کھڑا، اَکڑا اور پڑا رہتا ہے مگر مَدار کے اَندر پتھر پاٹوں کو جمائے، چلائے، بھگائے رکھتا ہے...... آسمان، ستاروں سے زمین، ذرّوں سے...... سمندر، قطروں سے اور دشت و دمن، اَشجار و اَثمار سے جَل تھَل ہوتے ہیں......!

© OneUrdu.com

© OneUrdu.com

رحمت

● کالیاں اِٹاں کالے روڑ
مینہ وَرسا دے زُور و زُور

© OneUrdu.com

برکت

© OneUrdu.com

ضوابط

مشاورت و معاونت
نورالحسن

”بسم اللہ“ خطاطی و کمال
شفیق فاروقی

سرورق و پس ورق
جنید علی سنی
مختار احمد خان

احتساب عمل
مبتسم

تصویر کشی
رحیم اللہ خان

تصحیح کتابت
محمد مصور امین

اہتمام
راشد سلیم
رضوان بھٹی

891.4393 Muhammad Yahya Khan, Baba
Kajal Khotha : Baba Muhammad
Yahya Khan.- Lahore : Sang-e-Meel
Publications, 2010.
968pp.
1. Urdu Literature - Novel.
I. Title.

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ سنگِ میل پبلی کیشنز/مصنف سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جاسکتا اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے

2010
نیاز احمد نے
سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور
سے شائع کی۔

بابا محمد یحییٰ خان
412- نرگس بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون: 042-7844838
موبائل: 0300-9417829,0333-9417829
0322-9417829,0312-9417829

بوجوہ چند نام و مقامات اور واقعاتی کوائف و بیان میں چنداں ترمیم، تخریج و تخصیص ناگزیر تھی...... کوئی بھی مطابقت، مماثلت محض اتفاق ہوگی

ISBN-10: 969-35-2288-5
ISBN-13: 978-969-35-2288-4

Sang-e-Meel Publications
25 Shahrah-e-Pakistan (Lower Mall) Lahore-54000 PAKISTAN
Phones: 37220100-37228143 Fax: 37245101
http://www.sang-e-meel.com e-mail: smp@sang-e-meel.com

حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز لاہور

© OneUrdu.com

کاجل کوٹھا

بابا محمد یحییٰ خان

سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور

© OneUrdu.com

سپاس

بڑے بابا جیؒ

سفیداں بائی ' کالے خان

حافظ عطا محمد کاشمیری ' بابا رحمٰن کاشمیری گلمرگ

بابا بالی شاہ... کشمیرے سنگھ ' سوامی گھور گھو

سائیں وچھیرے چند... شاہ بابا تا پیتا... رام راکھی '

گلابی جان ' صوفی عبدالکریم کلیار (درگاہ حضرت بل شری نگر)

سلیمان اتی ' ابو طلحہ یمانی ' جمیل یمانی ' شہود الرحمٰن گیلانی '

مسعود الرحمٰن گیلانی ' شارق بٹل ' چندے نیناں والے

حضرت بیات بیگ ' عبدالغفور (مینا گل مقتال)

شاہ بابا تا پیتا ' سعید عبداللہ ' چکارا چولا بابا

ایلک جوزف ' بابا سبحان اللہ

خان بابا افغانی ' جی جان جی

فتح خان شروانی

ان ذوق

ف حش ذن... لافیل قوف

oneurdu.com

© 5 OneUrdu.com

صاحب

- دَر دَر دی دُرّ دُرّ نالوں دُرّ بَن جا اِک دَر دا
صاحب معاف کرے تقصیراں تے رَہہ جاوے کجّ پَردا
اِس پَردے دا اُہہ دَر ضامن جس دَر دا تُوں بَردا
بُلھے شاہ جے پھریئے دَر دَر فیر صاحب معاف نہ کردا

© OneUrdu.com

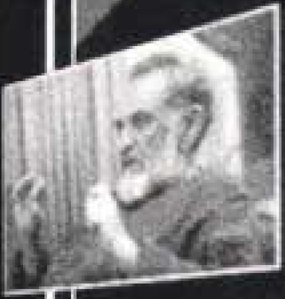

آپ کی نذر

مندی ہاں کہ چنگی ہاں
صاحب تیری بندی ہاں

© OneUrdu.com

داستان سرائے

© OneUrdu.com

بارے کچھ اس کتاب ......

- کتاب کی شروعات میں ہی شاہی محلّے کے ایک رنجیت شاہی کوٹھے کا کچھ احوال ہے...... جس کی چکردار شکستہ سیڑھیوں پہ ٹوٹے دم چڑھتے چڑھتے میں بالآخر اُس کی انتہائی منزل کی چھت پہ پہنچا کرتا تھا جہاں ٹاٹ ٹین اور لکڑی کی پھٹیوں سے بنے ہوئے بے ڈھنگے سے کمرے کی ایک جھلنگی کھاٹ پہ دھرا ہُوا ایک نسوانی وُجود کا تباہ حال ''کوٹھا'' میرا منتظر ہوتا۔ میں اس کے لئے پیچھے سے بری پائے کا شوربا اور امرتسریوں کے تندور سے کلچے لے کر جایا کرتا تھا۔ ہاں' میں یہ بتانا بھول گیا کہ اس دوران بُد بُد' المعروف جموں را کالے یعنی کالے خان میری جان کا جالا بنا میرے ساتھ ساتھ رہتا۔ یہ کالے خان اور کوٹھے والا نسوانی وُجود' کون تھے اور کیا تھے یہ آپ کو کتاب کے مُطالعہ سے معلوم ہوگا۔ سَرِدست بات ''کاجل کوٹھے'' کے کوٹھے پہ چڑھتی ہے۔

میرا مزاج اس موسیقار کی طرح ہے جس کے ہاں دُھن پہلے تخلیق ہوتی ہے اور بولوں کی بھرت بعد میں' کہ یہی صحیح تخلیقی طریقہ ہے۔ اصل چیز تو بُنیاد ہے جو پکّی اور سیدھی ہونی چاہیے...... اُس پہ بعد اَجو چاہو جیسا سمجھو تعمیر کرلو...... میری دیگر کُتب کے سَرناموں کی طرح ''کاجل کوٹھا'' جیسا عُنوان بیس برس سے بھی پہلے میرے ہاں اُتر چکا تھا لیکن اس پہ لکھنے کے مَواقع' وقت اور وَسائل ہاتھ نہیں لگ رہے تھے۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور لکھنے کی جانب کوئی پیش رَفت نہ ہوئی تو تنگ پڑ کر' وقت گزاری کی خاطر جو نوکِ قلم آیا لکھتا چلا گیا۔ اسی طرح تین چار کتابیں معرضِ وُجود میں آ گئیں۔ اَب جو قلم کُھلا تو ''پیار رنگ کالا'' بھی منظر پہ آ گئی...... یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد یقین یہی تھا کہ اب ''کاجل کوٹھا'' بھی لکھی جائے گی اور اس موضوع کی بابت جو مواد مسالہ' اندر کُلبلا رہا ہے باہر نکل آئے اور مجھے اِک عذابِ مسلسل سے نجات مل جائے گی۔ اَب جو لکھنے بیٹھوں تو سمجھ نہ آئے کہ خشتِ اوّل کس رُخ رکھوں...... میری عجیب سی عادت کہ جب کسی بھی معاملہ میں اُلجھن پیدا ہو جائے تو میں جُوتا پگڑی سنبھالے کہیں کالے کوسوں کے سفر پہ نکل لیتا ہوں۔ ایسا سفر جس کی نہ کوئی منزل' ساتھی نہ رہبر' زادِراہ کا اہتمام اور نہ وقت کی قید' بس چل سو چل...... جدھر ہوا چلی' چل دیئے۔ تھک گئے تو بیٹھ لیٹ لیئے۔ مل گیا جو سو کھا لیا...... دُنیاداری' وقت پیسہ'

© OneUrdu.com

بال بچے داری...... زندگی موت، سہولت و آرام وغیرہ کا دھیان رکھنے والے، بادیہ پیمائی یا جہاں نوردی کے لئے موزوں نہیں ٹھہرتے...... ہر طرح سے مادر پدر آزاد دیوانے ہی ایسے کارنامے انجام دیتے ہیں اور میں تو تھا ہی جہاندرو پاگل......!

خاصی کھجل خواری کے بعد میں وسطی ایشیا سے ہوتا ہوا ریاست جموں کشمیر پہنچا تھا کہ یہاں مجھے جسمانی، ذہنی، باطنی اور روحانی تھکن دور کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ جموں اترتے ہی یکدم جیسے میرا اندر بول اٹھا کہ ”کاجل کوٹھا“ کا دیا یہیں سے جلے گا۔ آنے کو تو میں یہاں پہلے بھی کئی بار آ چکا تھا مگر اس بار تو میرے اندر باہر کی کیفیت ہی جداگانہ تھی۔ ہوٹل میں کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے بعد میں نے سب سے پہلے حضرت بابا بالی شاہؒ کے مزار پہ حاضری ضروری سمجھی...... فاتحہ سے فارغ ہو کر سامنے پرانے قبرستان کی جانب آ نکلا۔ ادھر توی کے کنارے سادھو سنت پڑے رہتے ہیں۔ یہاں فاتحہ دعا کے بعد میں ان فقیروں میں لنگر تقسیم کرنے بیٹھ گیا۔ ان مستوں سے نپٹنا کچھ ایسا آسان نہیں ہوتا۔ ان میں زیادہ تر منشیات کے عادی، دو نمبر، جرائم پیشہ ہوتے ہیں۔ کچھ مجنوں دیوانے اور کہیں کوئی اللہ سے لو لگائے ہوئے مجذوب بھی دکھائی دے جاتا ہے۔ میں انہیں خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ اسی دوران، اچانک میری نظر ذرا دور ایک ننگ دھڑنگ مجذوب پہ پڑی جو ایک بیٹھی ہوئی قبر کے کنارے پہ بیٹھا ہوا میری ہی جانب دیکھ رہا تھا......

نظر سے نظر ملتے ہی مجھے اندازہ ہو گیا اس باوا سے سینگ پھنسیں ہی پھنسیں۔ ایک کشمیری قہوہ والے سے اپنے لئے قہوہ لیا اور ایک گلہڑ قہوہ اور لنگر، اسی کے ہاتھ اس باوے کو بھی بھجوایا۔ اب جو میں نے چور نظروں سے اس کو دیکھا تو وہ گرم گرم ابلتا ہوا قہوہ اپنے سر پہ انڈیل رہا تھا اور یوں مسرور دکھائی دے رہا تھا جیسے شدید امس اور گرمی میں کوئی برفاب اپنے اوپر ڈال رہا ہو۔ میں زیرِ لب مسکراتے ہوئے سوچنے لگا، باوا نے بڑی شتابی اپنا تعارف کروا دیا۔ قہوہ چکھنے کے بعد زاویہ نگاہ بدلے پھر جو ادھر دیکھا تو وہ غائب...... دائیں بائیں دیکھنے پہ بھی جو دکھائی نہ دیا تو میں اٹھ کر قبر کے پاس پہنچ آیا...... آگے جھکتے ہوئے جو بیٹھی قبر میں جھانکا۔ باوا آرام سے قبر کی گیلی گاد پہ ادھ لیٹا، میری جانب دیکھ رہا تھا۔ ایک آدھ روز پہلے ادھر جموں میں خوب بارش ہوئی تھی۔ قبرستان کی بھربھری مٹی گل گاد بنی ہوئی تھی۔ میں خود دھنسے قدموں کھڑا تھا۔ باوا نے ہاتھ اوپر بڑھا کر شاید باہر نکلنے کا عندیہ ظاہر کیا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے تھام کر جب اسے قبر سے نکالنے کی کوشش کی، تو گیلی مٹی میں دھنسے میرے پاؤں پھسل پڑے...... دھڑام ریڑھتا ہوا قبر کے اندر...... نیچے مردہ اس پہ باوا اور اس کے گود میں...... کپڑے، منہ ناک، ہاتھ پاؤں سب کچھ برابر تھا۔ باوا

© OneUrdu.com

کبھی کبھی ہنس رہا اور میں کے کھائی پاڑہ مرغی کی مانند ہٹ بٹ اُوپر آسمان کی جانب تک رہا تھا جدھر چند چیلیں اِدھر اُدھر جھپٹنے کے لئے پَر تول رہی تھیں...... کسی نہ کسی طور باہر نکلا اور باوا کو بھی کھینچ کھانچ باہر کیا...... باہر نکلنے پہ باوا نے کھی کھی کرتے ہوئے میرا بازو تھاما اور توی ندی کی جانب گھسیٹتا ہوا لے چلا۔ اُدھر پہنچ کر وہ چھلانگتے چھلانگتے پانی میں مستیاں کرنے لگا اور میں اپنے کپڑوں کی مٹی دھونے بیٹھ گیا......

کچھ دیر بعد وہ میرے پاس آ براجمان ہُوا۔

”کیسے سینگ پھنسے...... مزہ آیا؟ تیرے لاہور میں جموں را کالا بیٹھا ہے۔ وہ سُفیداں بائی بھی اپنی قبر کھودے پڑی ہے...... اُن سے مِلنا اور میرا آشیرواد دینا۔“

چند لمحے میری آنکھوں میں گھورتے ہوئے پھر گویا ہُوا۔

”تم نے کبھی اپنے گھر کے کوٹھے کے علاوہ کوئی اور کوٹھا دیکھا ہے؟“

میرے اندر ٹل سے کھڑکنے لگے کہ کاجل کوٹھے کی بات جو میرے دِل میں تھی‘ باوا اَب اسے ضرور کوٹھے پہ چڑھا جائے گا...... میں کیا جواب دیتا‘ ڈیلے گھماتے ہوئے باوا کو دیکھا کیے۔

پھر خود ہی مسکرا کر باوا بتانے لگا۔ ”طوائف ویسے بھی ہو لیکن کہلائے گی طوائف ہی اِسی طرح کوٹھا بھلے درس گاہ ہی کیوں نہ ہو‘ اس کی شہرت کوٹھا ہی ہوگی...... گھر کے کوٹھے اور طوائف والے کوٹھے میں سُرمے اور کاجل جیسا فرق ہوتا ہے۔ آنکھیں سُرمے سے نرگسیں اور نیناں‘ کجل سے کجرائے جاتے ہیں۔“

میں بونقوں کی مانند اُن کی مشکل سے سمجھ میں آنے والی باتوں پہ غور کر رہا تھا کہ باوا مزید کہنے لگا۔

”ایک کاجل کوٹھا بھی ہوتا ہے۔ جس میں کالک کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اگر کوئی مخلص اس کے اندر جھانک ہی لے تو بھی وہ باہر بھیتر سے کالا شاہ ہو جاتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے محض کاجل کوٹھا کا نام ہی سُن اور سنبھال رکھا ہے کبھی اس کو دیکھا نہیں۔ کاجل کوٹھے کو جاننا اور لکھنا چاہتے ہو تو سامنے تین کاجل کوٹھے ہیں ایک اِدھر شری نگر دوسرا شاہی محلہ لاہور اور تیسرا تیرے اپنے اندر......“

قارئین! اس کتاب میں ان کوٹھوں کا بقدرِ ضرورت ذکر موجود ہے۔ ہاں‘ باوا نے جن مزید کوٹھوں کی نشاندہی کی‘ اس سے میں نے کچھ مزید سمجھا اور جانا کہ کاجل کوٹھے کا استعارہ‘ درویشی و فقر میں کن کن کیفیتوں اور معنوں میں استعمال ہوتا ہے...... کاجل کوٹھے کے نام نے تو مجھے پہلے ہی جکڑ رکھا تھا اَب اس باوا نے مجھے اِک نئی جہت پہ ڈال دیا تھا۔ کاجل کوٹھا‘ کاجل کوٹھا‘ کاجل کوٹھا...... جیسے میرے اندر باہر کا ورد بن کر رہ گیا۔

© OneUrdu.com

انسانی کلبوت کے اندر اک جہاں سمایا ہوا ہوتا ہے لیکن فقیر درویش... کلبوت کے اندر کو کوٹھے، حجرے، کٹیا، ڈیرے جیسے وسیع المطالب استعاروں سے تعبیر کرتے ہیں...... کوٹھے کے ساتھ جب لفظ کاجل جڑ جاتا ہے تو کوٹھا پھر تصوف کے کوٹھے پہ چڑھ جاتا ہے۔ باوا نے مجھے مزید بتایا کہ جس قبر میں لڑھکا تھا وہ گری چھت کا کوٹھا ایک طوائف کا تھا...... چھت بیٹھ جائے تو کوٹھا 'اوکوٹھا' ہو جاتا ہے۔ میں اس کی بیٹھی قبر کے اوکوٹھے کے نقصان کا اندازہ کر ہی رہا تھا کہ تم اپنے کاجل کوٹھے کا مسئلہ لے کر بیچ میں آ گئے...... کوٹھا طوائف کا ہو یا درویش کا دونوں کا مقصد آنے والوں کی دلبستگی کا سامان مہیا کرنا ہے۔

قارئین! یہ تھی ابتدا' کاجل کوٹھے کی...... اس باوا سے ملاقات کے بعد پھر اک زمانہ' میں دربدر خاک چھانتا رہا...... قلم اٹھاتا پھر رکھ دیتا کہ اندر سے لکھنے کے لیے کچھ برآمد ہی نہیں ہوتا تھا...... میں یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتا کہ شاید ابھی وہ لمحہ مقصود نہیں آیا جس میں لکھنے کا امر کھلنا مقسوم ہے...... قصہ کوتاہ! پہلا کاجل کوٹھا شری نگر کے انتہائی نواح، ڈل کے اس پار کنارے پہ پس ماندہ سی ناپو نما ایک جگہ پہ دیکھا...... جس بزرگ کے وسیلے وساطت سے میں نے یہ سب کچھ دیکھا، سمجھا اور جانا وہ اپنے وقت کے ابدال تھے...... ان سے ملاقات اور نشست برخاست کا احوال نہایت مختصر سا ہے کہ اس سے زیادہ لکھنے کا امر نہیں تھا۔ یہیں مجھ پہ یہ عقدہ بھی کھلا کہ پچھلے چودہ پندرہ برس جو کاجل کوٹھا کے سلسلہ میں مشکلات کی مد میں بیتے یہ کچھ خالی از مصلحت نہیں تھے۔ ابھی تو میرا اپنا کاجل کوٹھا کچا پکا تھا...... اس کی کالک میں پکائی، گہرائی، سوگندی اور چپچپی نہیں تھی۔ توے کے تھلے، ہنڈیا کے پچھلے کی سیاہی...... ٹیڑھی کنالی لگن کے ٹھکن کے کالے ٹھکرا اور اُلٹے ماٹ کی چکٹ کا لک، آپس میں زمین، مابین اور آسمان سا فرق رکھتے ہیں۔ سرمہ کالا نہیں سرمئی ہوتا ہے۔ کاجل تو شب تار کی تاریکیوں کا تیز تلچھٹا ہے، جو کہ ہر رات کے راہی کا مقدر نہیں ہوتا۔ مجھے کچھ اور رواں ہونا تھا...... میرے مشاہدات و تجربات میں گہرائی تو تھی مگر وہ گیرائی نہیں تھی جو اس موضوع پہ قلم کھولنے کی متقاضی تھی۔

گلستان میں کچھ ایسے کنج اور قطعے روشیں جو عام نظر میں نہیں ہوتیں...... ادھر کچھ خاص پودے، بیریاں، گل بوٹے اُگے اور اُگائے گئے ہوتے ہیں۔ ادھر اٹھلانے والی ہوائیں، چہکنے والی چڑیاں، بلبلیں اور بھونرے بھی عامی نہیں ہوتے۔ ادھر اترنے والی پگڈنڈیاں بھی کشادہ، آراستہ نہیں ہوتیں، مگر کوئی تو ہوتے ہیں جو ادھر بھی جھانکتے ہیں...... راہ کی آڑ باڑ پھلانگتے ہیں۔ پونم کا چاند تو صحن، دالان سے بھی دکھائی دیتا ہے مگر دوج کا چاند اگر جھلک دکھا سکتا ہے تو وہ جگہ کوئی کوٹھا ہی ہو سکتا ہے کہ قطبی تارا بھی

© OneUrdu.com

کسی مخصوص الگ زاویہ سے ہی جلوہ دِکھاتا ہے۔

جب اپنا کاجل کوٹھا پکّا نگاہوں میں ٹھہر گیا تو پھر اس کتاب پہ لکھنے کے مراحل شروع ہوئے...... جہاں بھر کی کالکوں کو سمیٹنے کے بعد کاجل کوٹھا بنا...... اس کتاب کے اندر باہر سیاہیاں ہی سیاہیاں دِکھائی دیں گی...... میری دسترس میں اتنی ہی تھیں...... میرے علاقے میں ایک کوٹھی 'کالی کوٹھی' کے نام سے مشہور ہے۔ میں اکثر گزرتے ہوئے اُس جگہ کو دیکھتا ہوں...... میں بھی اپنے عارضی گھر کا نام کاجل کوٹھا رکھنا چاہتا ہوں۔ کاجل بلاک' کاجل ٹاؤن اور کاجل نگر...... مگر میں شاید ایسا نہیں کرسکتا کہ ہم سیاہ سوچوں' کرتوتوں میں کالی داس تو ہوسکتے ہیں مگر کالی رنگت کو پسند نہیں کرتے...... ہم نے کالا رنگ' سوگ کا رنگ بنا رکھا ہے' کالا سوٹ کالے کپڑے' میّت والے گھر' افسوس کے لئے مخصوص کر رکھے ہوتے ہیں۔ سیاہ دن' بلیک وارنٹ' کالا پانی' کالی زبان' کالی کلکتے والی' کسی کالی رنگت والے کی تحقیر کے لئے کالو یا کالیا کہنا۔

میں کہتا ہوں کہ ایسی سوچ سمجھ رکھنے والوں کے ہاں کوئی کاجل کوٹھا نہیں ہوتا۔ وہ نہیں جانتے کہ کالکوں میں کیسے کیسے حقیقی اُجالے چھپے ہوتے ہیں۔

ان صفحات میں ازمنۂ قریب و قدیم کے بہت سے واقعات و حالات درج ہیں...... کچھ کا تعلق تاریخ و تمدن اور کچھ کا سلسلہ اس دور کی طرزِ معاشرت' ثقافت اور تصوف و روحانیت سے جُڑا ہوا ہے...... تاریخ کا حصہ ایسے واقعات و حالات بنتے ہیں جن کے ڈانڈے عوام الناس' جنگی جغرافیائی اور سیاسی' سماجی معاملات سے جُڑے ہوئے اور اظہر من الشمس ہوتے ہیں...... مؤرخ سینوں میں دفن' رگوں میں رواں اور دماغوں میں دبے ہوئے اسراروں' رازوں کو نہ نکال سکتا ہے اور نہ اُن پہ حرف زنی کرسکتا ہے۔ وہ تو وہ کچھ لکھتا یا محفوظ کرتا ہے جو وہ سنتا' دیکھتا یا محسوس کرتا ہے۔ صدیوں پرانے اسرار' واقعات جن کا واسطہ ذاتیات یا مخصوص کسی مقصد سے ہوتا ہے وہ سربستہ ہی رہتے ہیں اور وقت زمانے کی زد میں آئے بغیر' عہدِ رفتہ کا حصہ بن کر اساطیر میں ڈھل جاتے ہیں۔ اُصولِ کائنات کے تحت جب کسی ردّ و بدل' اُلٹ پھیر' تبدیلی و تصادم کا ظہور ہوتا ہے تو پھر بہت سے نہفتہ و خفتہ اسرار کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ جیسے پہاڑوں کی آتش فشانی' دریاؤں سمندروں کے سیلاب و طوفان...... ارضی جھٹکے زلزلے' آندھیاں' جھکڑ' آسمانی بجلیاں' دھماکے وغیرہ اپنے اندر بے شمار کرشماتی اسرار رکھتے ہیں۔ انسان کے لئے نت نئی معلومات سامنے آتی ہیں۔ ارض و آفاق' بحر و بر نے اپنے بطون میں جو کچھ چھپایا ہوا ہے یہ سب کچھ جنوں اور انسانوں کے لئے ہے' قدسیوں کے کام کی یہ چیزیں نہیں ہیں...... اب ان انسانوں میں کچھ مخصوص بندے بھی ہوتے

© OneUrdu.com

ہیں...... یہ بندے خاص اِس لئے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ وہبی عُلوم' مابعد الطبیعاتی حسیّیں اور چشم بینا ہوتی ہے۔ گزرا ہوا' موجودہ اور آنے والا وقت زمانہ ان سے سرگوشیاں کرتا ہے۔ یہ اُن کے مزاج اور انداز سمجھتے ہیں۔ غیر مروجہ' مُردہ زبانیں' لوحیں' حرف و نقش' اُن کے رُوبرو لب کُشا ہوتے ہیں۔ روزِ نزول سے روزِ نشور تک کی ایک ایک ساعت' مخلوق کی ہر حرکت و نطق کی ایک اِک جنبش تک رسائی اور آشنائی ہوتی ہے۔

اس کتاب میں ایک اہم باب یوں بھی شامل ہے کہ جس میں میرے مُرشد' علامہ' فیلسوف' ڈاکٹر' میرے حکیم الامت' حق آگاہ' واقفِ رموزِ خودی' شاعرِ مشرق' رُومی کے مُریدِ ہندی' بالا سیالکوٹی' اقبال لاہوری کے لڑکپن' نوعمری اور دورانِ تعلیم کے چند ایک مخصوص مشاغل و وظائف مذکور ہیں۔ اُس دورِ وقت ایام اور اصوات و صُور مرئیات' کیفیات و جزویات کے محفوظات تک رسائی کے لیے زماں و مکاں' مقاماتِ آہ و فغاں کے جھریوں جھروکوں میں جھانکنا کچھ آسان نہ تھا...... زنگالے قفل کھولنا' پرانے ساز سُر کرنا' ذہن و زبان سے نکلی گزری باتیں' از سرِ نو تازہ کرنا' پتھروں میں جونک لگانے کے مترادف ہوتا ہے...... مخفی استعانتوں کا' تو کہیں رجالِ مستورین کا منت کش ہونا پڑا...... میرا ربّ قدیر و خبیر ہے جس پہ چاہے بند عُقدے کھول دے' جسے چاہے تہہ میں جھانکنے اُترنے کی توفیق عطا فرما دے۔ میرے ہاں قدرے آسانی یوں بھی تھی کہ گنجے بلّی کی طرح میری حسِ شامہ تیکھی اور میرا گھر قریب' مدرسہ' سکول کالج اور مسجد پاس...... گلیاں کُوچے بازار' تھڑے دکانیں اکھاڑے وغیرہ کچھ بھی تو نہ تھا جس میں کسی نہ کسی نوع کی سانجھے داری نہ ہو......

علامہ کی قلندری خوشبو تب بھی اور آج بھی سیالکوٹ کے کُوچوں بازاروں' مزاروں درباروں میں الگ سی محسوس ہوتی ہے۔ کسی اور کو تو نہیں جانتا لیکن میں اس خُوشبو سے خُوب شناسائی رکھتا ہوں۔ گھر کے پاس ہی مولوی میر حسن کا مکتب' شیخ مولا بخش کا تالاب' مرے کالج' راہ راستے جو علامہ کی گزرگاہیں تھیں۔ وقت ہو گزرا مگر وہ سڑکیں پتھر' موڑ' تھڑے' درخت ہنوز وہیں پہ موجود ہیں۔

انسان اپنے مادی جسم کے ساتھ کہیں تحلیل ہو جاتا ہے مگر اُس سے وابستہ چیزیں' اُس کی یادیں بہت زمانہ تک اُس کی یاد دلاتی رہتی ہیں۔ اُن کی سانسوں کا دم' گفتار کا آبِ گُم' لہجے کی لاجونتی کھنک' آہیں نوا ہیں ہچکیاں' آشوبِ رواں' خلق کی دھانس کھانس' شبِ رواں کا تھکا ہارا قافلہ' کیا کچھ میرے رُوبرو نہیں؟

سیالکوٹ میں میرے ایک مسیحی اُستاد' جو عُمر میں مجھ سے شاید چند برس ہی بڑے ہوں گے' بڑے اقبال شناس ہی نہ تھے بلکہ اقبال کی خوشبو کے بھی خُوگر تھے۔ اُن کے توسط سے جہاں میں نے اور بہت

© 14 OneUrdu.com

کچھ حاصل کیا وہیں خوش قسمتی سے ان جگہوں سے بھی آشنائی ملی جدھر علامہ اپنے ابتدائی دور میں تنہائی اور غور و فکر میں کچھ وقت گزارتے تھے...... اور وہ چیدہ چیدہ مقامات بھی جہاں انھیں روحانیت میں درجات حاصل ہوئے۔ اللہ کی توفیق سے میں ایک لمبی تگ و دو اور روحانی ریاضت کے بعد ان مقامات لمحات کو اپنی ظاہری باطنی بصارت بصیرت سے ہم آہنگ کرنے میں نہ صرف کامیاب ہوا بلکہ علامہ کے فیضان سے مزید بہت کچھ جاننے سمجھنے اور لکھنے کے اہل ہوا۔

آج آپ سی ڈی پلیئر میں ڈسک ڈال کر گئے گزرے وقتوں' انسانوں کی حرکت برکت' جسم نطق دے کر دیکھنے کی حد تک یوں زندہ کر لیتے ہیں کہ وہ بیتا ہوا زمانہ اپنی تمام تر حقیقتوں اور جزویات کے ساتھ آپ کے سامنے آجاتا ہے۔

تو پھر تخیل و تمثیل...... فکری وجودی طہارت و تحلیل' صبر اور سایہ فگن مہربان استعانتیں' زادِ راہ ہوں تو منزل اڑھائی قدم ہوتی ہے...... اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی......!

زندگی محض سانس لینے کا نام ہی نہیں' دم دابے کا کام بھی ہے۔ یہ عورت کے پیٹ سے جنم لیتے وقت ہی شروع نہیں ہو جاتی۔ یہ تو کتاب کے کسی ایڈیشن کی رونمائی کی طرح ایک وجودی ترتیبی مرحلہ ہوتا ہے جو اصولِ تغیر کے تحت منظرِ شہود پہ آتا ہے جبکہ زندگی کی ابتدا تو اسی لمحہ شروع ہو گئی تھی جب مالک و خالق نے اپنے امرِ خاص کو کلبوتِ آدم میں قرار و قیام کا اذن بخشا تھا۔ ہر انسان کے اندر لمحہ محسوب سے لمحہ موجود تک کی ایک ایک ساعت سکوت پذیر ہے۔

فلٹر کے فلاسک میں گزرتا ہوا اک اک قطرۂ آب' کیا ان مرحلہ وار گزرگاہوں سے ناآشنا ہوتا ہے جو منبع آب سے اس فلٹر تک کے سفر میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی تھیں...... سیلولر ٹیلیفون کی سم کی مانند اللہ سبحانہٗ کے اس انسانی ٹیلیفون میں بھی ایک سم پڑی ہوتی ہے۔ جس میں ازل سے ابد تک تمام پروگرام موجود ہوتے ہیں۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ ٹیلیفون کی بیٹری کام نہ کرتی ہو۔ اس میں بیلنس نہ ہو یا بندہ ہی بے چارہ میری طرح ان پڑھ پینڈو ہو کہ اس کے فنکشن نہ جان پائے...... کوئی بھی سم خود نہیں بولتی...... اس کو زبان دینے کے لئے کسی ''علی'' اور ''بابا'' کی ضرورت ہوتی ہے...... جو کھل جا سم سم کہے تو پھر باطنی فنکشن کھلتے ہیں......!

بابا محمد یحییٰ خان

© OneUrdu.com

بانو قدسیہ

محمد یحییٰ خان "کھوجنے اور بُوجھنے" کا نام ہے اسی وجہ سے وہ مجھ سے عام قاری کے لئے خود ایک پہیلی بن گیا ہے۔ جو بھی زندگی کو سمجھنے سمجھانے کے عمل میں غوطہ زن ہوگا زندگی اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے نیرنگیٔ حیات کے حوالے کر دے گی۔ یہاں اتنی گہما گہمی، رنگ ترنگ، اُجلا میلا، تبدیلی ارتقا، صحرا، جل تھل، تضاد اثبات، انحراف اقرار، گورا کالا غرضیکہ اتنی کیفیات، حالات، اونچ نیچ سے اٹا پڑا راستہ ہے ایسا گورکھ دھندا نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا، لیکن اسی ہمہ جہتی کے لئے ایک روڈ میپ محمد یحییٰ خان نے بھی "کاجل کوٹھا" میں پیش کر دیا ہے۔ وہ قاری کو میلے میں کھوئے ہوئے بچے کی طرح اُنگلی پکڑ کر یوں کھینچے پھرتا ہے گویا یرغمالی ہونے سے بچا رہا ہو۔

اس جہاں بینی، جہاں آرائی کے شغل میں محمد یحییٰ خان برت ورت کونے کھدروں سے ماضی حال کی چپقلش سے حاصل شدہ دھاگوں کا ایسا تانا بانا بنتا ہے کہ پڑھنے والا جذب ہو کر محو ہی نہیں ہو جاتا بلکہ مفلوج ہو کر بیچارہ رہ جاتا ہے۔ وہ کالے خاں کی بات کرے یا سُفیداں بائی کے حوالے سے سنتوکھ سنگھ اور کشمیرے سنگھ کا قصہ بیان کرے۔ غنی میاں گیانی سادھوؤں کا قصہ لے بیٹھے یا کشمیر کے شکاروں کا ذکر کرے ہمیشہ وہ ایسی تفصیلات پیش کرتا ہے جو حیرانی سے گزر کر محیر العقول واقعات میں ڈھل جاتی ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ محمد یحییٰ خان کی زبان دانی، سحر بیانی، اندازِ تحریر کسی دوسرے ادیب کے لئے قابلِ نقل ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ کھوجتا، دیکھتا، بوجھتا، رنگ رنگ کی تراکیب الفاظ بھی اختراع کئے جاتا ہے۔ اس سٹائل میں لکھنے والا ادیب نوادرات میں شامل ہُوا کرتا ہے۔

ممتاز مفتی نے لبیک میں جس کالے کوٹھے کا ذکر کیا تھا۔ یُوں لگتا ہے وہ ذکر کہیں بازگشت بن کر کاجل کوٹھے میں شامل ہو گیا ہے۔ بقول محمد یحییٰ خان آدمی "علامتی ہو یا ملامتی" ذر دور کھے یا ذر در، مشرک ہو زاہد ہو یا زندیق' اس کی اصل تلاش انسانی کچے کوٹھے سے چل کر کالے کوٹھے تک ہی ہے۔ محمد یحییٰ خان کے کالے کپڑے گواہ ہیں کہ وہ لحظہ بھر کے لئے بھی اس کھوجنے اور بُوجھنے سے غافل نہیں ہوا۔ یہ حیران کُن سفر مبارک ہو محمد یحییٰ خان کیونکہ اصلی اور آخری کھوج تو اُسی کالے کوٹھے کی تلاش ہے۔

© OneUrdu.com

مظفر وارثی،

بابا محمد یحییٰ خان کی "پیار رنگ کالا" اور "کاجل کوٹھا" الف سے ی تک میں نے پڑھی ہے۔ تجزیہ کہتا ہے کہ یہ ناول تو ہرگز نہیں، سرگزشت یا آپ بیتی ہے وہ بھی بڑی عجیب سی، ہرچند کہ ان عجائبات کا تعلق حلق کے اُوپر سے نہیں حلق کے نیچے سے ہے، تاہم بات ہی بات ہیں ترازو کوئی نہیں۔ ہر بات کا لہجہ مصنف کی ذات سے جُڑا ہوا ہے، الفاظ کی صنعت گری، خوبصورت پیرائے، ذخیرۂ معلومات، خانقاہی اصطلاحیں، رُوحانی واردتیں، صُوفیانہ بے نیازی، شاعرانہ زندہ دلی، آنکھیں حُسن کی پیاسی، دِل عشق کا دیوانہ، آگہی بے خبر، منزلیں بے سفر، ان حیرتوں کے درمیان بابا محمد یحییٰ خان ایسا دائرہ نظر آتے ہیں جہاں ہر طرف سے لکیریں ہی لکیریں آ کر ملتی ہیں، کسی نے کیا خُوب کہا ہے۔

یادِ خدا کے ساتھ ساتھ آتی رہی کسی کی یاد
اور بھی اک نماز ہم پڑھتے رہے نماز میں

اگر بابا محمد یحییٰ خان کو اس شعر کی زندہ تفسیر کہا جائے تو یقیناً کوئی رنگ بُرا نہیں مانے گا۔ ان کی محبتیں، حُسنِ سلوک اور ہیچمدانی کے اظہار کا معصومانہ ڈھب بھی نقارے کی چوٹ کہہ رہا ہے کہ وہ باہر ہی سے کالا نہیں اندر سے بھی ہے۔ یہ کُوئے ملامت کا درویش ایک پہیلی بھی ہے ایک گورکھ دھندہ بھی اور ایک آئینہ بھی، آپ اسے دماغ سے حل کریں، ہاتھوں سے سُلجھائیں یا دیوار پر آویزاں کر دیں، یہ فیصلہ آپ کا......!

© OneUrdu.com

مستنصر حسین تارڑ

مقام، وادیٔ یوکان کا دُور اُفتادہ قدیم قصبہ ڈاسن سٹی جسے سونے کی تلاش میں سرگرداں آوارہ گردوں نے بسایا تھا، مجھے اگلی سویر "ٹاپ آف دے ورلڈ روڈ" کی خزاں آلود شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے الاسکا میں داخل ہونا تھا اور میں اپنی لکڑی کی کیبن میں گھوک سوتا تھا جب گئی رات کسی نے دستک دی...... باہر یوکان کے تاریک آسمان پر شمالی روشنیوں کا رنگین ناٹک شروع ہو گیا ہے۔ دیکھو گے؟ رنگین بھڑکتی شعاعوں کا معجزہ کم لوگوں کو دیکھنے کو ملتا ہے۔ دیکھو گے؟

اور وہاں ایک تاریک گلی میں تنہا کھڑا منہ اُٹھائے میں اُس آسمان کو سحر انگیز حیرت میں تکتا تھا جس پر کیسی رنگ رنگ کی روشنیاں کوندتی تھیں، اَن دیکھے، اَن سنے، اَن کہے رنگوں کے لہریے سانپ لہراتے، سرسراتے آنکھوں کو خیرہ کرتے تھے اور اُن کے عجب رنگ کوندتے ہوئے مجھ پر اُترتے اور میں بھی اُنہی رنگوں میں رنگا جاتا...... ابھی پچھلے دنوں الاسکا کا معجزہ اپنی آنکھوں میں اُترتے دیکھ رہا تھا تو لاکھ کوشش کے باوجود میں اس کے رنگ بیان کرنے سے قاصر رہا۔ اس لیے کہ وہ تو سب کے سب اَن دیکھے اَن سنے اور اَن کہے تھے تو انہیں کیسے کوئی دیکھے، کیسے کوئی اُنہیں سنے اور کیسے کوئی لکھے۔ تو میں نے شمالی روشنیوں کے اُن رنگوں کو اَن دیکھا، اَن سنا اور اَن کہا رہنے دیا۔ میں تو صرف معلوم سے آگاہ تھا اور وہ نامعلوم کی سرحد کے باہر کہیں بھڑکتے تھے۔

کچھ ایسے ہی بابا محمد یحییٰ خان کی تحریر کے طلسمی بھڑکتے رنگ شمالی روشنیوں کی مانند مجھے عاجز کرتے ہیں کہ اُس کے چہرے، موسم اور منظر بھی نامعلوم کی سرحد کے پار بھڑکتے ہیں اور

© OneUrdu.com

انہیں بیان کرنے کے لیے ابھی تک کوئی لغت وجود میں نہیں آئی۔ نامعلوم کے رنگوں سے میری آشنائی نہیں تو میں کیسے اور کن لفظوں میں ان کی توصیف کروں۔ بابا محمد یحییٰ خان کے دشتِ نامعلوم کے غزال تو اُس کے اپنے تخلیق کردہ ہیں تو میں اُنہیں کس نام سے پکاروں۔ مائیکل انجلو کی مانند اِس شخص کو اپنے تراشے ہوئے موسےٰ کے مجسمے کو یہ نہیں کہنا پڑتا کہ بول، تُو ہی تو مکمل موسےٰ ہے بلکہ اِس کے تراشے ہوئے چہروں، منظروں اور موسموں کے صنم خُود بہ خُود ہی ہم سے محوِکلام ہونے لگتے ہیں۔

وہ جب بنجر ریت کو بھی اپنی تخلیق کی چھلنی میں چھانتا ہے تو چھلنی میں سونے کی ڈلیاں دمکنے لگتی ہیں۔ اُس کی نثر خُمارآور اور ہلاکت خیز ہے، اُس کی تخلیق کردہ دُنیا میں اُترنے سے جان جانے کا بھی خدشہ ہے کہ وہ پاتال سے رُوح کھینچ لیتا ہے۔

عجیب شعبدہ باز، سامری سحر طراز بہروپیہ بازی گر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اُس کے بنائے ہوئے قصے کہانیاں آپ کی حقیقت کی پرکھ پر پورا اتریں کہ "دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا" مجھ ایسوں کے اندر شکوک کے سنپولیے سے سرسراتے ہیں کہ ہم معلوم میں بھٹکتے ہیں اور نامعلوم کی خبر نہیں رکھتے اور جب بابا محمد یحییٰ خان سے مولانا رُومؒ کی مانند پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے؟ تو وہ شمس تبریزؒ کے لہجے میں جواب دیتا ہے کہ یہ وہ ہے جس کی تمہیں خبر نہیں۔

یہ طے ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہے جسے خبر نہیں...... اور وہ کون ہے جسے خبر نہیں، بس اِس کی خبر نہیں آتی۔

نائی جوڑا، نائی گھوڑا، نائی دا اسوار
نائی نوں نائی دوڑائے، نائی دا کھڑکار

(بلھے شاہؒ)

© OneUrdu.com

امجد اسلام امجدؔ

علم کی روشنی میرے چاروں طرف پھیلتی ہے،
اس کی عکسی شعاعیں ہر اک شے کے باطن
کو ظاہر میں تبدیل کرتی ہیں...... میں
انکشافات کے ایک آتش فشاں کے دہانے پہ ہوں
میرے چاروں طرف دھوپ ہے!
میری اقدار کے سبز چشموں پہ صحراؤں کی ریت خیمہ فگن ہے
ہواؤں کے لہجے میں تلخی کا اعلان ہے
اور درختوں کے سائے بھٹکتے ہوئے قافلوں کے تعاقب
میں صحرا کی پہنائیوں میں کہیں کھو چکے ہیں
(بابا بلھے شاہ کی کافی سے لیا گیا ہے)

وہ جو انگریزی میں (Style is the man himself) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اُس کا اطلاق یقیناً بابا محمد یحییٰ خان اور اُن کی تحریروں پر کیا جا سکتا ہے۔

اُن کی نثر ایسی لہردار، فطری، بلا جھجک، سادہ اور پُرکار ہے کہ آپ فوری طور پر اس کے لیے کوئی تشبیہ تلاش نہیں کر سکتے۔ یہاں آپ کو رجب علی بیگ سرور، محمد حسین آزاد اور مُلّا رموزی تینوں کی جھلک تو ملے گی لیکن اس کے علاوہ اسے کسی ایک کے مماثل قرار دینا ممکن نہیں۔ یہی صورتِ حال درویشی، تصوّف، قلندری اور مذہب اور عقیدوں کی قید سے آزاد ہو کر اُن وارداتوں اور کیفیات کے ذکر کی ہے جو ان تحریروں میں جاری و ساری نظر آتا ہے۔ وہ ہر شعبۂ زندگی کی مخصوص زبان اور اصطلاحات کا بے محابا استعمال کرتے ہیں اور اس رَو میں بعض الفاظ کے معنی، محلِ استعمال اور املا میں ایسی تبدیلیاں بھی کرتے چلے جاتے ہیں کہ

© OneUrdu.com

بقول تاثیر...... ''مقامِ جنبشِ ابرو نکل ہی آتے ہیں'' وہ اس کی وضاحت میں اپنی کم علمی کو دلیل ٹھہراتے ہیں لیکن اگر ہم ''اسلوب خود صاحبِ اسلوب کا آئینہ ہوتا ہے'' سے اتفاق کرتے ہیں تو ہمیں اس مسئلے کو بھی ایک مختلف اور وسیع تر تناظر میں دیکھنا چاہیے لیکن اس پر پھر کبھی بات ہوگی۔ فی الوقت تو میں اس بے مثال قصہ گو اور اشفاق صاحب کی طرح فطری مجمع باز (یہ اصطلاح میں اس کے مثبت معانی کے حوالے سے استعمال کر رہا ہوں) کی چند ایسی خصوصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے ذاتی طور پر مجھے بہت متاثر کیا ہے شاعری اور ڈرامے سے اپنے فطری تعلق کی بنا پر مجھے وہ تحریریں اپنے دل سے زیادہ قریب محسوس ہوتی ہیں جن میں ان دونوں کے بنیادی اجزائے ترکیبی کو خوبصورتی، ندرت اور مہارت کے ساتھ پیش اور استعمال کیا گیا ہو۔ مثال کے طور پر بابا محمد یحییٰ خان کی زیرِ نظر کتاب ''کاجل کوٹھا'' کے اسلوب میں منظر نگاری، کردار نگاری، مکالمے، پُراسراریت، بے ساختگی، چھوٹی چھوٹی چویشنز کے کلائمکس، زمان و مکاں کی وحدت، Fantasy اور حقیقت کے ملاپ اور لفظوں کے متبادلات اور تشابہات کی وسیع تر لسانی بنیاد کو اس سہولت اور کامیابی سے برتا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ قاری موضوع کے پیچھے پیچھے چلے موضوع اس کے ساتھ ساتھ اس طرح چلنا شروع کر دیتا ہے جیسے پرانے دوست خاموش رہ کر بھی ایک دوسرے سے باتیں کر سکتے ہیں۔ اسلوبِ تحریر کی معرفت ان دیکھے نامانوس اور ماضی سے مربوط مناظر کی ایسی شاندار عکس بندی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے اس کی قریب ترین مثال شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' میں شاید نظر آ جائے۔

''کاجل کوٹھا'' کا شمار ادب کی کون سی صنف میں ہوتا ہے؟ اس کا حساب تو قارئین اور نقاد حضرات کرتے رہیں گے مجھے تو اس وقت بس اتنا ہی کہنا ہے کہ یہ کتاب آپ کو ایک ایسی Insight سے متعارف کراتی ہے جسے بابا محمد یحییٰ خان کے شخصی تجربات، مشاہدات اور انتہائی منفرد اور دلچسپ اسلوبِ تحریر نے ایک خاصے کی چیز بنا دیا ہے اور اسے پڑھنا جیسے ایک آئینہ خانے میں وقت گزارنا ہے ویسا ہی آئینہ خانہ جس کے بارے میں میر تقی میر نے کہا تھا کہ......

چشم ہو تو آئنہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ

صدیقہ بیگم،

بابا محمد یحییٰ خان کو میں جب پہلی دفعہ ملی تو ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی۔ یہ ملاقات ماہنامہ ''تخلیق'' والے اظہر جاوید کے دفتر میں ہوئی تھی۔ اظہر نے کہا کہ جن خواتین کے سر ننگے ہوتے ہیں، ان سے بابا بات نہیں کرتا۔ میں نے کہا کہ نہ کرے بات...... ان کا وزیٹنگ کارڈ دیکھ کر حیرت سی ہوئی۔ تصویر، تین چار فون نمبر درج۔ میں نے کہا کہ یہ بابا تو شہرت کی تلاش میں ہے۔

اشفاق احمد کے انتقال کے بعد جس طرح بانو قدسیہ نے چالیسویں تک فاتحہ خوانی کا سلسلہ جاری رکھا وہ انہی کا کمال تھا کہ غم کو اس طرح منایا کہ ہم سب صدمہ سہنے جوگے ہو گئے۔ بانو قدسیہ کی بہو اور میری بیٹی ثریا انیس نے بھی اس طرح ہر روز اہتمام اور انتظام کیا کہ حق ادا کر دیا۔ یہیں بابا جی سے ملنے جلنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ میری دونوں بیٹیاں ان سے بہت متاثر ہوئیں۔ ان محفلوں میں ان سے اکثر ملاقات رہتی اور ان کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے دانشمند اور جہاندیدہ ہیں۔

مگر میں نے سر پے دوپٹہ نہ اوڑھا...... انہوں نے مجھے اپنی کتابیں دیں جن میں ''پیا رنگ کالا'' بھی تھی۔ یہ ناول ہے کہ قصہ؟...... آپ بیتی ہیں کہ جگ بیتی؟...... جو بھی ہے کمال ہے! کیا روانی ہے، کیا تسلسل ہے، کیا انداز ہے، کیا مشاہدہ ہے، کیا مطالعہ ہے، کیا عبور ہے زبان پر...... کاش میں ان کی طرح کی بڑی رائیٹر ہوتی۔ ان کے جیسا رائیٹر تو کیا میں دو سطریں بھی نہیں لکھ سکتی۔

(ایڈیٹر ماہنامہ ادبِ لطیف، لاہور)

© 22 OneUrdu.com

تجمل کلی

- متھی کالک چٹے جھاٹے لیڑے بیڑے کالے
  اَدھی راتی تجمّل کوٹھے بابا دیوے بالے

● مائی چٹی تے بابا کالا......!

"یا علی! تیرے چاہنے والوں کی خیر"

اور پھر جموں را کالے کا آوازہ...... اس صدا میں جذب کا رنگ لگے موٹے رسیلے سیاہ کالے جامنوں کا کھٹا میٹھا' کسیلا سواد' مولی علی کے نام کے آہنگ کی خیر و برکت اور خوشبو کچھ اس انداز سے در آتی کہ میں لامحالہ پیچھے مڑ کر دیکھنے پہ مجبور ہو جاتا اور پھر اس آواز میں ٹوٹتے کانچ سی کھنک' مضبوط سا وقفہ اور لہجے کے لاجوق سے [illegible] امتاس کے کسی جھاڑ کے پیچھے ڈیرا مارے بیٹھا یا نیم اوندھا ٹک لگائے لیٹا ہوتا...... شاہی قلعے والے دروازے پہ نظریں جمائے وہ میری ہی راہ دیکھتا رہتا جبکہ میں بھی اُسے دُور سے ہی دیکھ لیتا تھا۔ میرے قریب پہنچتے ہی پلو جھاڑتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوتا۔ پورے حلق سے مولی علی کے نام کی جلی لگاتا...... ہاتھ سے سلام اور سُرخ بوٹی اُبلی ہوئی آنکھوں میں عجز و انکساری کی [illegible] میرے پیچھے ہو لیتا...... میں اُو بدا کراے بُدبُد کہا کرتا تھا جبکہ اس کا اصل نام کالے خان تھا۔

میں اپنی لگی بندھی رفتار سے آگے بڑھتا ہوا بارہ دری کا چکر پورا کرتا پھر قلعہ اور رنجیت سنگھ کی مڑھی پہ اک دُھندلی سی نظر ڈالتے ہوئے بادشاہی مسجد کی جانب ہو لیتا' وہاں ڈیوڑھی کی سیڑھیوں پہ چند لمحوں کے لئے سانس دُرست کرنے کی غرض سے بیٹھ جاتا...... اس دوران وہ کسی مصاحب کی طرح ہاتھ باندھے میری بائیں جانب کچھ فاصلہ رکھ کر کھڑا رہتا...... پھر اِدھر سے ڈولتا ڈولتا ہوا جب میں اپنے مُرشد حضرت علامہ اقبالؒ کے مزار میں داخل ہوتا تو وہ باہر میرے جوتوں کو جھولی میں ڈالے بیٹھا رہتا...... یہاں سے چھٹی ملتی تو پھر میرا اگلا پڑاؤ پھجے کی دوکان ہوتا' وہ نظر اور مغز شناس مجھے دیکھتے ہی سری پائے کا شوربا اور کلچے بندھوا دیتا...... شوربے کا بدھنا اور کلچوں کا بدھیرا تھامے بُدبُد اب بھی میرے پیچھے پیچھے ہی ہوتا۔ اس طرح جب میں سفیداں بائی جموں والی المعروف چٹی کی چکردار اندھیری ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں تک پہنچتا تو وہ جھٹ سے قدم بڑھا کر میرے

آگے ہو جاتا' یقیناً اُس کی اِس جُرأتِ رندانہ کا مقصد سِکھوں کے سَمے کی اِس شکستہ بلڈنگ کی تنگ و تاریک چکردار ٹوٹی پھوٹی سیڑھیوں پہ میری رہبری کرنا ہوتا تھا۔ اِس دوران وہ محض ایک آدھ سیڑھی ہی آگے اُوپر ہوتا جبکہ اُس کا بائیں ہاتھ میرے شانے پہ رہتا' ساتھ ساتھ وہ مجھے شناسائی بھی دیتا جاتا۔

''پاؤں سے ٹٹول لیجیے گا اگلی سیڑھی ذرا چھوٹی ہے۔'' یا ''پاؤں ذرا دھیان سے دھریے گا اینٹیں ذرا کھسکی ہوئی ہیں۔''

ایک پون منزل اُوپر سے ہی مجھے مائی وچّی کی دَمے کی دلدل میں مُنہ تک دھنسی پھنسی' سانس دھنکی ہوئی تابڑتوڑ کھانسی کی ہلکی ہلکی آوازیں سُنائی دینی شروع ہو جاتیں اور مجھے یہیں سے ہی دکھائی دینے لگتا کہ اوپر کُھلے آسمان تلے ٹین کے چھت والے ڈربہ نما کمرے کے باہر ایک جھلنگی کھاٹ پہ وہ گٹھڑی سی دھری پڑی ہے۔ بوسیدہ سے ہر گھڑی کی چری ہوئی لَے...... اس کے بے پیڑ مُنہ میں کنٹھ تک اتری ہوئی ہے بیٹھی ہوئی پھولی آنکھوں میں بُجھی راکھ کی ٹھنڈی سفیدی اور دُودھیائی جھالے کی چند بھروٹی ہوئی پُونچھیں' کھرنڈوں کھائے سر پہ تہمت کی طرح چپٹی ہوئی ہیں۔

ہم [illegible] کاٹنے کے بعد میں خود بھی [illegible] سا جاتا ہوں توازن گڑبڑا سا جاتا ہے۔ سانس کی دھونکنی دُھواں دینے لگتی ہے۔ کالے خان جان جاتا ہے کہ میری جان پہ بن رہی ہے وہ مجھے اپنے بازوؤں سے مزید سہارا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اسے ڈانٹ سا دیتا ہوں [illegible] بُردباری سے سمجھایا۔ ''بھئی' کالے خان! مجھے جتنے مار خواہ مخواہ کی ہمدردی نہ جتایا کر مجھے تمہاری قربت سے انتہائی [illegible] میری طبیعت مالش کرنے لگتی ہے اور پھر تو بھی ایسا کون سا رستم ہے جو مجھے سنبھالا دے گا' چرس' چنڈو نے تجھے چاٹ کر رکھ دیا ہوا ہے۔'' وہ جواب میں کمال ڈھٹائی سے جی جی جپتا رہتا۔

جب دوسری منزل کی غلام گردش پہ پاؤں پڑتے ہیں تو ہم دونوں کے سانس پُھولے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک دُوجے کی بازو پکڑے بمشکل اپنے بے سکت پاؤں پہ کھڑا رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ہم دونوں خدائی خوار بُڈھوں کا اس منزل کے برآمدے میں کچھ وقت رُک کر سانس اور اعصاب کی درستی کا جائزہ لینا ضروری ہو جاتا...... یہاں کچھ دیر رُکنے میں اس کے علاوہ اور کوئی قباحت نہ تھی کہ اِدھر پیشہ کمانے والی چند کسبیوں کے ٹھکانے تھے' چھوٹے چھوٹے سیلن اور حبس زدہ تاریک کمرے' جن کی چوکھٹوں کے باہر سرکنڈوں' بید مجنوں کے مُوہڑوں پہ دھری وہ آپس کی خوش شغلی میں مصروف ہوتیں بلکہ یوں کہ دانہ ڈالے دام بچھائے کسی پکھو پکھیرو کے پھنسنے کا انتظار کرتی رہتیں...... جوں ہی کسی کے دانے دُنکے پہ کوئی پنچھی پڑتا تو وہ اس کا جھٹکا

کرنے کے لئے اپنی کرسی یا مونڈھے پہ چھالیا سروتہ یا بلی بٹھا کر کواڑ بھیڑ کر اندر چلی جاتیں۔

میرا چونکہ یہاں آنا جانا قریب قریب لگا بندھا تھا اور ویسے بھی اس ڈھلتی عمر میں بندہ بیچارہ کم اور بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔ اس رُو رعایت کے سبب میں ان کی ''منہ ماری'' یا ''ہتھ چالاکی'' سے فی الحال بچا ہوا تھا بلکہ اکثر و بیشتر میرا لحاظ یا احترام کرنے پہ بھی آمادۂ خاطر دکھائی دیتی تھیں۔ جھٹ کی جھٹ ٹیکی ٹیکنے کے بعد اب ہمارے سامنے تیسری منزل کی جانب اُٹھنے والی وہی چکردار سیڑھیاں ہوتیں...... تجربہ بتاتا ہے کہ بوڑھے کے لئے اُوپر چڑھنا اور جوان کے لئے نیچے اترنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا۔ چڑھنے کے لئے طاقت و طرار چاہیے ہوتی ہے اور جبکہ اُترنے کے لئے طور و توازن میں تائید ہونا ضروری ٹھہرتا ہے...... صدیوں کی خجل خواری اور کھٹے کھائی سے میرے مشاہدے میں یہ بھی آیا کہ سفر یا منزل' جو بھی ہو' کبھی ایک ہی سنگت لے کر ہرگز نہ چلو' خصومت و خواری آڑے آئے گی...... پیر فرتوت کے ہمرکاب جوان رعنا' ناتواں کے سنگ توانا' نادان کے ساتھ سیانا اور کچے کے ہاتھ اگر پکا ہو تو منزل مارنے میں راہ کی مشکل پھر کوئی مشکل نہیں رہتی بلکہ تفریح ترنگ اور تسکین کا سامان بن جاتی ہے۔

خدا کی مار احاتہ یا کالے خان تیسری منزل کی پہلی [illegible] پھر مجھے سہارا دینے کی خاطر میں میرا بازو تھامنے کا عندیہ [illegible] چار بے نقط سنا ڈالتا۔ وزیر [illegible] حال محض ناک نتھنوں کی پھوں پھاں یا میرے سیدھے ہاتھ کے اُلٹے جھانپڑ' جیسے اشارے سے ہی وہ دو دو سیڑھیاں اوپر پھلانگ لیتا...... چودہ تیا بیالیس سیڑھیاں جب بیالیس جنموں کا کشٹ جال بن کر تیسری منزل کے برآمدے میں انت ہوتیں تو ہم دونوں ہی اپنی اپنی ذات و اوقات کے پنجرے سے نکل چکے ہوتے اور ایسے کلیجے ربڑ کے غباروں کی مانند آپس میں کھنچے ٹھسے ہوتے جن کی ہوا پڑے پڑے ہی کھسک گئی ہو۔ پھیپھڑوں میں سانس کا پسٹن یوں کھٹ کھٹ کرتا سنائی دیتا کہ ابھی پنجرا مچھلے توڑ کر دھڑپ سینے سے باہر آ پڑے گا۔ اب ہم دونوں باہم پیوست یوں ڈھے جاتے جیسے پران چھوڑنے پہ باول نخواستہ آمادۂ خاطر ہوں۔

نیچے کی نسبت یہ تیسری منزل اپنے مکینوں کے حوالے سے قدرے مختلف اور محفوظ سی تھی۔ یہاں لدے وقتوں کی ایک پرانی کھوچل ڈیرہ دارنی میڈم بشیراں امبرسرن اپنی چند چلبلی سی نئی پرانی نوچیوں کے ساتھ صرف بیٹھک کا دھندا کرتی تھی۔

ادیب اور شاعر حضرات کہتے ہیں کہ امرتسر میں اگر اور کچھ بھی نہ ہوتا تو اس کی وجۂ شہرت کے لئے محض سعادت حسن منٹو' اے حمید' احمد راہی' سیف' حشر کاشمیری' ظہیر کاشمیری' صوفی تبسم اور عطاء الحق قاسمی ہی کافی تھے۔ ارباب طرب و نشاط متفق ہیں کہ اگر مختار بیگم' فریدہ اور شمشاد بیگم (پری چہرہ نسیم کی والدہ) وہاں نہ

ہوتیں تو ٹھمری، خیال، گیت، غزل ہمیشہ بانجھ ہی رہتے...... مگر میڈم بشیراں کا کامل یقین تھا کہ اگر وہ یہاں پیدا نہ ہوتی تو امبرسر، امبرسر نہ ہوتا، کوئی مالیر کوٹلے جیسا بست بسیا ہوتا۔ وہ امبرسرن کہلوا کر بہت خوش ہوتی تھی...... میں اس سے اپنا پنڈا بچانے کی خاطر اکثر اس کی چاپلوسی کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے کہیں کہہ دیا۔

''واہ! بشیراں بائی، واہ! باقر خانیاں، کھنڈ کلچے، کشمیری چائے، ہریسہ...... کیا بات تھی امرتسر کی۔''

وہ ابروؤں کی ڈھیلی کمانیں چڑھا کر پوچھنے لگی۔

''آپ کو کیسے پتہ؟ آپ تو امبرسری نہیں ہیں۔''

میں نے تُرت جواب دیا۔

''امرتسر والوں کا داماد ہوں، مجھے پتہ نہ ہوگا تو کسے ہوگا۔''

''ہائے ہائے......'' وہ ہاتھ [illegible] تاسف کا اظہار کرتے ہوئے ناک سکیڑ کر کہنے لگی۔

''بزرگو! کھانا پینا تو دور کی بات اگر کبھی انگلی سے میرے پنڈے کا نمک ہی چکھ لیا ہوتا تو پتہ چل جاتا کہ امبرسر کی اصل سوغات کیا تھی۔''

وہ کئی بار مجھے اپنے دفتر میں دم درست کرنے کی غرض سے گھڑی دو گھڑی بیٹھنے کی دعوت بھی دے چکی تھی۔ مگر [illegible] جا [illegible] دم درست کرتے کرتے دم غلطی نہ پڑ جائے...... آنجہانی وہ حاجن اور بڑی پکی پنج وقتہ نمازن بھی تھی۔ [illegible] عقیدتوں کی تسبیح ہر وقت اس کے ہاتھ میں جھولتی رہتی...... مگر میں کہتا ہوں کہ اکیلے دو اکیلے میں [illegible] طوائف، کھوسٹ کھسرے...... قبرستان میں کھلے [illegible]...... باغ میں سیر کرتے ہوئے [illegible] اکھاڑے میں زور کرتے ہوئے پہلوان اور غروب آفتاب کے بعد کسی اندھے حافظ سے بے تکلف ہونے سے بے حد اجتناب برتنا چاہیے دریں صورت نتائج بڑے افسوس ناک اور حیرت انگیز برآمد ہو سکتے ہیں۔

ایک بار میں اس بھم بھوتری ہوئی بوڑھی بلی سے اپنے بڑھاپے کے چھیچھڑے بچا کر اوپر چوتھی منزل کی جانب بڑھنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے ایک ''ادائے بزرگانہ'' سے آگے بڑھ کر میرا کانپتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

''حاجی صاحب! کیا ہوا جو ہم گنہگار لوگ اس بدنام جگہ پر رہتے ہیں۔ خیر سے آپ کی اس عاجز بندی نے بھی زیارتوں کے علاوہ دو حج اور پانچ عمرے کئے ہوئے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ بھی حاجی، میں بھی حاجن اور پھر میں مائی حجن سے پندرہ بیس برس چھوٹی بھی ہوں...... کبھی ہمارے پاس بھی گھڑی دو گھڑی برکت کے لئے بیٹھ جایا کریں، اپنی نگاہ میں رکھیں، ہمیں بھی فیضیاب ہونے کا موقع دیں۔''

یاد آیا کہ ایک بار تو وہ مائی چنی کے لیے لایا ہوا کھانا بھی جھپٹا مار کر لے گئی کہ ہمارا ابھی آپ پہ کچھ حق ہے۔

اسی حاجن نمازن میڈم بشیراں کے عین اُوپر کھلی چھت پہ ٹین کی چھت والا ایک کچا پکا سا کمرا تھا جہاں مائی چنی اپنی بے اعتبار خستہ و خوار شرمندہ سی زندگی کے بچے کھچے سانس پورے کر رہی تھی۔ اس کی جوانی کے الاؤ پہ پانی...... اور اُدھیڑ عمری کی نیم گرم بھوبھل پہ اوس پڑے بھی اک لمبا عرصہ گزر چکا تھا مگر زندگی کے خشک دیے میں معدوم سی باقی ہنوز اپنا لب لال کیے ہوئے تھی...... اس کے سرہانے مٹی کے کورے مٹکے میں پڑا ہوا کفن، مشکِ کافور، عرقِ گلاب، خشک نیم کی پتیاں، اگربتیاں، زم زم کی کپی...... خاکِ نجف کی ڈلی اور ڈیڑھ دو انچ غلافِ کعبہ کی ایک کترن کے ساتھ پنجتنی پنجہ...... یہی وہ کُل خزانہ تھا جسے حصار میں لیے ہوئے وہ ایک بے سکت و سم، بے ضم و دم ناگن کی طرح ادھ موئی سی پڑی رہتی...... چڑیا کی چونچ کا ڈونکا خوراک، پیاس کے لیے دو قطرے آب...... بول و براز سے بیزار...... کئی کئی روز کے موتے بنا ہی بیت جاتے۔ آنتیں خشک اور پیٹ پتلا پڑ کر پیٹھ سے لگ چکا تھا۔ بس اک حق حُقہ تھا جس کے پیندے میں پانی پڑے کئی ساون [illegible] بیت چکے تھے۔ چلم گرم [illegible] کئی جھلستی دوپہریں [illegible] ہو گئی تھیں تو خشی ہوئی چلم میں انگارے [illegible] تمباکو گڑ کی بجائے اس کی پیالی [illegible] سرمہ دانی [illegible] انا وہ کبھی نہ بھولتی...... مُنہ [illegible] بُندھی ہوئی پھولے پچکی آنکھوں میں سُرمے کی دھاری۔ جھریوں کے جالے [illegible] پھنسی ہوئی ناک کی جڑ میں موٹا سا مسا تھا جیسے باسی پھول کو بھی پہ ڈنٹھل کے پاس ایک جگنو چپک کر مر گیا ہو۔

مائی چنی کی یہ جند جان سُرمہ دانی جانے [illegible] بنی ہوئی تھی کہ جائفل، جاوتری، لونگ کی تیز مہک اور تند تاثیر کی لہک آشوبِ چشم کے لیے بہتر و بہدف ہوتی ہے۔ بانکی سی گردن والی یہ سُرمہ دانی اب سے لگ بھگ چالیس برس پہلے جو ہوگی سو ہوگی مگر اب بھی اس کا مُندھا مُندھا سا ناک نقشہ بڑا سجاوٹا تھا، کیا ہُوا جو اس کے پیندے کی گول گرسی کناروں پہ سے ذرا سی جھڑ گئی تھی کہ اب یہ اپنے توازن پہ استادہ نہ رہ سکتی شاید اسی عذرِ لنگ کے بھگتان میں یہ چلم کے ڈھیر کا تہ کباڑ کا حصہ بن گئی تھی۔

بٹوارے سے پہلے انبالے میں یہ سفیداں نیتاں والی تھی وہاں سے امرتسر منتقل ہونے پہ سفیداں انبالے والی بن گئی پھر امرتسر اور لاہور میں وہ سفیداں بائی امرتسر والی ریڈیو سنگر کہلائی اور اب لے دے کر مائی چنی کو اس سُرمہ دانی کے علاوہ اگر کچھ تھوڑا بہت یاد پڑتا تھا تو وہ بس چپک رہ "علی تیرے چاہنے والوں کی خیر" والا کالے خان...... جس کی کوئی عزت تو دور کی بات چالیس سالہ منشی چاپانی خدمت گزاری کے صلہ میں اُسے

آج تک ایک وقت کی بے عزتی تک نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ کسی مرد یا عاشق کی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ جسے جنوں کی حد تک چاہے اور جس کی خاطر اپنا سب کچھ تیاگ بیٹھے تو وہ بُتِ طناز اس سے اچھا برتاؤ ایک طرف مُنہ پھیر کر کبھی پھٹے مُنہ تک نہ کہے...... اس عاشقِ صادق اور بھری جوانی شادمانی کے زمانے کے اس وفادار نے کتے کی طرح اس دل و جان کی مالک کا دوارہ نہ چھوڑا۔ قیامت یہ کہ وہ اسے کبھی دھتکارتی بھی نہ تھی اور نہ ہی کبھی اپنائیت کا اظہار کرتی...... بس اس کی دی ہوئی سُرمہ دانی کے سُرمے سے پُتی ہوئی خالی خالی مُندھی آنکھوں سے کبھی کبھار اک نظر دیکھ لیتی...... کالے خان نے بس اسی اک سُرمہ بھری نظر کے کالے فسوں سے ریشہ خطمی ہو کر اپنی کاٹھ کی جوانی کو رنڈی کے غسل خانے سے نکلنے والی گندی موری کا پروردہ کیڑا بنا لیا تھا۔ بس وہ یہی اک خوش فہمی لیے اپنے تگے تپے چالیس سال اس لالہ فام گُل اندام شیریں مقال کی نوعمری کی تکی پیری اور پھر شباب کی زرد رو [illegible] مرجع بیزار...... اور اب بڑھاپے کے تنور میں پتا وے ندارد کھوڑے تلے بکھیر بیٹھا تھا کہ وہ کبھی اس کی سُرمہ دانی کو پہلے اپنی چھٹی چھنسی چولی میں دبائے رکھتی تھی پھر گلوری چھالیہ کے بٹوے...... اور اب کئی برساتوں سے بجھی خالی ترخی ہوئی کالی مٹی کی چلم میں۔

وہ [illegible] رات کا اکثر حصہ کُھلے آسمان تلے [illegible] کی جھلنگی [illegible] سے [illegible] دور بیٹھا...... ''جموں راکا [illegible] تیرے چاہنے والوں کی خیر'' کے آوازے لگاتے [illegible] گزار دیتا۔ شاید یہی صدائیں تھیں جو اس کے جنون اور مائی چتی کے بطون کے درمیان ایک شکستہ سے پُل کی طرح بہر طور موجود تھیں۔ ایسا جھولا پُل جو استداد زمانہ کے باعث محض نام نمود کا رہ گیا ہو' کام کرم اس کا کبھی کا ختم ہو چکا ہو...... تیز و تند بہاؤ پر معلق ایسے پُل...... مکافات [illegible] ہنوز کہیں تارِ عنکبوت سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں...... سینوں کی بُھول بھلیوں میں پھنسی ہوئی دم بُردہ سانسیں...... قلب و نظر کے دھاگوں میں پڑی ہوئی گانٹھیں...... صحراؤں میں صدائیں...... پاتال اُتری باؤلیوں میں ہواؤں کی اندوہناک گھٹی گھٹی چیخوں اور پکاروں کی طرح ہوتی ہیں جو مرنے دیتی ہیں نہ جینے' دکھائی کچھ دیتی ہیں اور ہوتی کچھ ہیں۔ ''جموں راکا لے علی تیرے چاہنے والوں کی خیر'' کا ہانکا بھی اک صدائے صحرا کی طرح ہی ہوتا یا شاید کبھی اس ہانک کے بعد مائی چتی کے جسم کے خالم خالی مکان سے کوئی ہلکی سی کراہ یا آہ کی کوئی مریل سی چوہی سر نکال باہر جھانکتی ہو پھر فوراً واپس اندر گھس جاتی ہو۔

دیکھنے میں آیا ہے جوئیں اور لیکیں زندہ انسانوں کو پڑتی ہیں مُردوں کو نہیں اور چوہے ان گھروں میں پائے جاتے ہیں جہاں کچھ کھانے کھلانے کو موجود ہو۔ جبکہ آہیں اور کراہیں بھی وہیں سے نمودار ہوتی ہیں جہاں کوئی حسرت انارکلی کی طرح زندہ دفن ہو کر رہ گئی ہو۔

- جس کی سانسوں کی خوشبو لالہ و گل چُراتے تھے......!

وہ کوئی حسرتیں پالنے کے دن تھوڑے ہی تھے...... وہ تو خواہشیں خوابیدہ تمنائیں ترازو...... چاہنے چاہے جانے اور آرزوئیں اُجالنے کے دن تھے۔ صباحتوں سے سرشار تھیں' دم دم دمدمے چھوڑتیں ہوئی دوپہریں' شمشاد قامت شفق کے شامیانے گاڑتی ہوئی شامیں...... اور بہار رت کے مہکے مہکے سپنے بُنتی ہوئی راتیں۔

اک چھوٹا سا کنبہ' چھوٹے قد کی گٹھی سی ماں دو عدد جواں سال بھائی جو سازندوں میں بیٹھتے تھے۔ ایک عدد خالو جو سارنگی نواز تھا' دو گزارہ لائق نوچیاں جو گانے اور نرت میں جھولا دیتی تھیں۔ جوانی کی راتیں مرادوں کے دن...... انبالے کی شباب اور شباب انگیز آب و ہوا نے اسے خوب گدرایا اور مہکایا ہوا تھا۔ بانکی چتون' آنکھیں خواب تو چہرہ گلاب تھا...... کھڑی کٹیلی ناک پہ پنا جڑی کندن کی تھلی جب معصومیت سے ناک چڑانے پہ جھولا دیتی تو دیکھنے والوں کے دل بلبلے بتاشے کی مانند پچک جاتے۔ چودھویں کے چاند سے روشن چہرے پہ نگاہ کر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس کی ماں نے کہیں [illegible] وقت [illegible] لگوائی تھی کہ جیسے یہ گوشت پوست [illegible] شاید اسی وجہ سے اس کا نام سفیداں رکھا گیا۔

انبالے کے دل پھینک اجڈ اوباش سکھوں نے اس کا جینا حرام کیا ہوا تھا۔ میموں کی طرح اس کے سفید رنگ' خوبصورتی اور حماقت کی حد تک جوانی کے خمار کی وجہ سے ایک دو قتل بھی ہو چکے تھے۔ سفیداں باقی جسم کا کرنے والی کسبی نہیں تھی' گانے بجانے والی طوائف تھی۔ علاقے کے ایک بڑے زمیندار رئیس بھوپندر سنگھ کے منجھلے منہ زور بیٹے سنتوک سنگھ نے اس کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگائی ہوئی تھی۔ اس نے سرِ عام اعلان کیا ہوا تھا کہ سفیداں کے کوٹھے پہ صرف اور صرف سنتو کا ہی جا سکتا ہے اگر کوئی اور جرأت کرے گا تو وہ پھر اپنے پاؤں پیروں پہ نیچے اترنے کے قابل نہیں رہے گا...... چندن پور کے مہندرے کو سنتو کے نے کرپان سے چار چیرے لگا کر سفیداں کے کوٹھے سے نیچے پھینک دیا تھا...... پھر بھی خون آلود کرپان کی نوک سفیداں کے سینے پہ رکھتے ہوئے کہا۔

"سفیداں! تو سنتوکے کی پسند ہے' تو آج کے بعد کسی کے لئے گائے گی اور نہ ہی کسی کے سامنے آئے گی۔ تو صرف میری ہے' میں تم سے بیاہ کرنا چاہتا ہوں۔"

سفیداں نے درد سے کراہتے ہوئے بازو چھڑا کر جواب دیا۔

"تیرا بیاہ تو ہو چکا ہوا ہے' تو ایک بچے کا باپ بھی ہے۔ باقی رہی بات کہ تُو مجھے پسند کرتا ہے۔ جیسے تو

مجھے پسند کرتا ہے اسی طرح اور بھی لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ میں یہاں بازار میں بیٹھی ہوں' یہاں ہر کوئی آ جا سکتا ہے۔ تو نے میرے کوٹھے پہ یہ واردات کر کے کوئی اچھا کام نہیں دکھایا اور غور سے سُن کہ میں نہ تو تیری رکھیل بن سکتی ہوں اور نہ ہی تیرے ساتھ بیاہ کر سکتی ہوں۔ یہ میرا کوٹھا ہے...... تیرا گاؤں یا جاگیر نہیں...... تیرا حکم یہاں نہیں چل سکتا۔"

سنتو کا کسی خونخوار شیر کی مانند دھاڑتے ہوئے کہنے لگا۔

"سفیداں! ایہہ تھاں علاقہ میرا پنڈ یا جاگیر ہوئے نہ ہوئے مگر تو ضرور میری جاگیر ایں۔ میری سوہنی' میری سسّی' میری ہیر ایں۔ اوئے میں تیرے لئے ہزاراں بیویاں تے لکھاں پُتر قربان کر سکدا آں...... مینوں اپنی وہٹی پسند ہی نہیں' اوتے میرا بدو بدی دا بیاہ اے۔"

"......اور مجھے تُو پسند نہیں۔" سفیداں بائی نے آگے بڑھ کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"تیری پسند یا ناپسند سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سنتو کے کی بات' پتھر پہ لکیر ہے......"

اسی کشمکش میں کہیں پولیس پہنچ گئی اور سنتو کا قابو میں آ گیا۔ جس طرح سے سفیداں بائی نے اس کی پان پت [illegible] کر رکھ دی تھی ہو سکتا تھا کہ [illegible] ان یا کنیا دان آج یہیں پہ [illegible] تا۔ جب سنتو کو [illegible] چلا گیا تو سفیداں بائی نے بھی جیسے سکھ کا سانس لیا۔

زندگی پھر اپنی پرانی ڈگر پہ چل نکلی۔ زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے' بج رہا ہے مگر بے آواز ہے۔ ساز و آواز کی دنیا بھی عجیب ہے رنگ دنیا ہوتی ہے سُر کا رنگ' سے کا سنگ' چنچل' تنک' بہلاوے' پھندے' تالے دو تالے' سارنگیوں کے جھالے [illegible] سُر منڈل' مردنگ' تانیں' مرکیاں' زمزمے' پلٹے' للت' دیس' ملتانی' پہاڑی' راجستھانی مانڈ' خیال' ٹھمری' مارروا' کافی وغیرہ۔ موسیقی تو اک وشال ساگر کی مانند گہری اور گھمبیر ہے۔ جتنا اترو اتنا ہی ڈوبتے جاؤ' جتنا جانو اتنا ہی خود کو بے جانو' جانو۔ کچھ خوش بخت ایسے بھی ہوتے ہیں جنھیں قدرت مہد مادر سے ہی بہت کچھ دے دلا کر بھیجتی ہے۔ کچھ اپنے شوق' محنت و ریاضت اور ادب و خدمت سے بھی مقام و منزل حاصل کر لیتے ہیں۔ سفیداں بائی کو بھی قدرت نے نور کا گلا دیا تھا جبکہ راگ ودیا اپنے گھر گھرانے کی عطا تھی' سجاؤ' رچاؤ' امراؤ' جھلاؤ' ٹھہراؤ' لگاؤ' لے کاری اور انگ کاری میں اک طرفہ سی تہذیب اور ہنر مندی کی مہک ...... اوپر شکل صورت سبحان اللہ اور پھر نگینہ سی سیرت و سُبحان اللہ...... پیکر و پیائش پروین پیا...... جگہ آہنگ آمیزی آفریں آفریں......!

سنتو کے نے پکی سزا ہونے پہ ہی اسے پیغام بھیج دیا تھا۔ پکی بات ہے کہ تو میری ہے میں نے تجھے

بیاہ کرلے جاتا ہے۔ تُو تیاری رکھ میں کسی سے بھی آندھی جھکڑ کی طرح آؤں گا اور تمہیں پھول کی طرح اُٹھا کر ساتھ لے جاؤں گا...... سفیداں بائی نے استہزائیہ ہنسی سے واپس کہلا بھیجا تھا کہ ایسا کوئی پیغام تجھے اپنی پتنی کو بھیجنا چاہیے۔ باقی رہی بیاہ والی بات' اگر تُو سنتوک سنگھ راٹھ کی جگہ مہاراجہ ہری سنگھ بھی ہوتا تو میرا انکار تیری اس خواہش کا جواب ہوتا۔

وصالِ یار فقط آرزو کی بات نہیں......!

مہاوٹوں کے دن تھے' رات کے پہلے پہر بادلوں نے خوب دھما چوکڑی مچائی کہ پوری بستی جل تھل ہو گئی تھی۔ مٹی کی سوندھی سوندھی مہک نے فضا اور طبیعتوں کو عطر بیز کر دیا ہوا تھا۔ جھینگروں اور مینڈکوں نے اپنی راگ داری سے سماں باندھ رکھا تھا۔ ایسے میں کسی مُردے یا بڈھے بڈھیرے کو ہی نیند آ سکتی ہے۔ آج یہ صبح سے ہی ماندی ماندی تھی۔ شام بیٹھک سے بھی جلد اُٹھ آئی کہ دُکھن سے بدن ٹوٹ رہا تھا۔ ماتھا گرم تھا اور سر سے ترشر بہتا ہوا [illegible] اُوپر کی چھت پہ نکل آئی' اُدھر بھی پریشان ہو... [illegible] ٹھہری ہوئی تھی۔ کالے کالے بادلوں کے پرے کے پرے دیکھ کر اُسے جھرجھری سی آ گئی۔ دُور دُور تک اُسے کہیں روشنی نظر نہ آئی۔ وہ کتنی ہی دیر چھت کی منڈیر سے لگی کھڑی ہو گئی۔ نیچے کسی گہری اندھی کھائی کی طرح بازار...... عجیب سی وحشت' خاموشی اور ویرانی کا ہولناک سا منظر پیش کر رہا تھا۔ کہیں روشنی نہ کوئی آواز...... اس [illegible] تھی۔ وہ ایک اُچٹتی سی نظر نیچے ڈال کر پیچھے ہٹ گئی' گھپ تاریکی اور پُراسرار خاموشی نے اُسے دہلا کر رکھ دیا۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے نیچے اُتر آئی۔ دیوان خانے کی شاید کوئی کھڑکی کھلی تھی اُسے لگا جیسے کوئی پرندہ دھپ سے اندر آ گرا ہو۔ اُدھر دیکھا مگر نیم اندھیرے میں کچھ دکھائی نہ دیا...... اُسے دیوان خانہ کوئی عقوبت خانہ سا محسوس ہوا...... خیال آیا کہ شاید کوئی جنگلی بلی وِلّی کھلی کھڑکی سے اندر پھلانگ آئی ہو۔ بادل نخواستہ چند قدم آگے بڑھی تو اچانک دو مضبوط سے بازوؤں نے اُسے اپنے حصار میں جکڑ لیا...... اس سے پیشتر کہ وہ اس ناگہانی صورت حال کو سمجھ پاتی یا اس کے منہ سے کوئی چیخ یا آواز بلند ہوتی' ایک بھاری بھرکم بالوں بھرا ہاتھ اس کے نازک سے ہونٹوں پہ آ ٹکا...... وہ اس جن جپھے میں کسمسا کر رہ گئی تھی...... تاریکی میں اگر بصارت کچھ کام نہ کرے تو سماعت اک ٹرعت سے بیدار ہو جاتی ہے' ہلکی سے ہلکی آہٹ مدھم سی سرگوشی اک بلند آہنگ کی مانند گونجنے لگتی ہے۔

تپتے انگار گال کے پاس یخ بستہ کان کی لو میں ننھا سا آویزہ تھرتھرایا' گھنی مونچھوں کے اکھڑ بال کان

کے اندر تک پہنچتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ پھر موٹے موٹے ہونٹوں نے پورے کان کو ہی منہ میں لے لیا...... ''ہوں'' کا دبنگ ایکو جیسے پورے وجود میں سنسنا سا گیا ہو۔ آہستہ سے سرگوشی سا آہنگ اُبھرا۔

''سفیداں بائی! سنتوک یہاں تجھے بیاہنے آیا ہے...... بھولی تو نہیں۔ میں نے تجھے کہا تھا' تو میری ہے۔ اب چُپ چاپ میرے ساتھ چل پڑ۔ میں جیل توڑ کر بڑی مشکلوں سے یہاں تک پہنچا ہوں۔''

سفیداں کے ہونٹوں پر گرفت ڈھیلی پڑی تو حواس مجتمع کرتے ہوئے بولی۔

''سنتوکے! تو راٹھ سکھ ہے جو ہور مغز ہوتے ہیں لیکن تم اس کے علاوہ اوباش' ترسے گیر قاتل اور بیوی کے بے وفا بھی ہو...... میں راجپوت مسلمان' بن بیاہی' اپنے اُصولوں بندھنوں اور اپنی من مرضی کی مالک ایک گانے والی طوائف ہوں اور تو جیل توڑ کر رات کے اس اندھیرے میں چوروں کی طرح چھپ چھپا کر مجھے بیاہنے آیا ہے۔'' پھر اس کے بازوؤں کی گرفت کو قدرے ڈھیلا محسوس کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''باجا گاجا...... براتی اور نہ کوئی گواہ...... بیاہ کرنے جانے والے تو بڑے ٹھاٹ باٹھ' شان شوکت سے گھوڑی پر سوار ہو کر ڈولی لینے آتے ہیں...... اور تو قرض داروں کی طرح منہ چھپا کر کھڑکی پھلانگ کر اندر آیا ہے۔''

سنتوکے [illegible] پہ گرفت [illegible] کرتے ہوئے بولا۔

''پر سفیداں! میں ایتھے تیرا لیکچر سنن نہیں آیا۔ جنج نال گھوڑی تے چڑھ کر بھی جنج جاندا' جے میں جیل وچ نہ ہوندا۔ میں تیرے سارے چاء تے فرمائشاں پوریاں کر دیندا۔ پر ایس ویلے مجبوری اے۔ جس طرح کُپّی نہ ملے تے ہتھی پیچی [illegible]''

سفیداں ایک بار پھر مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''سنتوکے! کچی عمرے' ہکی پی کے' پکیاں پاون دیاں خواہشاں نہ رکھ۔ پیار دے بیوپار وچ مجبوریاں نہیں ہوندیاں...... جا واپس جیل چلا جا' ایدے وچ ای تیری بہتری اے۔ ہاں اک گل یاد رکھ کہ رنڈی نال پیار پاون والیاں نوں ساری حیاتی اُوہدیاں چلماں بھرنیاں پیندیاں نے...... جا چلا جا واپس جیل اندر' اجے تیری سزا پوری نہیں ہوئی۔ یا فیر اپنی دھرم پتنی کول' اپنے پھل ورگے بچے کول...... اپنی گھر دی سورگ چھڈ کے باہر دی نرگ نہ بھرول۔ میں تیرے نال پیار نہیں کر سکدی۔ تے ویاہ دا سوال ہی پیدا نہیں ہوندا۔''

سنتوکے نے گردن پہ چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی مانند شکارا بھرتے ہوئے اسے کسی بالڑی بچی کی طرح اُٹھا کر سینے سے لپٹا لیا...... فرش پہ سے بالشت بھر پاؤں اُٹھے ہوئے وہ جیسے پھانسی کے پھندے پہ جھول رہی تھی...... سنتوکے کے موٹے موٹے ہونٹ' اس کی گلاب سی نازک پنکھڑیوں پہ سختی سے پیوست ہو چکے

تھے وہ شاید اپنی ہزیمت کا سارا کرودھ اس کے مُنہ حلق میں انڈیل دینا چاہتا تھا۔ ایسی تلخ باتیں...... جنہوں نے اس کی سکھ کی ساری سکھی تہس نہس کر دی تھی۔

سفیداں کی پہلے زبان چل رہی تھی اب زبان بند ہونے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں چلنے لگے تھے اور جب وہ بھی تھک ہار کر کچھ شانت پڑ گئے تو سنتو کے نے اسے ہٹا کر نیچے فرش پہ بچھی ہوئی ایک توشک پہ ڈال دیا اور خود بھی اس سے جُڑ کر بیٹھ گیا۔

"سُن سفیداں! تیرے سریر پہ ہیرے نہیں جڑے ہوئے...... جوان خوبصورت عورت میرے گھر پہ بھی ہے اور اس بازار کے ہر چوبارے پہ بھی موجود ہے...... میرے لئے خوبصورت عورتوں کی کمی نہیں...... میرا مَن تجھ پہ ٹک گیا ہے اور تو جانتی ہے کہ سکھ اور سانپ جہاں ایک بار اپنا مَن مٹکا ہار جاتے ہیں اس کو کبھی نہیں بھولتے......"

ماحول اب قدرے دیکھ بھالنے کے لئے سازگار ہو چکا تھا۔ اندھیرا ہو یا دُکھ [illegible] انسان جب ان کو برداشت کر لیتا ہے تو یہی اندھیرے اور دُکھ درد اسے روشنی اور ہوا دینے لگتے ہیں۔ اس کے ہمدرد، غمگسار اور آنکھیں بازو بن جاتے ہیں۔ [illegible] سفیداں بائی [illegible] سنتو کے سنگھ کے ہونٹوں نے [illegible] اس کی ساری بدن کی سختی چوس لی ہو۔ وہ دریدہ نگاہی سے اس کے چہرے [illegible] کو دیکھ رہی تھی...... دیودار [illegible] تنومند لمبا تڑنگا۔ نیم اندھیرے میں کسی چیتے کی طرح چمکتی ہوئی سبز [illegible] آنکھیں اُسے بڑی بھلی لگیں۔ نہ جانے کیا سوچ کر سفیداں بائی نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پگڑی اتار دی۔ گرہ دار کیس کھول دیئے۔ چھوٹی سی گھنی داڑھی [illegible] مسکراتے ہوئے ہموار دانت۔ ہاتھ پھسلتے پھسلتے اس کی جلیا تو اللہ والے باغ سی چوڑی چھاتی پہ پہنچ گیا تھا۔ یہیں کہیں دھک دھک دھماکے ہو رہے تھے۔ سنتو کے نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ سفیداں بائی نے اچانک سرگوشی کی۔

"سنتو کے! تو مجھ سے بہت پیار کرتا ہے کیا؟"

اس نے اس کے ہاتھ پہ اپنا دباؤ بڑھاتے ہوئے بے ساختگی سے اسی رنگ میں جواب دیا۔

"میرے دل کی یہ دھک دھک تجھے کیا بتاتی ہے؟"

سفیداں بائی بڑے سکون سے اس کے شانے پہ سر ٹکا کر بولی۔

"دل تو پاگل ہوتا ہے یہ تو یوں دھک دھک ٹک ٹک کرتا ہی رہتا ہے...... تو کچھ اپنے منہ سے بھی بول؟"

سنتو کے نے ایک ٹھنڈی لمبی سی آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"منہ سے تو میں کئی بار کہہ چکا...... مگر تجھے اعتبار نہ آیا۔ اب منہ اور زبان چھوڑ...... لے یہ

کرپان...... اے دل، اے گردن، یہ جان حاضر ہے۔''

وہ کرپان کی انی سینے پہ دل کی جگہ رکھے ہوئے گردن جھکائے سامنے بیٹھا تھا۔

سفیداں بولی۔

''میری ایک شرط ہے کہ تو اپنی بیوی سے بے وفائی نہیں کرے گا...... اس کی اجازت سے میرے ساتھ دوسرا بیاہ کرے گا...... بیاہ سے پہلے مسلمان ہو جائے گا...... اور اپنی یہ سزا پوری......''

ابھی جملہ پورا نہ ہونے پایا تھا کہ اک دم پولیس سر پہ پہنچ گئی...... سنتو کے جہاں بیٹھے ہو وہیں بیٹھے رہو۔ اُٹھنے کی کوشش کی تو گولی چل جائے گی۔''

لیکن ہونی تو جھکائی دے کر رقند لگا چکی تھی...... کرپان کی نوک اس کے دل کے عین اوپر تھی...... پولیس کی ہڑبونگ میں اُس نے جھکائی دے کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ نیچے روئی کی تو شک پہ جو پاؤں رپٹا وہ اپنے ہی بوجھ سے کرپان پہ چت ہو گیا...... یہ سب کچھ ایسی بے خبری، عجلت اور ڈرامائی انداز میں سرزد ہوا کہ سنتوک اور سفیداں دونوں کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی...... وہ اُسے کہے جا رہی ہے ''سنتوکے! کوئی حرکت نہ کرنا، چُپ چاپ گرفتاری دے دے...... یہاں میں تیرا انتظار [illegible] سے اُسے دیکھ رہا ہے۔

پولیس اب پوری طرح سنتوک کو گھیرے میں لے چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں ہی پورا محلہ جاگ چکا تھا۔ پاس پڑوس، نیچے بازار سے جگہ جگہ لوگ باگ جمع ہونے لگے۔ پولیس نے ڈیرے والوں کی مدد سے روشنی کا انتظام کیا۔

''خاموشی سے گرفتاری دے دے، سنتوکے! میں تیرا انتظار کروں گی۔''

سنتوک نے ہلکی سی مسکراہٹ سے اثبات میں سر ہلایا۔ بڑی دقت سے کرپان والا خون آلود کانپتا ہوا ہاتھ باہر نکالا، سفیداں کی مانگ کو لہو سے رنگین کیا...... اور پھر اسی کی جھولی میں گردن ڈال دی۔

اُس رات برکھا اور سفیداں کھل کر روئے تھے۔

دیئے اور دل میں ایک قدر مشترک ہے...... بُجھ جائیں تو دیر تک دھواں دیتے ہیں۔ ایسا آغاز اور کیسا انجام...... اُڑنے بھی نہ پائے کہ پکڑے گئے۔ وہ اندر ہی اندر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گئی تھی۔ پہلی پہلی نفرت اور پہلا پہلا پیار بڑا ستاتے اور تنگ کرتے ہیں۔

کچھ عرصہ قانونی عدالتی چکروں میں گزرا۔ اس دوران پیشہ دھندہ بند ہوا سو ہوا۔ شہر، علاقے، بازار میں بھی شہرت بگڑی۔ ایسی قتل و قتال کی دو ایک وارداتیں پہلے بھی اسی کوٹھے پہ ہو چکی تھیں۔ عدالتی اہلکاروں

اور پولیس نے خوب مال بٹورا۔ دل دماغ سکون سے اور صندوقچی مال سے خالی ہو چکے تھے۔ سکھ برادری نے الگ پریشان کیا ہوا تھا۔ آخر ایک دن یہاں سے کوچ کا فیصلہ ہو گیا۔ اونے پونے سب کچھ بیچ بیچا کر سفیداں بائی انبالہ چھوڑ کر امرتسر اٹھ آئی۔

یہاں نیا نیا ٹھیا ٹھکانا بنانے اور پاؤں جمانے میں خاصا سمے لگا۔ کچھ جاننے پہچاننے والیاں کام آ گئیں۔ آہستہ آہستہ دیا بتی چلنے لگے لیکن سفیداں بائی ابھی تک جھٹکے سے اکھڑی ہوئی تھی۔ خانہ زاد نوچیوں لڑکیوں میں ایسا دم خم نہیں تھا کہ ڈیرے بھر کی کفالت کر سکتیں۔ استادوں' سازندوں پہ جب فاقے لوٹنے لگے تو اماں نے واسطہ دے کر دہائی دی۔

"اللہ کی بندی! آخر کب یوں انگاروں پہ لوٹتی رہو گی...... ہم پیشہ ور لوگ ہیں' کسی بات کو دل پہ لینا ہمارے طور طریقوں کے خلاف ہوتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا...... تمہارا کہیں کوئی قصور بھی تو نہیں۔ اب رونا دھونا چھوڑ...... دیکھ سب ہی لوگ تیری حالت دیکھ دیکھ کر ہلکان ہو رہے ہیں...... اب تو فاقوں اور تنگ دستی نے بھی آنکھیں دکھانا شروع کر دی ہیں...... قرض خواہوں کے تقاضے بڑھتے جا رہے ہیں۔ اٹھ میری بچی' کچھ دال دلیے کی فکر کر"

اکثر پیشہ ور سیاستدانوں' پیروں' ڈگن دار بدمعاشوں اور ارباب نشاط کے ڈیروں کے خرچ خرچا بڑے رئیسانہ ہوتے ہیں...... ان کے دستر خوان بڑے وسیع' اکل و شرب کے سلسلے بڑے اور پولیس ان کے تعاون و تعلق بڑے گہرے اور دور دراز تک ہوتے ہیں۔ ان کی ظاہری ٹھسوں ٹھساں چھوں چھاں ہی ان کی اصل اوقات ہوتی ہے۔ ان کا کاروبار حیات اندھیرے سے شروع ہو کر اندھیرے میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کے انت و انجام بڑے بھیانک ہوتے ہیں۔ لاکھوں کی آئی چلائی مگر خیر و برکت ایک دھیلے کی نہیں ہوتی۔ صبح ننگے' دوپہر ملنگے اور شام پھر تلنگے...... پیشہ ور پیروں کے نذرانے۔ بدمعاشوں کے جگا ٹیکس اور وزنی گھنگھروں والے پاؤں کے نیچے روندے جانے والے نیلے' سبز اور سرخ نوٹ' یہ سب پل دو پل کی چکا چوند اور لمحہ دو لمحہ کی ریل پیل کا سامان ہی تو ہوتے ہیں۔

- جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا......!

مطربۂ وقت نے انگڑائی توڑی تو غلافوں سے ساز' ساز سے آواز اور عورت سے طوائف باہر نکل آئے۔ انبالے اور امرتسر میں دلی کے چاوڑی اور بمبئی کے پارس روڈ کا فرق ہے۔ ماں بیٹی نے کچھ ایسی

جادو کی چھڑی گھمائی کہ کچھ عرصے میں ہی سفیداں بائی نے اپنا اچھا خاصا نام پیدا کر لیا۔ بازار کے پرانے لگے بندھے کوٹھے بیٹھکیں بیٹھنے لگیں۔ اچھے اچھے سخن نواز، کن رسیئے، گنی گنیئے ہوا کے رُخ کے ساتھ ادھر کا رُخ پکڑنے لگے۔ نام اور شہرت جو پر لگا کر اڑی تو دُور دُور سے بلاوے اور دعوتیں پہنچنے لگیں...... دن پھرتے کیا دیر لگتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دَھن میگھا کی نسبت برسنے لگا۔

وقت کی بینا پہ اب ایک اور ہی راگ شروع ہو گیا...... نظامِ قدرت ہی ایسا ہے کہ کسی چیز کو ثبات نہیں، تعمیر کے ساتھ ہی تخریب بھی شروع ہو جاتی ہے...... ابھی خوشیوں کی شہنائیاں گونج رہی ہوتی ہیں کہ کہیں سے کوئی بُری خبر بھی تعاقب میں پہنچ جاتی ہے...... شاید یہ سب کچھ نظامِ حیات کا لازمہ ہے۔ یہاں بھی ابھی بھری بغلوں اُڑنے بھی نہ پائے تھے کہ پھر پکڑے گئے۔

دبے دبے بٹوارے کی باتیں ہو رہی تھیں...... اندر ہی اندر فسادات کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں، ہندو مسلم ایک دوسرے سے آنکھیں چُرانے لگے تھے۔ سفیداں بائی کی ماں کی ایک منہ بولی بہن جموں کے شاہی بازار میں بڑے دھڑلے کی ڈیرہ دارنی تھی اس نے خبردار کیا کہ حالات خراب ہو رہے ہیں کئی ایک مسلمان طوائفیں [illegible] تو لاوا پھوٹنے سے پہلے ہی [illegible] سمیٹ کر لاہور یا جموں چلی آؤ...... میں نے تمہارے لیے خاطر خواہ انتظام کر رکھا ہے۔

کتا، گدھا، چیونٹیاں، چوہا، پرندے، فقیر، تاجر اور طوائف...... انہیں بُرے وقت کا پیشتر ہی ادراک ہو جاتا ہے۔ ان میں اکثر نقل مکانی کر جاتے ہیں اور جو بیچارے مجبور و معذور ہوتے ہیں وہ رو پیٹ چیخ چنگھاڑ کر کے خاموش ہو لیتے ہیں۔

پاکستان، ہندوستان کے بٹوارے میں بھی نقل مکانی کرنے والے پہلے یہی لوگ تھے...... ابھی صرف افواہیں ہی گردش کر رہی تھیں کہ شاہ عالمی، انارکلی، سنت نگر، بھگوان پورہ، اچھرہ، رام گڑھ، شاہی محلہ، کرشن نگر، فلم اسٹوڈیو، کالج، ہسپتال، لکشمی چوک وغیرہ خالی ہونا شروع ہو گئے تھے۔ سفیداں بائی کی ماں کی بدھی کھلی اس نے دن دیکھا نہ رات چھوٹا موٹا سامان سمیٹا، زیور و نقد کے پوٹلے بغل میں دابے، لونڈیا، اُستادوں اور خانہ زادوں سمیت جموں آ اُتری۔ ایسی سیانی کہ تانبے کے لوٹے، اُگال دان، پیچوان، سلفچیاں...... تمام چینی کے برتن، بیلی کے بنے ہوئے دیوار گیر، میرٹھ سے منگوائے ہوئے شمع دان، جھاڑ، چاندنیاں، پنکھے جھاڑو اور دست پناہ تک اُٹھا لائی تھی...... سونے پہ سہاگہ کہ یہاں پہنچتے ہی ایک مسلمان طوائف کا باہر چوکھٹ تک بھرا پرا گھر مل گیا۔ لاہور جاتے سے وہ بیچاری چند دنوں کا کہہ کر چابی ہمسائی کے حوالے کر گئی تھی کہ حالات درست ہوتے ہی واپس آ جائے گی۔ اسے کہتے ہیں مقدر کی سکندری کہ سفیداں بائی کی ماں امرتسر سے بھی خوب سمیٹ لائی تھی اور اب

یہاں جموں میں بھی جما جمایا سب کچھ مل گیا جس کی توقع تک نہ تھی۔ مگر یہاں پہنچ کر چوتھے مہینے ہی ایک اور ہوتی ہوگئی...... سفیداں بائی کی ماں بیٹھے میں لوٹ پوٹ ہو کر اپنا پلا پاک کر گئی...... سفیداں بائی کی چھوٹی بہن امام باندی کو اسی روز میٹھا برس لگا تھا۔

● جلوتِ نقش و مثال لذتِ ہجر و وصال......!

جموں کی کیا بات تھی...... یہاں کے البیلے موسم' نشیلی ٹھنڈی ہوائیں' سر سبزے' گلزار' ذخیرے' مرغزار' ندی نالے' تالاب' روشیں' رسیلے رنگیلے انگ رنگ...... اور سب سے اہم یہ کہ یہاں کے لوگ سُریلے' موسیقی کے لوک انگ کے جانو اور عاشق۔ یہاں کے موسیقی ماحول میں اک مدھم سی موسیقیت اور ایک دلآویز سی رومانیت رچی بسی رہتی تھی...... توی کنارے کے نظارے' باغات' پھلوں پھولوں سے لدے پھندے اشجار۔ مہاراجہ کے خوبصورت محلات' شاہی مہمان خانے......!

ڈوگرہ راج کا بھی ایک اپنا ہی رنگ ڈھنگ [illegible] اور [illegible] نہ ہویار باشی' زندہ دلی' دلیری [illegible] کی شان رکھتے بدرجہ اتم ہوتی ہے۔ ڈوگرہ حکمرانوں میں جہاں بہت کمزوریاں اور برائیاں پائی جاتی تھیں وہیں چند خیر خوبیاں بھی نمایاں تھیں جو میری رائے میں خاصی اہمیت کی حامل تھیں' مغلوں کی طرح یہ بھی موسیقی کے قدر دان اور حد درجہ کے کن رسیئے تھے۔ کشمیری پہاڑی انگ کی لوک موسیقی پہ ان کے حد درجہ احسانات ہیں جہاں وہ موسیقی [illegible] کی دل کھول کر حوصلہ افزائی کرتے تھے وہیں خصوصی مراعات کے ساتھ ساتھ انعام و اکرام' خطاب و اعزازات سے بھی نوازا کرتے تھے' ان کے دربار' جلسے...... جشن موسیقی سے ہی اول و آخر ہوتے تھے۔ بھولی بھالی بکریوں جیسی پرجا بھی اپنے عیش پسند حکمرانوں سے حد درجہ محبت کرتی تھی۔

جموں کی بود و باش' انیس بیس کے سن کی دلربائی' تجربے مشاہدے اور ریاضت و شوق نے اب سفیداں بائی کے ہنر و ہماؤ' نشست و برخاست میں اک پُر وقار سی تمکنت اور رچاؤ پیدا کر دیا تھا' اس کی مدھر گائیکی اور دلنشین لبھاؤ سبھاؤ کی شہرت و خوشبو اب عوام الناس سے نکل کر خواص تک پہنچ چکی تھی ان ہی ایوانوں شبستانوں سے دھوم میں اڑاتی ہوئی مہک دمک مہاراجہ کے دربار تک جا پہنچی جو خوش جمال و خوش گلو سفیداں بائی کی قدر و قیمت میں اک نمایاں اضافے کا سبب بنی۔

جوہری اور طوائف بڑے زبردست موقع اور مردم شناس ہوتے ہیں۔ اپنے مال کی اہمیت اور گاہک کی شخصیت و حیثیت کا انہیں خوب اندازہ ہوتا ہے یہی ان کا اصل کمال و ہُنر ہے' جس سے یہ خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

سفیداں بائی چاہتی تو لاہوری دروازہ کے اس معمولی سے کوٹھے سے اُتر کر راجدھانی کے سرکردہ لوگوں کی کسی بستی کی جانب ہو لیتی مگر اس نے ایسا نہ کیا...... وہ خوب سمجھتی تھی کہ طوائف ہر حال میں طوائف ہی ہوتی ہے' کوٹھے پہ رہے یا کوٹھی میں' اس کی اصالت و مقامت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی اخلاقی' فنی اور مالی حیثیت کی وجہ سے نمایاں تو ہو سکتی ہے لیکن سماج اور معاشرے میں یا اشراف جیسے درجہ و دبدبے کی اہل نہیں ہو سکتی...... اہلِ فن و ہُنر' کسب و کمال' خاص طور پہ اربابِ نشاط و عشوہ میں انسانی رویوں کے سچ و بطلان کا ادراک دُوجوں سے کچھ زیادہ ہی نمایاں ہوتا ہے۔ یہی وہ وجہ ہے کہ معاشرے کا حصہ ہونے کے باوجود یہ پُرکار فنکار لوگ علیحدہ سے دکھائی دیتے ہیں۔

وہ جب درباری سرکاری جلسوں محفلوں میں بطورِ خاص بلوائی جانے لگی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس نے نچلے اور درمیانی سطح کے عوام سے بھی اپنا تعلق ناتا نہیں توڑا تھا۔ یہی کمال تھا کہ وہ جب [illegible] بھی اپنی سبھا جماتی' خاص [illegible] پہ [illegible] جاتی۔

راجدھانی جموں میں مہاراجہ کے محلوں تلے بالی سی چنچل ندیا توی بڑے کج مگر بڑے نازنخرے سے اٹھکیلیاں توڑتی ہوئی گزرا کرتی تھی اس کے شاداب کنارے خوبصورت اور پُربہار ہوا کرتے تھے...... پھلوں پھولوں سے آراستہ باغ باغیچے قرینے قرینے قطعے اور کاکل شیریں طرازی کی مانند تحلیق اٹھلاتی ہوئی معطر مخملیں روشیں —— برسات کی بھری بوچھاروں' بہار بھری رُتوں' اور پورنماشی کی پگھلی ہوئی چاندی میں چھم چھم کرتی پُراسرار راتیں...... ایسے میں یہاں کے چمنستانوں میں نکہت و نکھار اور رنگ و نور کے قافلوں پہ قافلے اُترا کرتے تھے۔ ٹم ٹم ٹمٹماتے ہوئے جگنوؤں کی ننھی ننھی قندیلوں سے کہکشائیں سی بکھر جاتیں...... شیاماؤں اور چکوروں نے اپنی الگ دُھومیں مچائی ہوتیں...... شاہی باغ کے ذرا پرے مہاراجہ کے منورنجن بھونوں میں گوجری زنگیوں کے پگ جب گھنگھروؤں سے چھنک اٹھتے اور کشمیری ڈوگری ڈومنیوں کی لے کاری کی لو بڑھتی...... اور پھر تانس تو مزے کی سنگت میں سارنگیوں' تومبوں کے ڈب گزوں سے پنچوں سے کومل سُروں کے چھالے جب مدھر آہنگ کے رنگ گھولتے...... تو فضا میں زمزموں کے ترنگ' رات کی رانی کی مہک کی مانند گُھل مل سے جاتے اور پھر جیسے محلوں کے نیچے بچھی ہوئی کشمیری شال کی طرح' توی ندی کے کنارے بھی اک کیف بھری غنودگی کو جھٹک کر جاگ پڑتے۔ خوش جمالوں کی چہلیں' چہچہ' چکارے' خوش جبینوں کے ٹھول ٹھٹھے' خوش گلوں

کے تان پلٹے بھی جوبن پہ آ جاتے ...... جدھر نگاہ اٹھتی خوش خوشحالوں اور کشادہ فکروں کے پرے کے پرے دھرنے دیئے بیٹھے ہیں ...... چاندنی میں توی ندی کا پارے ایسا ڈلکیں مارتا ہوا پانی، ڈوگری، کشمیری، پہاڑی انگ میں بسی ہوئی موسیقی ...... ٹپے، ڈھولے، ماہیے، گاونے، گیت، دوہے، بول بولیاں ...... کیا کچھ نہ ہوتا۔ خوش جمالوں کے جلوے، اس پہ مستزاد ہوتے ......!

اکثر ایسا ہوتا کہ مہاراجہ کی حاضری میں اُتری ہوئی رنڈیاں، طوائفیں اور گانے بجانے والے شاہی دربار سے فراغت پا کر بابا بالی شاہ کی سرکار میں سلام اور چوکی بھرنے کی خاطر حاضر ہو جاتے تھے۔ خاص طور پہ نوچندی جمعرات کے روز تو یہاں خوب گہما گہمی ہوتی۔ برصغیر کی بڑی بڑی قحبے دار، نامی گرامی گانے والیاں یہاں سلام کرنے کے لئے حاضر ہوتیں۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ پیر فقیر، درگاہیں اور مزار وغیرہ صرف اس طبقے کے لئے مخصوص اور مشہور ہوتے ہیں۔ پاک و ہند میں مسلمانوں، ہندوؤں کے بے شمار استھان اور مقامات ایسے ہیں جہاں زیادہ تر بھی گانے ناچنے والی طوائفیں بڑی عقیدت سے حاضری دیتی ہیں ...... ہیجڑوں کے بھی اپنے اپنے گرو، پیر، مرشد اور مزار و دربار ہیں۔ اسی طرح بدمعاش اور جیب کتروں، [illegible] ٹھگوں [illegible] کے بھی اپنے [illegible] ڈیرے، پیر اُستاد اور ڈیرے [illegible] ہیں اور [illegible] کامیابی کی صورت میں وہاں حاضری دیتے ہیں اور منت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ جیسے پیشہ ور قاتل ڈاکو کالی مائی کلکتے والی کا بلیدان چڑھاتے ہیں ...... کلکتہ کے سورج پور کے علاقہ میں پیشہ ور طوائفوں کا ایک مندر ہے جہاں وہ باقاعدہ اپنی کمائی کا ایک مخصوص حصہ پیش کرتی ہیں ...... اس مندر کا پروہت نذرانہ وصولنے کے بعد ان کے کاروبار کی برکت کے لئے پراتھنا کرتا ہے، ان کے لئے ڈنڈوت کر کے آشیرباد دیتا ہے ...... دلی جمنا کنارے شاہدرے میں بھی کسبیوں کا ایک استھان تھا، چاوڑی کے علاقہ میں بانکے میاں کا ایک مزار بھی طوائفوں کے لئے مشہور تھا۔ سکھی، سدا سہاگ فقیروں، جو زنانہ کپڑے زیور پہنتے ہیں، کے بھی بہت سے مزارات یہاں موجود ہیں۔ جبکہ پرانی بستی نظام الدین میں سلطانی خانم ایک بزرگ کا مزار، جو صرف ہیجڑوں کے لئے "مرجع خصائص" ہے۔ لاہور اندرون بھاٹی، ٹبی، شاہی محلے میں کئی ایک تکیے مزار طوائفوں کے پیروں کے ہیں ...... اسی طرح کچھ بقید حیات بزرگ بھی موجود ہیں جن کی وجہ شہرت طوائفیں، رنڈیاں اور گانے والیاں ہیں۔

امیر خسروؒ، بابا بلھے شاہؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، سرکار لال شہباز قلندرؒ، شیخ مادھو لعل حسین شاہؒ اسی طرح بشمول غالب اور قریب قریب تمام شعراء،

ادباء کا تعلق خاطر کسی نہ کسی طور فنونِ لطیفہ خاص طور پہ موسیقی و رقص کے حوالے سے اربابِ سخن و فن سے رہا ہے۔

راجدھانی جموں میں بابا بالی شاہ کا مزار بھی کچھ ایسی ہی شہرت و نوعیت کا حامل تھا' برصغیر کی چیدہ چیدہ گانے والیاں یہاں ضرور چوکی بھرنے آتی تھیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ بابا بالی شاہ جس کا گانا سُن کر خوش ہو جائیں اُسے سرسوتی کا گیان حاصل ہو جاتا ہے' گلے میں لوچ اور میٹھے سُروں کا بسیرا پڑ جاتا ہے' کسی میدان میں ہار نہیں ہوتی۔ کامیابی کامرانی اس کا مقدر...... اور شہرت و دولت اس کی باندیاں بن جاتی ہیں۔ ایسا بھی کہا جاتا تھا کہ خاص طور پہ نوچندی جمعرات کے روز یہاں چوکی بھرنے سے مُراد پوری ہونے کی اُمید زیادہ ہوتی ہے جبکہ کھلی چاندنی میں دوپہر رات بھیگنے پہ بابا بالی شاہ کے تصرفات اور جود و سخا کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے۔ اس لئے گانے والیاں اس رات اور رتجگے کا بے چینی سے انتظار کیا کرتی تھیں...... نذر نیاز' مناجات و دُعا و درود سے فراغت کے بعد توی کنارے ایک بڑے پنڈال میں خاص و عام جمع ہوتے...... کبھی کبھی مہاراجہ بھی شرکت کر لیتے۔ ہر گانے والی کو اس کے مراتب و مقام کے مطابق وقت اور پذیرائی ملتی تھی...... نصیب میں جیسا رزق پانی لکھا ہوتا وہ بھی جھولی میں پڑ جاتا۔ لطف کی [illegible] مہاراجہ کے دربار [illegible] اپنی ہاتھوں ہیرے جواہرات [illegible] اٹھاتی تھیں۔ دوران جلسہ و محفل کیا مجال جو کسی طوائف کے سر سے پلو سرک جائے' کوئی سوقیانہ حرکت یا ایسے ویسے بازاری پن کا مظاہرہ ہونے پائے' اعلیٰ و ادنیٰ ہر کوئی حفظ و مراتب اور نظم و ضبط کا خیال کرتے تھے۔

بابا امرناتھ کے میلے کے چند روز بعد ہی [illegible] چنچل پیر کا [illegible] شروع ہو جاتا اور ابھی زائرین اپنے رت جگوں کی نیند اور مسلسل مسافرت کی تھکن بھی اُتارنے نہ پاتے کہ ادھر بابا بالی شاہ کا میلہ بھرنے لگتا...... ہندوستان کے گوشے گوشے سے چھوٹے بڑے طائفے موسمی پرندوں کی مانند اُترنا شروع ہو جاتے...... راجدھانی کی انتظامیہ کی جانب سے توی کے دائیں کنارے مائی بستو کی ڈھیری والے سرسبز و شاداب کُھلے میدان میں چھولداریوں اور شامیانوں کا ایک قصبہ سا آباد ہو جاتا۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا سارا انصرام انتظامیہ کے ذمہ ہوتا...... میلے کے آخری تیسرے روز مہاراجہ اپنے پریوار' درباریوں اور عمائدین شہر کی سنگت میں بابا بالی شاہ کی حاضری کے لئے پدھارتے' میلے کے دوران سرکاری پنڈال میں دکھائے جانے والے پہلوانی' جسمانی کرتب' گتکا' نٹ بازی' تیغ زنی' بنوٹ' آتش بازی' وزن اُٹھانے اور بھینسوں کی دوڑ' رام لیلا' سوانگ رچانے اور گانے بجانے کے مقابلوں میں خوبصورت کارکردگی دکھانے پہ ان کی محنت و ہنر کو سراہتے' انعامات سے نوازتے...... غرضیکہ راجدھانی میں اُترے ہوئے ہزاروں ہندو' مسلم' سکھ عقیدت مند زائرین

[illegible] کے میلے بھگتا کر ہی واپس لوٹنے کی ٹھانتے تھے۔

مسافتِ کشمیر جنت نظیر کی جانب پہلا میدانی پڑاؤ' یہ جموں شہر ہی تھا۔ یہ ٹھیا ٹھاؤں ہی ایسا تھا کہ میدانی اور پہاڑی دونوں ہی مزے اور موسم یہاں موجود تھے۔ پھلوں پھولوں سبزیوں کی بہتات' زندگی کا ہر سامان و آسائش میسر و آساں۔ باشندے شاداں و فرحاں...... اطاعت و محبت مہمانداری پہ آمادہ...... رنگ و ترنگ میل و سنگ کے دلدادہ...... جغرافیائی پسِ منظر' موسموں کا مزاج' آب و گل کا سواد...... ہواؤں کا رنگ اور فضاؤں کا رنگ...... کچھ یوں سُریلا' گٹیلا اور رومان پرور تھا کہ بدو بدی کچھ نہ کچھ کھانے' گنگنانے' سوچے یا چاہے جانے کو جی چاہتا تھا...... کشمیری' ڈوگری' گوجری' پہاڑی اور پنجابی بھاشاؤں کا یوں دلآویز سا سنگم جیسے بھاشیری' للت' ملتانی' مانڈ' پہاڑی اور دیس ایسے راگ راگنیاں آپس میں کوئی گٹھ جوڑ کر بیٹھی ہوں...... سونے پہ سہاگہ' وقت کے مطلق العنان حکمران رنگ و رامش کے رسیا...... شراب و کباب اور شباب کے دلدادہ...... اور جدھر یہ سامانِ خانہ خرابی وافر موجود ہو وہاں پھر راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ مغلوں کا دورِ حکومت' دربارِ اکبری' واجد علیشاہ کا دربار اور تختِ لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد اگر سرکاری درباری سطح پہ رقص و موسیقی کو عروج حاصل ہوا یا کہیں خصوصی مراعات کے ساتھ [illegible] فن اور ارباب نشاط کی خصوصی طور پہ پذیرائی اور قدر دانی [illegible] گانے والیاں' رقاصائیں' نوچیاں اور سازکار باقاعدہ درباری حیثیتوں میں موجود تھے...... صنم تراش' مسخرے' بھانڈ' ڈوم میراثی...... کلاکار اور [illegible] کوی' کلاونت' بہروپیے' مشاطے' مالشیے' جوتشی' نجومی اور [illegible] اچھے اچھے منصبوں پہ فائز تھے۔ خاص طور پہ خوبصورت طرحدار نوچیوں اور نوخیز نوبہار ناچنے گانے والیوں کے لئے تو جموں دربار ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کی کسی کان کی مانند تھا کہ حسبِ صورت و ہنر اور دامن و طلب' مال سمیٹا اور شاد کام ہو لیے۔

جموں میں جامنوں کے درختوں پہ بُور پڑ چکا تھا' موسم بہار کی آمد آمد تھی...... بابا امرناتھ کے تیرتھ سے زائرین کے ٹھٹ کے ٹھٹ جموں میں جمع ہو رہے تھے۔ سرائے خانوں' آشرموں' گاؤشالوں' ہوٹلوں' مسجدوں' مندروں میں تل دھرنے کو جگہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ سائیں پنجل پیر کے میلے میں ابھی تین روز باقی تھے' مسلسل بے آرام ٹوٹے ہوئے' تھکے ماندے اور نیند سے ہارے ہوئے زائرین اپنے اپنے ٹھکانوں پہ بے سُدھ سے پڑے ہوئے تھے جبکہ ان کے اگلے چند روز بھی مسلسل رت جگوں' بے سکونی اور کسل مندی کی نذر ہونے والے تھے...... یعنی سائیں پنجل پیر کا میلہ اور بعد پھر تین روز بابا بالی شاہ کا عرس...... جس میں خصوصی طور پہ ملک بھر کی

نامی گرامی گانے والیوں میں کانٹے دار مقابلے ہوتے تھے‘ جس کے لئے وہ مہینوں پہلے تیاریاں شروع کر دیتی تھیں...... ان طوائفوں اور ڈیرہ دارنیوں میں بھی درجہ بندی ہوتی تھی...... اس مقصد کے لئے مہاراجہ کا ایک خاص محکمہ کام کرتا تھا جو کلکتہ‘ بمبئی‘ آگرہ‘ امرتسر‘ لاہور کی بڑی بڑی ڈیرہ دارنیوں کے ڈیرے کھنگالتا رہتا...... جدھر کہیں کوئی کام کا دانہ موتی دکھائی پڑتا اُسے دام دعوت دے کر بلا لیا جاتا...... ایسی خصوصی دعوت پہ پہنچی طوائفیں شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرائی جاتیں۔ ان کی خاطر مدارت پہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی جاتی...... وقفوں وقفوں منتخب مطرباؤں نوچیوں اور نرت کاروں کو مہاراجہ کی سرکار میں سر نوانے اور نذر گزارنے کا پروانہ ملتا...... مہاراجہ جس خوش بخت پہ نگاہ التفات کرتا اس کا دامن موتیوں سے بھر جاتا۔ باقیوں کو محض شرف باریابی و خوشنودی کا اعزاز ہی نصیب ہوتا۔

● رام پوری پٹھان آدھا جن آدھا انسان......!

ریاست رام پور کا اصلی کاکازئی پٹھان کالے خان اپنے عمارتی لکڑی کے کاروبار کے سلسلے میں یہاں بارہ مولا سرکا [illegible] ملازمت نبٹا کر جموں چلا آیا‘ یہاں سے اس کا ارادہ دو چار روز کے لئے ملتان شریف جانے کا تھا جہاں اس کے سسرالی عزیز رہتے تھے...... ایک لمبی رقم [illegible] کے کھیسے میں تھی...... ایک رات جموں ٹھہر کر صبح دم سیالکوٹ کے لئے روانہ اس کے پروگرام میں شامل تھا۔ ایک ہوٹل دوسرا تیسرا...... دھرم شالے مسافر خانے کہیں بھی اسے شب بسری کے لئے جگہ نہ مل سکی...... میلے عرسوں کے دن شہر میں ہر جانب آدم ہی آدم...... ہوٹل اور دیگر قابل رہائش جگہیں بہت پہلے سے بک تھیں...... مایوس ہو کر وہ گھیکوں کی جامع مسجد میں چلا آیا...... عشاء کی نماز گزار کر اس نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالی۔ لیٹنا تو درکنار‘ یہاں تو پاؤں پسارنے کو بھی جگہ نہ ملی۔ شلوکے میں رقم بھی تھی احتیاطاً اس نے اس اژدھام میں پڑے رہنا مناسب نہ سمجھا اور یہ سوچتے ہوئے مہاراجہ کے محلوں کی جانب نکل آیا کہ چلو آج رت جگا ہی سہی یعنی ایک رات جموں کے نام...... کل صبح نہا دھو کر سیالکوٹ چلے جائیں گے۔ شلوکے کی رقم کو مزید محفوظ کرتے ہوئے اب وہ پوری طرح گرد و پیش کی گہما گہمی اور رونق میلے میں مگن ہو گیا‘ اب وہ ٹھنڈی سڑک کی جانب بڑھ آیا تھا...... بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ لوگوں کے ریلے میلے نے اسے بھی اسی رُخ پہ ڈال دیا تھا...... کشادہ سڑک‘ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا‘ چاند کی چاندنی نے ہر سو اک ملکوتی سا سماں باندھا ہوا تھا...... فضا میں اک عجیب سی مہک رچی ہوئی تھی...... سبزے‘ مٹی‘ لدی مہاوٹ اور کچے آموں کی مہک...... جو صرف جموں‘

ندی کنارے، چاندنی راتوں میں ہی محسوس ہوتی ہے۔ بھانت بھانت کی بولیاں، ٹھور ٹھور کے لوگ باگ، کشمیری ہاتو، پنجابی ڈھگے، ڈوگری منجے، گوجری بھنگے، راجستھانی نیولے، کانپور اور کریالہ کے کرلے، بمبئی کے بھیے، لکھنؤ کے بانکے، دہلی اور حیدر آباد کے چھیلے، رام پور کے بدمغزے پٹھان...... ہر کوئی اپنے رنگ سنگ میں مگن تھا۔ مگر کالے خان کے علاوہ شاید ہی کوئی اکیلا دوکیلا ہو۔ اسے یک دم اپنے اکیلے پن کا خیال آیا، پھر سر جھٹکتے ہوئے وہ کچھ اور آگے بڑھ آیا، یہاں سے وہ ہجوم سے نکل کر سڑک کے کنارے پہ لگ گیا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف وسیع سبزے کے قطعے تھے۔ گھنے گھنے درخت، خوشبودار جھاڑ...... ہمہ رنگ، نکہت بیز پھولوں بھرے تختے، کیاریاں باغ عدن کی راہیں کھوجتی ہوئی روشیں...... مالوے کے درخت، موگرے کی جھاڑیں...... یاسمن و سنبل کے قطعات...... کھلی ڈھلی فضا میں دودھ اور مالوے کی مانند کھلی ہوئی چاندنی نے ایک سحر آگیں سی کیفیت پیدا کر دی ہوئی تھی...... اس کے اکیلے پن کے احساس میں جیسے ایک گانٹھ سی پڑ گئی جو لحظہ بہ لحظہ اس کی روح کو کستی چلی جا رہی تھی، وہ روہانسو سا کنارے کے ساتھ، ذرا آگے بڑھ کر گھاس کے ایک تختے پہ ڈھے سا گیا۔ وہ اکلاپے کی شدت سے دکھنے سا لگا تھا۔

ایک اکلاپا وقتی یا جزوی انداز کا ہوتا ہے جو انسان کو [illegible] کا مزہ اور سکون دیتا ہے اور ایک دائمی یا خود ساختہ ہوتا ہے [illegible] سے دوچار رہتا ہے [illegible] اکیلے پن کا احساس پہلے اداسی دیتا ہے اس کے بعد نیم دیوانگی پھر پاگل پن کی کیفیت سے دوچار کرتا ہے اور پھر یہ بڑھتے بڑھتے ایک خوفناک مرض کی شکل اختیار کر لیتا ہے جسے ایک خاص اصطلاح میں ''خرق الکسیب'' سے جانا جاتا ہے۔ اس مرض میں مبتلا مریضوں میں خود پسندی، خود ترسی، خود تلذذی اور خودکشی کے رجحانات از خود پیدا ہو جاتے ہیں...... اس میں بھی اس سے کچھ ایسی ہی کیفیات پیدا ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں لاہوری، امرتسری اور سیالکوٹیوں کی طرح پٹھان اور سکھ حضرات کہیں بھی چلے جائیں، عمر، عرفان، مقام و حشمت کے کیسے کیسے بھی مدارج طے کر لیں۔ علم، عمر، تجربے کی کسی بھی منزل پہ ہوں...... پٹھان، پٹھان ہی اور سکھ، سکھ ہی رہے گا۔

رام پور کا یہ کھرا اور بتیس دانتوں سے منہ بھرا پٹھان بھی روایتی پٹھانوں کی طرح اکھڑ، ضد کا پکا اور سطحی عقل و سوچ کا بندہ تھا...... بات بات پہ چاقو نکال کر مرنے مارنے پہ اتر آتا...... جہاں جدھر کہیں بات و سوچ کی سوئی اٹک گئی وہیں کلی پھنس جاتی۔ مونچھ کا بال دھر کر سینکڑوں ہزاروں کا لین دین کر لینا...... گردن کٹے تو کٹے لیکن بول تول، زبان میزان کانٹے سے نہ ہٹے...... ایسی کشمیری، بچھو کے اُلٹے ڈنک سی اٹھی ہوئی مونچھیں کہ نظر بھر دیکھنے سے نین دُکھنے لگیں...... کھبتی ہوئی چھوٹی گول گول سُرخی مائل آنکھیں، جیسے کوئی

پرانا جنگی جھگڑا اپنے کا عادی ہو۔ تکونا سا تنگ ماتھا، ڈبیل سی لویں، مڑے ہوئے بڑے بڑے سے کان، نکودری ناک...... اور پھر گردن، جانے تھی بھی یا محض ٹھوڑ سیدھے کاندھوں پہ محض تہمت دھری تھی۔ بھجڑے ہوئے گول بینگن سی رنگت والے لٹکے ہوئے ہونٹ...... یہ تو اس کے حق میں بہتر ہی ہوا کہ رام پور میں کہیں پیدا ہوا اور بچا رہا۔ ورنہ ایسا نادر الوجود بچہ اگر کہیں کابل و قندھار ہوتا تو پختون اُسے تازہ اُتری دُنبے کی کھال میں دم پخت کر کے کسی پہاڑی کی اوٹ میں پھینک دیتے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ربّ الحکمت نے اسے خاص طور پہ رعنائی، دلکشی اور مردانہ وجاہت کا نقیض بنانے میں کسی حکمت و مصلحت کا عمل دخل یقیناً پنہاں رکھا ہوگا جو ہماری تمہاری نظروں سے اوجھل تھا...... وہ ردِ ذات اور حفظِ ذات کا ایک ایسا تاب دار الماس تھا جو شش پہلو تراشیدہ تھا مگر اس کے نیچے اس کے شش پہلوؤں کی نوکِ ارتکاز ایسی نکلی ہوئی اور یوں تیکھی تھی کہ اس کی خوبیوں کا معترف بھی اس نوک کے آزار سے بچ نہیں سکتا تھا۔

آسودہ حال کاروباری بندہ تھا...... آگا فی الحال خالی تھا اور پیچھا، تو اس سے پورب تا پچھم جان چھڑا چکا تھا۔ اس لیے وہ کھلی بندھی، آتی جاتی سانسوں کا اسیر، زندگی بسر کر رہا تھا...... تھی تو ایک حد درجہ سگھڑ اور خوبصورت بیوی، چونکہ اپنے قرابت داروں سے تھی اس لیے شاید اس جھروسیئے کے ساتھ [illegible] نباہ کرنے پہ بندھی ہوئی تھی [illegible] مہارانی دکھائی دیتی تھی جبکہ وہ اس کے حمام خانے کے نکاسِ آب پہ معمور کسی مہتر کے آگے ایک کہتر سے زیادہ کی اوقات کا دکھائی نہیں پڑتا تھا۔ ایسے نا آسودہ امکان امر برگشتہ طبع لوگ، ہزاروں نفوس، گہما گہمی [illegible] شخصوں کے درمیان فعال و مشغول رہ کر بھی اکیلے کے اکیلے رہتے ہیں۔ انہیں اندر کی یکتائی و اکلاپے سے جدا کرنا بڑا مشکل امر ہوتا ہے۔ قضیۂ سود و زیاں سے بے نیاز، ہنستے مسکراتے موج میلے میں مگن لوگوں کے بیچ وہ ٹھکائی مار کر یوں پڑا تھا، جیسے کوئی جنگلی کبوتر، آرٹے کی آندھی میں اندھا اور بے دم ہو کر کسی کھیت کھلیان یا گلی بازار میں دھب آ گرتا ہے یا جس طرح اپنے کنوارے رہ جانے کا احساس کسی دوسرے کی شادی میں شریک ہونے سے ہوتا ہے اسی طرح اپنے اندر سے اکیلے ہونے کی دُکھن...... یاری دوستی کے بندھن میں بندھے یار دوستوں، میلے ٹھیلوں اور شاداں و فرحاں لوگ باگوں کو دیکھ کر سوا ہو جاتی ہے...... چاہنے اور چاہے جانے کی خواہشیں بھی ایسے لوگوں کے اندر کے خالی ڈبے کا محض کھڑاک ہی تو ہوتی ہیں۔ کسی دیس کا سنگھاسن اگر فرمانروا سے خالی ہو، بڑی سی کھوپڑی بھیجے سے صاف ہو، دیدوں میں دید کی ندارد...... اور دل کا آلنا کسی من موہنے سریلے پنچھی سے خالی ہو تو جینے میں کیا مزہ کیسی چاہت؟...... کھاج کا سواد اور وصل کا لطف اپنی جگہ...... لیکن جو ہجر، انتظار اور اکلاپے میں سُلگتی ہوئی لذت، دھیمی دھیمی میٹھی سی آگ، کسک، چبھن، چھپی ٹکی ہوتی ہے اس کی لہک لٹک تو کوئی

[illegible] کیا ہی محسوس کرسکتا ہے۔

آلوچے کے جھاڑ سے ٹیک لگائے وہ تھک سا گیا تھا۔ ماتا سے بچھڑے ہوئے' اپنوں کے ڈسے ہوئے یا من کے مارے ہوؤں کو پرتھوی' پرائے اور پیڑ بڑا پیار دیتے ہیں۔ آلوچے کے ماتا بھرے جھاڑ نے بھی اسے جیسے کسی لاوارث بچے کی مانند گود بھر لیا تھا۔

دھپ دھپ اور ٹھک ٹھک کے ٹھیکے کی آواز سے وہ اپنے اندر سے باہر سا نکلا۔ پیچھے ساتھ والے کمرے میں کچھ سازندے اپنے سامنے ساز دھرے ان کی مشکلیں کس اور کان مروڑ تروڑ کر انہیں سُر کر رہے ہیں۔ جیسے پکھاوج کو سُر میں لانا بھی اک جوئے شیر کا لانا ہوتا ہے' یہ عمل دیکھنے والوں پہ کئی طرح کے اثرات چھوڑتا ہے...... جن معدودے چند کے ہاں ذوق آگہی اور آداب مشاہدگی کے کچھ نمایاں انداز ہوتے ہیں وہی دیکھتے اور محسوس کرسکتے ہیں کہ سازوں کو سُر میں لانے والا عمل کیسا جوکھم ہے۔ اس کے لئے کیسی باریک مہارت...... [illegible] اور گن بھی درکار ہوتی ہے۔ اکثر بڑے بڑے گویوں کے طبلے چڑھے یا اترے ہوئے ہوتے ہیں مگر کسی کو محسوس تک نہیں ہوتا...... یہ کھنچائی' کسائی' رگڑائی' لپائی اور ٹھکائی کا نازک فن ہے' [illegible] جیسے چڑی چڑے کسی [illegible] لے بگڑے ہوئے بچے کی مانند ہوتے [illegible] محفل میں [illegible] تہذیب میں رکھنا پڑتا ہے [illegible] ڈھپ سی کان مروڑ اور [illegible] سازندے [illegible] سُننے سے موسیقی کا ذ[illegible] دھپا لوگ سُنتے ہیں...... ان ٹوم ٹسوے اور ریں ریں' زاں زاں...... ان کا استاد کان دھر کر سنتا ہے۔ کبھی کبھی تو انہیں سُر میں لاتے لاتے استادلوگوں کے خود اپنے مزاج بے سُرے ہو جاتے ہیں...... کبھی کچھ ادھر بھی ہو رہا تھا۔ ایک بڑی [illegible]...... پاس سارنگی کی ریں ریں جاری تھی...... تانپورے کے ساتھ کانا پھوسی بھی ہو رہی تھی...... چاندنی میں چاندی ایسی ننھی سی ہتھوڑی ٹھیکے پہ پڑتی تو دھر کالے خان کی کنپٹی پہ بھی ضرب سی پڑتی' ساتھ ساتھ سازندے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے جمّوں دربار کے کسی سازندے سے ٹھیکوں کے بارے اور آج رات کے پروگرام میں پیش کیے جانے والے راگوں اور اپنی کامیابی کے یقین کا ذکر بھی کر رہے تھے۔ اچانک سفیداں بائی کا نام سن کر کالے خان' ٹیک سے کر اُٹھ بیٹھا اور تھوڑے ادھر سرک کر اپنے کان ان کی بات پہ دھر دیئے۔ اب سازندے سفیداں بائی کے فن کی تعریف میں رطب اللسان تھے کہ سفیداں بائی کی سُریلی سریکھی آتما کے بھید بھاؤ کھولتی ہوئی آواز کا جادو...... مُردہ تن من میں سُر بہار سا سماں پیدا کر دیتا ہے۔ ایک بتا رہا تھا...... سفیداں بائی سُننے سے زیادہ دیکھنے اور اس سے پھر کہیں زیادہ محسوس کرنے کی چیز ہے۔ ایک اور نے انکشاف کیا...... جیون جنگل میں جن کی راہ ماری گئی ہو وہ اس کی تان لپک کی جھتیا میں راہ پکڑ لیتے ہیں۔

بہت دیر تک وہ ان کی باتوں کی گُن مُن لیتا رہا۔۔۔۔۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کے اکلاپے کے سفر کا انت ہو گیا ہو۔۔۔۔۔ وہ اپنی گم کردہ منزل کے قریب پہنچ چکا ہو۔ گانے والے، راگ راگنیوں سے اس کی کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

یہ سُر سریکھا کی پہچان، راگ راگنیوں کا گیان اور ساز و آواز کا وردان و دھیان تو قدرت کی جانب سے چند مخصوص خوش نصیبوں کو بخشش ہوتا ہے۔۔۔۔۔ سنگیت ودیا تو ایک عطا ہے، ایک تپسیا ہے۔۔۔۔۔ ہر کوئی اس کے اہل کہاں؟۔۔۔۔۔ لاکھوں میں کوئی ایک گانے والا اور ہزاروں میں کوئی ایک آدھ سُر سریکھا سُننے والا۔۔۔۔۔ باقی سب شامل واجے اور شیخ خواجے ہوتے ہیں۔

کالے خان تو دھر لو پٹھان تھا۔ گانے بجانے والے اس کی نظر میں محض بھانڈ میراثی ہوتے تھے، جن کی اس کے ہاں پھوٹی کوڑی کی بھی وقعت نہ تھی۔ مگر ان لوگوں نے سفیداں بائی کی تعریف اور اس کی گائیکی کی توصیف کچھ اس انداز سے کی تھی کہ اس کے اندر اسے دیکھنے کی خواہش کا اک جنگل پورے کا پورا ہرا ہو گیا تھا۔ وہ اس غیرت ناہید کو اک نظر دیکھنا چاہتا تھا جس کی سریلی تانوں سے جیون کی گم گشتہ راہیں کھلتی ہوئی سجھائی دینے لگتی ہیں۔ سفیداں، سفیداں جیسے چھب تال کی گت کی طرح اس کے دل کے طبلے پہ بجنے لگی تھی۔۔۔۔۔ اس [illegible] ن رہا ہو۔۔۔۔۔ وہ سر تا پا جیسے موسیقی میں ڈھل گیا ہو۔ بس یونہی وہ بے دھیانی میں گنگنانے لگا۔۔۔۔۔

اے داغ جذب عشق کی دیکھیں گے اب کشش

وہ دور بھی کیا دور تھا۔ نچلی سطح سے بھی اترا ہوا آدمی کم از کم شعر و شاعری سے ذوق و شغف ضرور رکھتا تھا۔۔۔۔۔ گراموفون کا زمانہ تھا، ٹھمریاں، دادرے، خیال، کافیاں، گیت، غزلیں۔۔۔۔۔ گھر ہو یا بازار، دوکان ہر جگہ گراموفون بجتے رہتے تھے۔۔۔۔۔ موسیقی کسی نہ کسی انگ رنگ میں اس دور کی تہذیب و تفریح کا ایک نمایاں حصہ تھی۔ اک سے ایک بڑھ کر گانے والی۔۔۔۔۔ زہرہ بائی انبالے والی، اختر بائی فیض آبادی، گوہر جان، رسولن بائی، شمشاد بائی، امیر بیگم، مختار بیگم، عیدن بائی، ملکہ پکھراج، امراؤ بیگم، کجن، خورشید بیگم، الہیاں جان، فریدہ خانم، راجکماری، روشن آراء بیگم، نور جہاں وغیرہ۔ ہر لمحہ ہر لحظہ ان کی مدھر تانیں فضاء میں لہرا رہی ہوتیں۔ یکّہ والے سے لے کر پنواڑی، کنجڑے سے کابلی والے۔۔۔۔۔ اصطبل کے سائیس سے کوتوال شہر تک ہر کوئی وزن، بحر اور ناپ تول کر بات کیا کرتے، شعر کہہ رہے ہوتے۔۔۔۔۔ ادب آداب، جی حضور، تسلیمات، کورنش۔۔۔۔۔ چھوٹے بڑے سب حفظِ مراتب کے معنی سمجھتے تھے۔ راجگان، نوابین، رؤساء اور اربابِ سخن و ثروت۔۔۔۔۔ شعر و موسیقی اور مجلس آرائیوں کے دلدادہ تھے۔ ان کے ہاں اربابِ نشاط کی خوب پذیرائی ہوتی تھی۔ ان کے

[illegible] مشاہیر بندھے ہوتے انہیں خلعتیں' انعامات' اعزازات و القابات سے نوازا جاتا۔ درباروں سرکاروں میں خصوصی نشست و قیام کا مستحق ٹھہرایا جاتا۔ اسی طرح عوامی سطح پہ بھی ان فنکاروں کی بڑی جے جے کار ہوتی تھی۔

● کوئی آشنائے لذتِ دردِ ملے تو بات بنے......!

کالے خان نے اپنے رام پور' جے پور' کلکتہ' دہلی' پٹیالہ میں کئی ایک موسیقی کے جشن مقابلے اور پنڈال دیکھ سُن رکھے تھے بلکہ کئی ایک گانے والوں اور والیوں سے وہ واقف تھا۔ اُن کو گاتے ہوئے بھی سنا تھا مگر محض وقت گزاری اور تفریح تفنن کے لئے' پھر رات گئی بات گئی...... اُسے یاد نہیں تھا کہ کبھی اس نے سفیداں بائی کا نام یا اس کا گانا سنا ہو نہ ہی اس کی شکل صورت سے شناسا تھا...... مگر آج اس کے چل کام کا تذکرہ — اُسے جیسے بچھو کے ڈنک کی طرح لڑ سا گیا تھا کہ اُسے دیکھنے' سُننے کی شدید خواہش نے اُسے بے خود سا کر دیا۔

قدرت کو کیا منظور تھا۔ جب وہ سازندے اپنا [illegible] لیتے ہوئے اُٹھے تو کالے خان بھی ایک جذبے اندر [illegible] پیچھے [illegible] پہ چل پڑا [illegible] دائیں بائیں [illegible] سیلاب...... وہ بہتے دھارے پہ اک خشک پتے کی مانند بے خبر و بے حال بابا [illegible] شاہ کے مزار تک کسی نہ کسی طور پہنچ گیا تھا۔ سلام و فاتحہ سے فارغ ہوا تو پھر ایک ایسا ہی اک ہجوم اسے شاہی باغ تک لے گیا — نہر کنارے لمبے چوڑے [illegible] میدان میں عرس کے آخری روز کی اختتامی تقریب ابھی شروع نہیں ہوئی تھی ہزاروں کا ہجوم' روشنیوں کا سیلاب' شرمیلے سے چاند کی میٹھی میٹھی چاندنی' نہر کا کنارا' سیماب کی مانند چمکتا ہوا پانی...... خوشگوار موسم کے باوجود گھما گھمی میں اُس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ وہ ہولے ہولے کھسکتا ہوا پنڈال سے باہر نکل آیا۔ وہ یہاں سفیداں بائی کا گانا سننے اور اُسے دیکھنے آیا تھا...... مگر یہاں تو بے شمار لوگ ہی لوگ تھے انجان بجانت کی بولیوں والے...... پنڈے سے پنڈا بھڑ رہا تھا۔

عشق' طلب اور شوق بھی کیا چیز ہے۔ وہ شاید سفیداں بائی کو اکیلے اپنے سامنے بٹھا کر سننے کا آرزو مند تھا۔ لیکن جلد ہی اس کی بدھی میں یہ بات آ گئی کہ سفیداں بائی محض اس اکیلے کے لئے ہی نہیں وہ تو شمع محفل ہے۔ محض اکیلا وہی جاں نثار نہیں' ہزاروں اور بھی پروانے یہاں بے تاب و بے قرار ہیں۔

دائیں جانب قدرے اونچی جگہ پہ پہنچ کر اس نے سامنے اسٹیج کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ اس جگہ سے دور اسٹیج پہ بیٹھے ہوئے کسی گانے والی کو محسوس تو کیا جا سکتا ہے' سُنا بھی جا سکتا ہے مگر صاف طور پہ جی بھر کر دیکھا

نہیں جا سکتا۔ وہ ایک بار پھر دھکم پیل کرتا ہوا ہجوم سے باہر نکل آیا...... کافی دیر غور و خوض کرنے کے بعد وہ ایک لمبا چکر لگا کر اسٹیج کی بغل میں جامن کے ایک بڑے سے درخت تلے پہنچ پایا...... یہ جگہ اسے کافی مناسب دکھائی پڑی' ایک تو اسٹیج بالکل سامنے تھا دوسرے درخت اور بائیں بغل ہونے کی وجہ سے یہاں آمد و رفت اور عام لوگوں کا بے محابا اژدھام بھی نہیں تھا۔ اچانک اس کی نظر درخت کے اوپر پڑی جدھر چند منچلے نوجوان بڑے اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔

ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کرے کیا نہ کرے غلغلہ مچا کہ مہاراجہ پنڈال میں پدھار رہے ہیں...... اسی ہٹو بچو اور افراتفری میں دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی درخت پہ چڑھنے کا موقع مل گیا۔ جامن کا پرانا چھتنار درخت' ہاتھ کے کھلے پنجے کی مانند پھیلے ہوئے موٹے موٹے ٹہن' پتوں سے اٹی پڑی گنجان ٹہنیاں اور شاخسارے' اوپر پہنچ کر اسے یوں لگا جیسے وہ کسی تھیٹر میں فرسٹ کلاس کی سیٹ پہ بیٹھ گیا ہو...... وہ تو چاہتا بھی یہی تھا کہ تن تنہا کہیں بیٹھ کر اس دلآرام کو دیکھے' سنے۔ اس کے سُریلے سراپے کو قریب سے محسوس کرے...... وہ اپنی اس کامیابی پہ بہت مسرور تھا۔ اپنے تئیں وُہ واحد فرد تھا جو اس ہزاروں کے پنڈال میں اتنی ذہنی آسودگی' ایسی قلبی طمانیت لئے ہوئے بہ شوقِ فراواں فرحاں یہاں موجود تھا۔

پنڈال [illegible] تھی...... پہلے چند مقامی کلاکاروں نے ڈوگری اور گوجری بھاشا میں چند مقامی لوک گیت سنائے جو شاید ترانے کی ذیل کے تھے۔ جن میں مہاراجہ کے لئے ستائشی کلمات...... اُن کے راج پاٹ کی تعریف اور اُن کے سکھ شانتی کے لئے کامنائیں تھیں۔ پھر چل سو چل سنگیت' نئے غزلیں...... ایک سے بڑھ کر ایک گانے والیاں تھیں۔ خاص و عام ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ''واہ دے' بخے'' ''آفرین و تحسین'' پیش کر رہے تھے۔

کالے خان' درخت کی ایک غلیلی پھنک پہ ٹٹو سی سواری کی طرح اِدھر اُدھر ٹانگیں ڈالے بڑی محویت سے کان جمائے' آنکھیں ٹکائے پروگرام دیکھ رہا تھا۔ بس وہ اندر سے بڑا مضطرب و بیتاب تھا۔ اُس کے بس میں نہیں تھا ورنہ وہ صرف اور صرف سفیداں بائی کو ہی وہاں بٹھا دیتا اور باقی سب گانے والوں کو ریاست بدر کر دیتا...... اس طرح بوڑ بونگی میں بیٹھے بیٹھے اس کے زانو اور پیٹھ دُکھنے لگے تھے مگر جہاں شوق اور عشق در آئے وہاں انسان ہر مصیبت اور اذیت برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر لیتا ہے...... وہ پہلو بدل بدل کر زچ ہو چکا تھا اس انتظار میں کہ وہ غیرتِ ناہید آئی کہ اب آئی۔

جس پہ تکیہ کیے بیٹھا تھا وہ ٹہن ہلا۔ پہلی بار اسٹیج سے نظریں ہٹا کر نیچے دیکھا تو دو تین نوجوان اوپر چڑھنے کی جستجو میں گتھم گتھا دکھائی پڑے۔ آخر ان میں سے دو جوان اُوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ اُن

راستے میں پڑتا تھا اسے ہٹائے یا پھلانگے بنا وہ دونوں اوپر نہیں چڑھ سکتے تھے۔ انہیں کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہی کالے خان مزید اُوپر چڑھ آیا...... پھنس کر بیٹھنے کے لئے یہ بھی جگہ بہتر تھی بس قباحت یہ تھی کہ یہاں سے اسٹیج کا منظر واضح نہیں تھا' گنجان ٹہنیوں کے پتے آڑے آتے تھے...... شوق وافر ہو تو عقل ماری جاتی ہے۔ یہاں سے بھی بہتر کی کھوج میں مزید اُوپر سرک گیا۔ یہاں اسٹیج کا منظر پہلے سے بھی صاف تھا۔ یہاں یہ [illegible] محسوس تھا جو اسٹیج کی چھت سے بھی محض دو نیزے اُوپر معلق تھا لیکن یہ ٹہن بڑا کمزور اور لچکیلا سا تھا' بیٹھتے ہی اسے محسوس بھی ہوا کہ شاید یہ ٹہن اس کا بوجھ نہ سہار سکے۔ مگر پھر وہی بات کہ شوق اور عشق سر پہ سوار ہوں تو بندہ بھی حقائق کے بارے میں بڑے غلط تخمینے لگاتا ہے۔ خوش فہمیوں اور خوش گمانیوں کی دُھند میں سامنے منظر کو [illegible] کرتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ کیا ہوتا ہے' حقائق اپنے آپ کو جبراً منواتے ہیں اور دُھند وقت کے سُورج کی گرمی سے اپنا وجود سمیٹے کہیں کافور ہو جاتی ہے۔

وہ ٹانگیں پھنسا کر دو ہاتھوں سے اُوپر کی شاخوں کو پکڑ کر سمٹ سما کر کسی طرح وہیں بیٹھ گیا۔

اُوپر کی سانس اُوپر نیچے کی نیچے کیونکہ اسٹیج پر سفیداں بائی کی آمد کا اعلان ہو رہا تھا۔ [illegible] جذبات میں اسے یہ بھی محسوس نہ ہوا کہ ٹہن سے اُبھری ہوئی ایک نوک [illegible] اس کے دامن [illegible] نوکیلی میخ کی [illegible]

بالکل سامنے اسٹیج کے درمیان سفیداں بائی کھڑی تھی۔ مہاراجہ کے ساتھ پورا پنڈال تالیوں اور مسرت انگیز سیٹیوں [illegible] اس کا سواگت کر رہا تھا۔ تالیوں کا شور تھمتے ہی سفیداں بائی نے نہایت ادب اور عاجزی سے مہاراجہ اور پرجا کو تین مرتبہ جھک کر سلام کیا...... قبولیت کا اشارہ پاتے ہی وہ اپنے سازندوں کے درمیان یوں نشست ہوئی جیسے کسی مہارو نے کچے ریشم کی پچھی تہہ بہ تہہ وہاں ڈال دی ہو۔

سُر ساز ملتے ہی اس نے حسبِ روایت پہاڑی کا الاپ لیا...... الاپ کا آلوپ تھا یا ہونی کا حساب...... اک ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ کالے خان والے نرم ٹہن نے چٹکی داد دیتے ہوئے مجرا بجا لیا۔ کالے خان اپنے ساتھ بہت سے پتے' ٹہنیاں' کونپلیں اور اپنے نیچے کے ٹہن پہ بیٹھے ایک اور تماشائی کے ساتھ ڈھائی منزل کی بلندی سے نیچے آ گرا۔ درخت کے نیچے ہجوم میں ایک کا سر پھٹا...... درمیانی ٹہن [illegible] اس کی ٹانگیں پڑنے سے دو مزید زخمی ہوئے جبکہ ساتھ گرنے والے کا بازو اترا' خود اس کی کمر کے قریب ریڑھ کے کئی مہرے اُلٹ پلٹ ہو گئے...... وہ تو خیر گزری کہ گرنے والے' نیچے کھڑے بیٹھے تماشائیوں پہ پڑے ورنہ چٹیل زمین یا کھنکیل پتھروں پہ پڑتے تو وہیں چلیتھن ہو جاتے...... چیخیں' آہ و پکار اور شور نے نیچے [illegible] بائی کے دھیان میں کھنڈت ڈال دی تھی۔ وہ بھگدڑ مچی کہ پنڈال اُدھڑ پُدھڑ ہو گیا۔

"کیا ہوا...... کیوں ہوا...... کدھر ہوا......" ریاستی اہلکار ڈنڈے سنبھالے ادھر لپکے، لوگوں کو ہٹا کر زخمیوں کو نکال کر ہسپتال پہنچایا گیا۔ سارا مزہ کرکرا ہو گیا تھا۔ پنڈال میں مہاراجہ کی موجودگی کی وجہ سے اہلکاروں نے صورت حال پہ فوراً ہی قابو پا لیا اور پروگرام کو از سر نو پھر شروع کروا دیا گیا۔

مگر تال اور صورت حال سے اکھڑی ہوئی سفیداں بائی پھر جم کر نہ گا سکی۔ کالے خان کے گرنے کا سارا سانحہ اس کے سامنے ہی تو ہو گزرا تھا۔

اس کے رُوبرو چند فٹ آگے...... "سفیداں، سفیداں" کا واویلا کرنے والا اپنے زخموں اور تکلیف کو بھول کر "سفیداں، سفیداں" پکار رہا تھا۔ اُس کے پھیلے ہوئے بازو، اُس کی وحشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں، اُس کا واویلا اور جوش...... گانا وانا سب بھول کر وہ محض اُسے دیکھتی ہی تو رہ گئی تھی۔

کالے خان کو جب دو روز بعد ہوش آیا تو خود کو ہسپتال کے بستر پہ چت پڑا ہوا پایا۔ ناف سے اوپر ہنسلی کی دو فتن تک جیسے چھت کا لینٹر پڑا ہوا تھا۔ گردن کے گرد کپڑے اور لوہے کی تار کا شکنجہ جکڑا ہوا...... بس آنکھیں اور ہونٹ آزاد تھے باقی جسم جیسے ساتھ ہی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ ریڑھ کی ہڈی کے دو ڈھائی مہرے پھٹ گئے ہیں۔ جب گردن کے پیچھے جھٹکا پڑنے سے گدی کی [illegible] والا منکا بھی منطقہ [illegible] ہے۔ [illegible] بنگی کی ایک لہر اس [illegible] سے چگادڑ کی طرح آہ بن کے باہر نکل گئی۔ اس کے بعد وہ کافی دیر تک بے دم و بے سُدھ سا پڑا رہا...... جوڑ جڑنے پہ جب اسے مزید معلوم ہوا کہ ریڑھ کے مہرے بیٹھنے تک اُٹھنا بیٹھنا تو دور کی بات وہ تو جنبش تک نہیں کر سکتا۔ البتہ سامنے دیکھ، سُن اور منہ سے کچھ کہہ ضرور سکتا ہے تو اُسے اپنی بے بسی پہ رونا سا آ گیا......!

مہاراجہ نے زخمیوں کے علاج و معالجے کے لئے خصوصی احکام جاری کئے تھے۔ اسی وجہ سے اسے ہسپتال میں خصوصی توجہ دی جا رہی تھی۔ اس سنگین حادثہ کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ وہ رام پور اپنے گھر والوں کو اطلاع کرتا مگر ہسپتال والوں کے کہنے کے باوجود بھی اس نے ایسا نہ کیا۔ نہ تو اس نے اپنے بیوی بچوں، دوستوں عزیزوں کے بارے میں کوئی تردد ظاہر کیا اور نہ کسی کاروباری نقصان کا خدشہ...... وہ تو جیسے جامن سے گر کر اپنے جان من تک پہنچ گیا تھا۔ زبان پہ کوئی حرف شکایت، پشیمانی، پچھتاوا نہ کسی تکلیف درد سے ہائے وائے۔ گہرے سمندر سا شانت پُرسکون چہرہ...... وہ اپنے تصور میں کہیں دور نظریں جمائے ہوئے چپ چاپ پڑا رہتا جیسے وہ یہی کچھ تو چاہتا تھا۔ سفیداں بائی کے اس عجیب و غریب عاشق کو تو اُن ہزاروں کے نقصان کی بھی رتی بھر چنتا نہ ہوئی جو حادثے کے وقت اس کے اندرونی شلوکے کی جیب میں تھے۔ نہ جانے کب کس ضرورت مند نے باقی چیزیں چھوڑ کر صرف روپے نکال لئے تھے۔ اس نے نہ ہسپتال والوں سے پوچھا، نہ ہی کوئی رپٹ لکھوائی،

[illegible] نہ ہو۔ اس کے دل و دماغ کے ہر گوشے' کونے میں بس ایک ہی نام کا آہنگ گونج رہا تھا۔

"سفیداں...... سفیداں اور سفیداں......!"

● کس سمت سے نغموں کی صدا آتی ہے دیکھو......!

موسیقی کا تصوف' مذہب اور جواہرات سے کچھ نہ کچھ تعلق ناتا ضرور ہے۔ ہر نایک' گائیک' استاد' [illegible] کسی نہ کسی انگ رنگ سے ان تینوں طرزوں میں کہیں نہ کہیں ضرور پکڑا جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ موسیقار' مغنی پہلے صوفی یا فقیر ہوتا ہے بعد کچھ اور...... مراقبہ' دھیان گیان اور ریاضت ہی اس کے ہنر وفن کی اصل اساس ہوتے ہیں۔ وہ سُر کی سچائی کو سے کے سمندر میں باندھ کر سُر کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ وہ تان' پلٹوں' [illegible] پھندوں' مرکیوں اور جھالوں کے مختلف آہنگوں' کیفیتوں کے حوالے سے اپنے اندر کے [illegible] تذبذب' تردد اور عجز و عزم کی نشوونما کرتا ہے۔ وہ اپنی اسی ریاضت و مشق کے سفر میں [illegible] و ہجر اور جذب و جمال کی ایسی ایسی کیفیت [illegible] ہو گزرتا ہے [illegible] و زوال کی [illegible] سُر کے باطن [illegible] اصل سے [illegible] منتہائے منزل [illegible] اس کی ذاتی' بشری کجیاں اور تقاضے سدِ راہ ہوتے ہیں' جیسے کوئی پھرتیلا [illegible] لپک اچک [illegible] ہوئی کا [illegible] پہ چڑھ لیتا ہے۔ مگر موٹے اور بے ہنگم آدمی کے لیے ایسا کرنا مشکل ہوتا ہے۔

[illegible] یہ گیانی دھیانی...... بے دھیانی میں اپنی منزل کھوٹی کر لیتے ہیں اپنے پرکھوں' گھر گھرانے [illegible] کی فراوانی سے ان میں بے اعتدالیاں در آتی ہیں۔ چھچھوری بازاری حرکتیں' جگتیں' بدکلامی' بدگوئی' [illegible] قمار بازی' گنجفہ' شطرنج' گھوڑی اور پتنگ بازی جیسی سوقیانہ علتیں اور اس پہ مستزاد آرام طلبی' [illegible] کی فراوانی وغیرہ ان کو اپنی فنی آسودگی کی منزل سے دور لے جاتی ہے۔ جبکہ یہ جسمانی' ذہنی اور [illegible] بھی مردہ سے ہو جاتے ہیں اور اکثر ان کے آخری ایام' مکروہ بیماریوں' ناگفتہ بہ حالات اور [illegible] میں گزرتے ہیں۔ اس طرح یہ صوفی اور فقیر جن کی اصل میراث سُر کی سچائی' دامن [illegible] کی زیبائی اور اس فن لطیف کی مشاطگی و پذیرائی ہوتی ہے جب بداعمالیوں اور اخلاق [illegible] کو اپنے شب و روز کا وطیرہ بنا لیتے ہیں تو پھر وہ خان صاحب سے محض میراثی بن جاتے [illegible] طرح بوٹی' شراب' چرس' افیون' زہر بھرے پان' گالی گلوچ' جگت بھکڑ' ٹھٹھا مخول ان کی پہچان بن [illegible] ہیں۔ مگر جب پھیپھڑوں میں پھپھوندی' سانس میں سکتہ اور حلقوں میں حُقّے کی مانند بُد بُد بولنے لگتا ہے تو

پھر خان صاحب...... بیٹھکوں، تھڑوں، تکیوں اور قبرستانوں میں خون تھوکتے پھرتے ہیں۔ فن اور فنکاروں کی ناقدری، وقت زمانے کی طوطا چشمی...... شاگردوں اور دوستوں کی بے وفائی کا ریاض کرتے رہتے ہیں۔ آخر کسی ہسپتال میں "داخلِ دفتر" ہو کر اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ ان علتوں کی وجہ سے کیسے کیسے یگانہ روزگار فنکار بھری جوانی میں ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔

بات سفیداں بائی کی ہو رہی تھی کہ اُس دن کے سانحے کے بعد وہ بجھ کر رہ گئی تھی۔ کوٹھے پہ بیٹھی نہ کوئی مجلس آرائی کی۔ گو یہ واقعہ کوئی ایسا سنگین بھی نہ تھا کہ جس کے ردِعمل میں وہ یوں کام دھندے سے ہاتھ کھینچ کر سنیاس لے کر بیٹھ جاتی۔

بازارِ حُسن کے کوٹھوں پہ یاروں گلی کوچوں میں چھری چاقو، ریوالور پستول، لڑائی بھڑائی، بدمعاشی، غنڈہ گردی تو روز مرہ میں شامل ہیں۔ یہاں کے مکین، آنے جانے والے، پولیس تھانہ چوکی سب اس کے عادی ہوتے ہیں۔ پھر سفیداں بائی کا اس معمولی سے واقعہ کو جو اُس کے کوٹھے پہ نہیں بابا بالی شاہ کے عرس پہ ہوا تھا، اس طرح سنجیدگی سے لینا کچھ قابلِ فہم نہیں تھا۔ مگر وہ بھی شاید اس کیفیت کو سمجھ نہ پائی تھی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے [illegible] کی ذمہ دار ہو۔ اس زخمی شخص کا مڑ مڑ کر اسے دیکھنا، چیخ چیخ کر 'سفیداں' 'سفیداں' پکارنا۔ لٹکتے ہاتھوں سے اشارے کرنے اور التجا بھری نگاہوں سے فریاد کرنا بھی رہ رہ کر یاد آ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی آ گئی کہ یہ دیوانہ شخص اس کا گانا سننے اور صرف قریب سے دیکھنے کی غرض سے ہی جان کی [illegible] جاتا تھا اور شاید اسی وارفتگی و شیفتگی کے عالم میں وہ اوسان ہار کر نیچے آ رہا تھا۔

دو چار روز اس نے ایسی اُدھیڑ بُن میں بتا دیے تھے۔ وہ بند گوبھی کی طرح اپنے وجود پہ گہرے پرت چڑھا کر پڑ گئی تھی یا شاید یہ کوئی بندش تھی کہ وہ بند ہوا کی مانند کوئی سسکی بھی نہیں لے رہی تھی۔

- وگ وگ وے توی دیا پانیا تیرے شہر وچ موجاں اساں مانیاں......!

جموں کے گھر دم سے بنارس کی صبحوں کی طرح بڑے سہانے اور اُجلے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ سوا ہی ہوتے ہیں۔ جنت نظیر کشمیر کی بام بلندیوں سے الہاموں کی مانند اترتی مشکبیں پُروائیوں کے قافلے جب اپنے چندن، چیڑ، چلغوزہ، اخروٹ، زعفران، کیوڑہ، گلاب، گیندا، نرگس، نسترن، سوسن و سنبل کی مہکاروں

[illegible] اپنے پہلے میدانی پڑاؤ جموں کے چمن زاروں میں کھولتے ہیں تو جموں کی فضائیں اک سُرمدی [illegible] سے دیوانہ وار جھومنے لگتی ہیں۔

اس کے چڑھتے سمے میں نیند بھی بڑی سُریلی اور سہانے سَروپ کی سَمیاں ہوتی ہے۔ لیکن سحر خیزوں [illegible] جیسے سُورگ سنچار ہوتا ہے۔ چڑیوں، چکوروں کے چہچہے...... سندس بیلوں اور جنگلی بکریوں کی [illegible] کونجوں کووں کی کیں کیں اور کائیں کائیں...... پہاڑی بُلبلوں شاہی راج ہنسوں اور ہری بجنگلوں کی [illegible] تی تی کے تانیں اُڑاتے ہوئے سیمابی پانیوں کی ترنم ریزیاں...... اک ''صبحِ روزِ ازل'' [illegible] باندھ دیتیں۔ سحر کے سُرمئی آنچل کو چمپئی گوٹ تو بہت بعد کہیں نصیب ہوتی ہے۔ پر اس سے [illegible] نورِ ظہور کے سُرمدی رنگ میں رنگی جاتی۔ بابا امرناتھ کے گوتھلے پہاڑوں کی اوٹ سے [illegible] کے ابھرنے سے پہلے [illegible] کے آشرم سے ترم تانوں کا ابھرتا سا آہنگ اس سمے کو مزید [illegible] پھر جاگتے ہوئے شب بھر تھکی تھکی سی تاریکی ملگجی رت میں ڈھلنے لگتی...... سر سراتی ہوا جیسے [illegible] کر رہی ہو...... بادِ صبا کے جھونکے جیسے باج تال دے رہے ہوں...... مہوکے اور املتاس [illegible] بجاتے اور فطرت جیسے پہاڑی سنگیت میں [illegible] لے رہی [illegible] ماحول اور بولی بھولی سی ایسی [illegible] بھی تُرتراتے نہیں گنگناتے تھے اور گدھے...... جیسے ہنہناتے نہیں الاپتے [illegible] اترتے [illegible] ہیں اور بیلیں تو تیسرے کالے کے سُر ملاتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔

شاید یہی وجہ کہ سفیدان بائی نے جموں کو اور جموں نے سفیدان بائی کو جکڑ لیا تھا۔ یہاں کی سُریلی [illegible] نے سفیدان بائی کو جہاں گداز گداز کر دیا...... وہیں اسے اپنے آپ سے قدرے بے نیاز بھی کر دیا [illegible] آ کر اسے احساس ہوا کہ وہ اک طوائف کے علاوہ بھی کچھ ہے اور جو ہے اس کا ابھی شاید اسے [illegible] نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر منہ اندھیرے ہی ریاض کے لئے بیدار ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے [illegible] کا رُخ بھی بابا امرناتھ کے پہاڑوں کی جانب تھا۔ سورج کی پہلی کرن جب اس کے چہرے کی [illegible] کر دیتی تو وہ تانپورے کو اپنے انگ سے ہٹا کر صبح کی عبادت کی تیاری میں لگ جاتی مگر حادثے [illegible] وہ ایسی ٹوٹی کہ اس سے اپنے یہ روزمرہ کے معمول بھی چھوٹ گئے۔

یہ بھی ایک ایسی ہی صبح تھی۔ بیتی شب کی بے کلی اور بیداری نے اسے اعصابی طور پہ اُدھیڑ کر رکھ دیا ہوا [illegible] میں پکھاوج سے بج رہے تھے...... سارے سر کی رگیں سُر منڈل کی تاروں کی طرح تنی ہوئی

تھیں۔ ایسے میں وہ باولی نخواستہ غسل خانے میں گھس گئی۔ خوب نہائی دھوئی...... آگ لگے بدن اور دُھواں چھوڑتے دماغ اور سلگتی ہوئی آنکھوں میں جیسے ٹھنڈک سی پڑ گئی' چت میں جیسے دھیرج سا در آیا ہو۔ پھر نہ جانے کیا جی میں آئی۔ الماری سے سیاہ رنگ' جے پوری انگ کا ایک لباس نکالا' زیب تن کیا' اُلٹے ٹانکے سے ٹکے ہوئے سیپ کے بُدھنے...... فالسے کی گٹھلیوں پہ باندھے ہوئے بجنوری' ریشم کے بیر بٹن...... ہاتھ کے کاتے سیاہ سوت کے دھاگے سے گریبان اور آستینوں پہ چکن ڈوری۔ بے جوڑ' بے تہہ کی تراش خراش...... اور پارچہ بھی ایسا بے شکن و بے لوٹ کہ نگاہ پھسل پھسل پڑے۔

جے پور کے ٹھاکر اندر سین سنگھ نے اس مجرم پرم پہ بھینٹ کیا تھا کہ بنگلور کے ایک کاریگر سے صرف ایک تھان ڈیڑھ برس میں ہاتھ کی کھڈی پہ بطورِ خاص اسی کارن تیار ہوا۔ اصلی ریشم کا یہ کپڑا ایک چھوٹی سی چاندی کی ڈبیا میں بند تھا...... اور ڈبیا بھی یوں کہ جس پہ کاٹھیاواڑ کے [illegible] پتے' جے پوری نیلم والے اور نیشاپوری فیروزے ٹکے تھے...... یہ بھی کہ ڈبیا میں کوئی ناک تھلی' بندا بلاق یا کوئی پازیب جھانجھر یا ہو گی...... یہ تو بعد میں جا کی حیران ہوئی کہ چھٹانک بھر ریشم کا پورا جوڑا...... اس جوڑے کو تیار بھی جے [illegible] کے شاہی خیاط نے کیا تھا۔ [illegible] شاید ٹانکے دھاگے جن [illegible] اور [illegible] وزن اس کپڑے [illegible] تھا...... یہ پہناوا اُس نے اس [illegible] یہ پہنا [illegible] کپڑے [illegible] بھی [illegible] چھوٹی مُوئی سا کپڑا...... آج [illegible] تو لیا لیکن یہ احساس ہوا کہ جیسے کچھ بھی نہ پہنا ہو' کہاں بھاری پشواز [illegible] چولی انگرکھا اور جڑاؤ ٹکاؤ سینہ بند...... [illegible] مُوئی دوپٹہ جیسے پُروا اوڑھی رکھی ہو' سیاہ رات کا [illegible] اوڑھ لیا ہو...... یا پھر کاجل کی سیاہی پوت رکھی ہو...... [illegible] ابھری کوئی سیاہ ناگن اس کے ہاتھ تلے سرسرا رہی ہے۔ ایسے میں اُس کی پالتو شیاما نے اک کوک لگائی اور یہ مسکرا کر آئینے کے سامنے بیٹھ کر اپنے سراپے کو دیکھنے لگی...... اُس کا جی چاہا کہ آج وہ خود کو خوب سنوارے سجائے' بال بال موتی پروئے۔ اچھے اچھے کندنی زیور پہنے...... بناؤ سنگار کے بعد جب وہ زیور آرائی کرنے لگی تو اچانک اُس کی نظر اپنے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی پہ پڑی...... انگلی میں دبو چاندی کی انگوٹھی تو موجود تھی...... مگر اس میں لگا ہوا گھسا پٹا آندھا سا وہ نگینہ دکھائی نہ دیا جو انگشتری کے پیٹ میں ناف کے نقطے کی مانند گُھسا ہوا تھا یا ملگجی سی روشنی میں شاید اسے دکھائی نہ دیا ہو۔ نوکِ زبان سے انگلی گیلی کی' گھما پھسلا کر انگوٹھی اُتاری۔ روشنی بڑھا کر غور سے دیکھا' نگینہ اپنی جگہ خالی کر گیا ہوا تھا۔ موم سے ہاتھ کی شمع سی انگلی میں یہ انگوٹھی اُس کی بہشتن ماں رسولاں بائی کی نشانی تھی۔

رسولاں بائی یہ انگوٹھی اپنی جان سے بھی عزیز رکھتی تھی شاید اس لئے بھی کہ یہ سفیداں بائی کے مرحوم باپ کی نشانی بھی تھی جو ایک امیر کبیر شخص تھا۔ طوائفیں مجرے کوٹھے اس کے مشاغل نہ تھے وہ تو ایک شریف سا

[illegible] شخص تھا۔ چار یاری میں پھنسا ہوا کہیں رسولاں بائی کو دیکھ بیٹھا ...... ہوش حواس جاتے رہے۔ [illegible] دولت سب کچھ اُٹھا کر اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ رسولاں بائی بھی اس دیوانے پہ ایسی ریجھی کہ [illegible] سے اسے چاہنے لگی۔ اس شریف آدمی کے گھر میں بیوی بچے بھی تھے۔ مگر عشق بُری بلا ہے' سر پہ چڑھ [illegible] ہے۔ وہ اس سر شکن سے ایسا جُڑا کہ اس کے گلے کا ہار بن گیا۔ جس کے نتیجے میں سفیداں بائی [illegible] وجود میں آئی تھی۔

خوشیاں اور کامیابیاں اگر دائمی قائمی ہوں تو پھر شاید انسان' انسان کی صورت میں زندہ ہی نہ رہ سکے۔ دکھ سکھ' کامیابیاں ناکامیاں' محبت نفرت اور مرنے جینے کے تغیر ہی تو اسے استحکام دیتے ہیں۔ اس کے [illegible] مضبوط اور حوصلے فراخ کرتے ہیں۔ تدبیر اور تقدیر کے فلسفے کو سمجھنے میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے [illegible] اور منزل کا تعین کرتے ہیں۔

اس شریف آدمی نے رسولاں بائی پہ اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ لیکن اپنے پچھلے بیوی بچوں کے لئے اتنا [illegible] کہ وہ ساری عمر کسی کے محتاج نہ رہے ...... اک اور کمال یہ کیا کہ مرتے دم تک اپنے گھر' خاندان [illegible] بائی سے تعلق کی ہوا تک نہ لگنے دی۔ کوئی [illegible] کاروباری [illegible] ایک [illegible] بندہ ہے [illegible] ...... اور مہینے میں چھ سات روز [illegible] ساتھ بسر کرتا ہے۔

پھر اصول فطرت کے تحت' وقت نے انگڑائی توڑی' موسم بدلے' حالات نے کروٹ لی ...... پھر جیسے [illegible] پچے' دیکھتے ہی دیکھتے جاگ [illegible] سواد لیتا رہتا ہے ...... مگر بھیانک خواب دیکھتے ہی وہ سوتے میں بھی آنکھیں پٹپٹانے لگتا ہے۔

یہاں اب ہم نے ایک بھیانک سپنا دیکھ لیا تھا ابھی تین چار برس ہی میٹھ ملھار میں بیتے تھے کہ [illegible] کے جیون بھون میں ایک بھیانک بھونچال آیا ...... آناً فاناً وہ بیٹھے کی زد میں آ کر برابر ہو گیا ...... [illegible] یار مر گیا۔ کہا کون سی گلی کا ...... وقت کا دریا اپنے رستے پہ رواں دواں رہا ...... مٹی پاک کر جانے [illegible] شریف آدمی سے جو کچھ بھی رسولاں بائی کو نصیب ہوا وہ کتنے دن چلتا۔

کہتے ہیں کہ رانڈ کے بال اور رنڈی کے مال' دونوں میں برکت نہیں ہوتی۔ آئی چلائی ہوتی ہے۔ [illegible] وقت یوں بھی آیا کہ صرف دو چیزیں بچیں ...... ایک یہ بچی سفیداں اور دوجی چاندی کی یہ چھلا نما [illegible] جس میں ایک ننھا سا زمرد پھنسا ہوا تھا ...... یہ مرنے والے نے نشانی کے طور پہ خود رسولاں بائی کی [illegible] میں پہنائی تھی۔

طوائف اور سانپ اگر اپنے کاروں برباد ہونے والوں سے ہمدردی رکھیں یا ان کے ساتھ خود بھی برباد ہو جائیں تو پھر طوائف' طوائف اور سانپ' سانپ نہیں ہوتے اور پھر سنپولیوں اور طوائف زادیوں میں اپنی ولدیت جاننے کا کوئی شوق نہیں ہوتا۔ ہوش سنبھالنے پر رسولاں بائی نے سفیداں کو یہی بتایا تھا کہ یہ انگوٹھی تمہارے باپ نے مجھ پہ نچھاور کی تھی...... وہ اکثر ماں سے اپنے باپ کی یہ انگوٹھی مانگا کرتی تھی...... اور کبھی رسولاں بڑی دقت سے اُتار کر اُسے دے بھی دیا کرتی تھی پھر سفیداں پہروں اس انگوٹھی سے بچوں کی مانند کھیلا کرتی...... اپنی پتلی پتلی انگلیوں میں پھنسا کر گھمایا کرتی۔ کبھی چُومتی' گالوں سے مَس کرتی اس سمے اُس کے چہرے پہ اک عجیب سی ملکوتی چمک اُبھر آتی۔ وہ دُنیا مافیہا سے بیگانہ سی ہو جاتی...... اور رسولاں بھیگی آنکھوں سے اسے تکتی رہتی...... طوائف اور طوائف زادی ہونے کے باوجود...... وہ دونوں اس مقام پہ انسان سی بن جاتیں تھیں۔ سفیداں نے کئی بار دبے دبے الفاظ میں ماں سے یہ انگوٹھی طلب بھی کی۔

"ماں! میں تم سے اور کچھ نہیں مانگتی...... صرف یہ انگوٹھی' میرے اَن دیکھے باپ کی آخری نشانی مجھے دے دو۔"

رسولاں بائی عجیب سی نظروں سے اسے تولتی ہوئی خاموش رہتی...... صرف ایک بار سفیداں کے ضد کرنے پہ کہا۔

"جب میں مرنے لگوں گی نا! اُس وقت میری اُنگلی سے اُتار لینا...... جیتے جی میں اسے خود سے جُدا نہیں کر سکتی۔"

ایسا دل دہلانے والا جواب سُن کر سفیداں رونے لگی تھی۔ اس دن کے بعد سفیداں نے پھر کبھی ایسی حماقت نہیں کی تھی۔

اس سے رسولاں نے کہنے کو تو یہ کہہ دیا...... پھر وہ پچھتائی بھی بہت کہ ناحق بچّی کی دل آزاری ہوئی۔ اسی دُکھن میں رسولاں بائی بھی ماضی کے دریچے کھول کر دُور کہیں بیتے سموں کی دُھند میں اُتر گئی۔

خوبصورت تو وہ خیر' ایسی بھی نہ تھی کہ پیمانوں پہ عکس ڈالتی تو وہ چھناک سے ٹوٹ جاویں' قدامت میں بھی کوئی قیامت اُٹھانے والی بات نہ تھی اور نہ ہی آنکھوں میں کچھ ایسے شرار و شرر تھے کہ جدھر نگاہ ڈالتی اُدھر جنگل کے جنگل خاکستر کر دیتی...... بس وہ قبول صورت وقامت تھی لیکن اس کے ہاں خوبصورت آواز اور موسیقی کے ہنر و کمال کے ایسے جادو تھے جو سر پہ چڑھ کر بولتے تھے۔ اس کے جلسے محفل میں بیٹھنے والے بس اس کے ایسے ہو جاتے تھے کہ وہ بازار کی بڑی بڑی خوبصورت نامور طوائفوں اور گانے والیوں سے جی ہٹا لیتے...... اس

کا تلفظ، طور طریق، سبھاؤ، رچاؤ اور ادب آداب ہی ایسے تھے کہ وہ طوائف ہوتے ہوئے بھی کوئی دیوی دکھائی دیتی جیسے وہ سرسوتی کا کوئی مدھر سا روپ ہو۔

پرانے گن رسیے تماشبین اور موسیقی کے رسیے پرانے استاد کہتے تھے کہ رسولاں بائی ایسی لے، پھرت، تان، تلاؤ والی شگفتہ، سُریلی اور متحمل گائک آج تک پھر کہیں نظر آئی نہ سُنائی دی ہے۔ تان پلٹے لیتے سمے ایک نشہ انگیز دلربائی اور باریک ہنرمندی سے اپنے اس انگوٹھی والے ہاتھ کو برتنے کی حرکتیں دیتی کہ راگ داری سے نابلد دیکھنے سُننے والا محض اس اعضائی ادائیگی اور لحن لہجہ کی پاکیزگی سے ہی اندر باہر بھیگ سا جاتا۔ وہ کسی لمحے ایسی پھرت سے انگوٹھی کو ہونٹوں سے مَس کر لیتی کہ ہر کوئی اس کی اس ادا کو محسوس نہیں کر سکتا تھا۔

اب برسوں بعد سفیداں بائی بھی تان پلٹا لگاتے سمے اپنی اس انگلی کو اپنے چہرے کے قریب لاتی جیسے انگوٹھی والی انگلی کے سُرمچُھو سے سُرمہ دانی کے اندر سے سُر کو انگیخت کر کے باہر نکال رہی ہو۔ جبکہ وہ اپنی [illegible] ماں رسولاں بائی اور اَن دیکھے باپ کی نشانی انگوٹھی کو اپنے ہونٹوں سے مَس کر رہی ہوتی...... یہ یقین بھی اس کے ایمان کا حصہ بن چکا تھا کہ اس کی آواز اس کا فن خاص و عام میں اس کی پذیرائی...... دولت، شہرت، عزت سب اسی انگوٹھی کا چمتکار [illegible] نگینہ [illegible]

بابا امرناتھ کے پہاڑوں کی جانب سے سنہرا سا غبار اُڑنے لگا تھا جبکہ نگینے کی نایابی سے اس کے مکھڑے پہ سفیدی [illegible] پڑی تھی وہ اسے اپنے لئے بدشگونی محسوس کر رہی تھی...... سیاہ ریشمی آبِ رواں لباس...... زود رنج سپید چہرہ، چاند کے گرد ہالہ کیے ہوئے نیم کھلے بے ترتیب بال، تھکی ہوئی متوحش آنکھیں...... ایسے میں کشمیر کی جانب سے اٹکھیلیاں کرتی ہوئی پُروائی...... مٹی، ہریالی، مکئی اور کیوڑے کی بھینی بھینی دیوانہ کر دینے والی خوشبو...... آخرِ شب کا ٹوٹتا ہوا خمار اور صبحِ نوخیز کا اُمڈا ہوا نکھار...... قمریوں، لالیوں اور چڑیوں کے چہچہے بھی اسے دل گرفتگی سے نہ نکال سکے۔ ایک اُچٹتی سی نظر قدِ آدم آئینے پہ ڈال کر وہ پژمردہ سی پلنگ پہ ڈھے گئی۔

نیند کا تعلق محض جاگن، تھکن...... تاریکی یا رات کے سمے سے ہی نہیں ہوتا۔ ارادے، سوچ، ماحول اور اندر کی کسی ضرورت سے بھی ہوتا ہے۔ اس کے اندر تو بے چینیوں کی طوطیاں اور خدشات و خوف کے مجیرے بج رہے تھے...... بابا بالی شاہ کے میلے والے سائیں کے ڈھول کی ''کڑ کڑ دھا''...... اور ہاتھ بازو بڑھا کر سفیداں سفیداں کی ''تا تاری ری'' ہی کیا کم تھی کہ جواب یہ دل و جان سے عزیز اَن دیکھے باپ کی نشانی انگوٹھی کے نگینے کی گمشدگی کی تان ٹوٹنی بھی باقی رہ گئی تھی۔ نگینہ اور وہ میلے والا زخمی دیوانہ...... جیسے دونوں آپس میں گڈمڈ سے

ہو کر رہ گئے تھے...... نیم وا آنکھوں میں گھنیری پلکوں تلے شاید ملکۂ نیند کی کسی منہ چڑھی سی کنیز نے ٹیکی لے لی تھی۔

● مریضِ عشق پہ رحمت خُدا کی......!

دن چڑھے جب کسلمندی ٹوٹی' انگ کھلے تو اس کی بند آنکھڑیاں بھی وا ہوئیں تو کھلے دریچے سے چڑھتے سورج کی مہربان سی کرنیں اس کی بے ترتیب سُنہری زلفوں تلے چھُوا چھُوائی کھیل رہی تھیں...... چہرے پہ ہلکی سی طمانیت کا نُور کھلا ہوا تھا...... جیسے آندھی طوفان اور موسلا دھار بارش کے بعد موسم نکھر آتا ہے۔ یہ جنت کا موسم ہی تو ہوتا ہے۔

وہ بھی ایک معصوم سی حور دکھائی دے رہی تھی۔ وہ دیر تک یونہی بے حس و حرکت پڑی رہی یا شاید وہ دیکھے ان دیکھے سپنے کو یاد کر رہی تھی۔ یکا یک اُستاد بھورے خان، گرتا پڑتا اندر داخل ہوا ایک تڑا مڑا سا خط اس کے سامنے دھرتے ہوئے کہنے لگا۔

''پری! یہ خط پتہ نہیں کہاں سے آیا ہے۔ بے رنگ تھا ڈاکیا پورے اسی جرمانہ لے کر گیا ہے۔''

وہ اپنے گنجے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے التجا بھرے لہجے میں کہنے لگا۔ ''پتر! اٹھ ہوش کر آج چوتھا روز آن لگا ہے...... کچھ روزی دھندے پہ بھی دھیان دے۔ یوں جی مارنے سے جینا کٹھن ہو جاتا ہے۔''

بھورے سے خط پہ یونہی ایک اچٹتی سی نظر ڈالتے ہوئے انگڑائی توڑ کر اٹھی...... بولی۔

''اُستاد جی! ذرا امام باندی کو اندر بھیج دیں۔''

امام باندی پہنچی تو یہ انگلیاں پھیلا کر دکھاتے ہوئے کہنے لگی۔

''میری انگوٹھی کا نگینہ گم ہو گیا ہے...... یہ ہم سب کے لئے کوئی اچھا شگون نہیں ہے۔''

دونوں آگے بڑھ کر انگوٹھی دیکھنے لگے...... اُستاد جی بولے۔

''بیٹا! یہیں منہ ہاتھ دھوتے نہاتے دہاتے گر گیا ہوگا۔ چنتا نہ کر ہم سب انہیں ڈھونڈیں گے' مل جائے گا۔''

پھر وہ سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا۔

''بیٹا! کہو تو بڑا کمرا صاف کروا دوں...... آج شکروار ہے...... کچھ دال دلیا......؟''

سفیداں بائی درمیان میں ٹوکتے ہوئے بولی۔

"استاد جی! بابا بالی شاہ کے میلے کے دن حادثے کے بعد جیسے میرے سُر ہی ختم ہو گئے ہیں اور اب مجھے ختم ہونے سے میری تانیں پلٹے، مُرکیاں، جگہیں سب کچھ ختم ہو گیا ہے...... میرے دل پہ دھب اور گلے میں گرہ پڑ گئی ہے...... آج صبح جب میں ریاض میں بیٹھی تو محسوس ہوا کہ میں سب کچھ بھول گئی کھو بیٹھی ہوں، کھو چکی ہوں۔"

چھوٹی بہن امام باندی پلنگ کی پٹی پہ بیٹھتے ہوئے روہانسی بولی۔

"دیدی! حادثے نقصان تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ امرتسر اور انبالے ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا...... مگر اس سے پہلے تو تم نے ایسی مایوسی اور بے دلی کبھی نہیں دکھائی...... باقی رہی نگینے کی بات...... مانا کہ یہ انگوٹھی ہمارے لئے بہت قیمتی تھی، تمہارا اس سے ایک جذباتی لگاؤ تھا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں ہم سب مل کر اسے ڈھونڈیں گے، اُٹھو ہار سنگھار کرو...... تماشبین آتے ہیں مایوس ہو کر دوسروں کے چوبارے چڑھ جاتے ہیں۔ آئی روزی کو یوں ایک انگوٹھی اور اتفاقیہ حادثے کی وجہ سے ٹھکرانا، کفرانِ نعمت ہے۔ اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں۔"

سفیداں بائی زہرخنداں سی ہو کر بولی۔

"وہ [illegible] تو [illegible] جھولی میں ہی پھینکا جاتا ہے ہوتا ہے۔ پچھلی محفل یا مجرے کی چلمن میں بھلا کوئی خاک مسکرائے، گائے یا سنورے...... جاؤ، تم لوگ ہی جلسے محفل میں بیٹھ لیا کرو...... مجھے دق نہ کرو۔"

اُستاد ہاتھ باندھے منتی کرنے لگا۔

"سفیداں بیٹی! یہ بچے [illegible] تمہارے [illegible] ہی سمجھتے ہیں...... بات ساری تمہارے دم برکت کی ہے۔ ناں نہ کر پُتری! اُٹھ تیار ہو، میں تمہیں ریاض کرواتا ہوں...... تمہارے سُر سب واپس پلٹ آویں گے۔"

وہ کیا تیار ہوتی...... بس بے دلی سے "اچھا اُستاد جی!" کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر بے رنگ خط کی جانب متوجہ ہوئی۔

خط، چٹھیاں، زبانی کلامی سندیسے پیغام تو اسے موصول ہوتے ہی رہتے تھے۔ مگر یہ خط ایک تو بے رنگ موصول ہوا تھا، دوسرے ایک عجیب سی وضع قطع لئے ہوئے تھا۔ بڑے بے ڈھبے انداز سے سرنامہ لکھا ہوا تھا۔ بلبلِ ہندوستان سُروں کی ملکہ سفیداں بائی امرتسری، جموں...... خط اُلٹا پلٹا مگر بھیجنے والے کا نام نہ تھا۔ لفافے پہ نیلی یا سیاہ روشنائی کے بجائے سُرخ روشنائی سے تحریر تھا۔ تحریر کی طرح یہ روشنائی بھی ہموار اور یکساں سی نہیں تھی۔ مزید جانچنے پہ پتہ چلا یہ روشنائی سے نہیں لہو سے لکھا ہوا ہے، اس کے لئے یہ بھی کوئی نئی انوکھی بات نہیں تھی......

اکثر ایسا بھی ہوتا رہتا تھا۔ لہو سے لکھے ہوئے خط چھلے، رومال وغیرہ۔ اکثر پیار و محبت کے چکر میں پھنسا ہوا انسان، اگلے کو متاثر کرنے کے لئے بڑی اونگی بونگی حرکتیں کرتا ہے...... اس نے بڑی بے نیازی سے لفافہ چاک کیا دیکھیں اندر سے کٹا ہوا پھیپھڑا برآمد ہوتا ہے یا کوئی عشق کا تیر کھایا ہوا زخمی دل۔ مگر یہ خط تو کوئی اور ہی خوشبو لئے ہوئے تھا۔ لفافے کے اندر ایک اور لفافہ تھا جس کے دائیں کونے ''علی تیرے چاہنے والوں کی خیر'' بائیں کونے پہ ''جموں، را کالے'' لکھا تھا۔ اک عجیب سے تجسس اور حیرت بھرے انداز سے وہ آنکھیں پٹ پٹا رہی تھی...... جب کچھ بوجھ میں نہ آیا تو چھنگلی کا بڑھا ہوا ناخن ڈال کر اندر والے لفافے کو بھی کبوتر کے پوٹے کی طرح چاک کیا۔

عاشق کا خط ہو یا کبوتر، فاختہ کا پوٹا۔ برآمد کیا ہوتا ہے۔ چند دانے اناج و اخلل...... ہرے سرخ کانچ کے ننھے ننھے ٹکڑے، چمکیلے ادھیلے سنگریزے۔ انگلی کلائی کے لہو سے بنا دل اور اندر گھسا ہوا تیر یا خنجر، عاشقانہ اشعار...... یا پھر مرنے جینے خودکشی کی دھمکی۔

ہسپتال کے رجسٹر کا موٹا کھردرا پیلی رنگت کا تڑا مڑا کاغذ تھا جس کے ایک طرف مریض کا نام، مرض تشخیص، دوائیں اور موجودہ حالت و حرکت وغیرہ شکستہ سے انداز میں تحریر تھے دوسری جانب بڑے بدخطے میں لکھا تھا۔

''سرکار، سفیداں بائی کو ایک سوختہ حال، جان بہ لب عقیدت مند کا سلام پہنچے۔ بابا بالی شاہ کے میلے پہ آپ کی لگائی ہوئی کھلی تان سے ٹوٹ کر گرنے والا جموں را کالا۔ جسے سب کچھ گنوا کر بھی اگر آپ کی تھوڑی سی توجہ نصیب ہو جائے تو جانو سب کچھ مل گیا۔ بہت بہت شکریہ!''

یک دم اس کی آنکھوں کے آگے وہ میلے والا حادثہ آ گیا۔ ماتھے پہ تریلی اتر آئی، ہاتھ پاؤں تھر تھر کانپنے لگے اور دل تھا کہ دھک دھک کی دھم چیل سے جیسے باہر لوٹنے کو ہو...... کچھ دیر تک بالکل ساکت و جامد سی پڑی رہی پھر بڑی مشکلوں سے خود کو سنبھالا۔

طوائف کی زندگی کی بنت، اس کے پیشے کے تقاضے، گھر اور اردگرد کا ماحول، اس کی سوچ سمجھ کے اپنے مخصوص انداز، شاہانہ اخراجات یہ سب کچھ مال و زر، رنگ و رامش، عشوہ و غمزہ، فراخ مشربی اور نشاط خیزی سے مملو ہوتا ہے...... اس کی نوخیزی اور بھرپور شباب کے فقط چند سال مہینے ہی اس کا کل سرمایہ ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ خوب سینت سینت کر برتتی ہے۔ وہ اپنے ایک ایک اشارے، غمزے، اداؤں، لبھاؤں، اعضاء کی ایک ایک حرکت، تارِ نفس کی اک اک گرہ کا زیادہ سے زیادہ تاوان وصول کرنے میں کوشاں رہتی ہے تاکہ جوانی کی

عمر دوپہر گزارنے کے بعد وہ آنے والے بڑھاپے کی سرچڑھی رات کسی محفوظ شامیانے تلے بسر کرنے کی اہل ہو گئے…… پیسہ اور پیسہ اور پھر پیسہ' اس کا فلسفۂ حیات اور زندگی کی آسائشیں حاصل کرنا اس کا دھرم دھیان ہوتا ہے…… جس کے کھیسے میں دام ہے وہی اس کا گُلفام ہے…… پیار محبت عشق وشق اس کے نزدیک محض تضیع اوقات کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتے…… شرم' حیا' عزت وغیرت' وفا نبھا وغیرہ کے مفہوم۔ اس کے پیشے کی ڈکشنری میں بالکل مختلف ہیں…… لیکن کبھی کبھی کہیں انہونی بھی ہو جاتی ہے۔ ہزاروں میں کوئی ''پاگل دی پتر'' یا کوئی وکھرا اساوانہ' ایسا بھی نکل آتا ہے جو اپنی پیشہ ورانہ روایتوں کے برعکس عمل پیرا ہو جاتا ہے…… ایسا کسی نوکھے بندے کے بارے میں ہی کہا جا سکتا ہے کہ اس کے مقدروں میں دھکّے دَر دَر کی خواری' رسوائی اور بربادی لکھی ہوئی ہے اور یا پھر اس کی رگوں میں شرافت اور خباثت کے خون میں بیلنس نہیں ہے یا صلبی شرافت کی شریان ذرا موٹی ہے۔ بالفاظ دیگر کہ طوائف بھی آخر بندہ بشر ہوتی ہے کسی کی کہیں بھی کسی وقت کوئی بھی رگ پھڑک سکتی ہے بند یا کھل سکتی ہے اور جب کوئی خاص خناس سما جائے تو پھر طوائف ہو یا شریف زادی' کوئی کسی روایت' اصول' مصلحت یا سود و زیاں کو نہیں مانتا' پھر چل سو چل والی بات ہوتی ہے۔

وہ سوچ رہی تھی اس کو دیکھنے سننے کی خاطر وہ [illegible] جا من کی پھٹک [illegible] نے کے بعد [illegible] چھپایا [illegible] صرف ہلکی سی توجہ کا طلبگار ہوا۔ بلکہ وہ تو اپنے طور پہ بھی مان چکی تھی کہ اس کی اس حالت کی ذمہ دار بھی وہی ہے…… اسی کارن شاید اس کے [illegible] سے روٹھ بیٹھے…… گانے سے جی اُوب گیا تھا۔

دوپہر سے ذرا پہلے وہ [illegible] سیاہ لباس میں ایک بڑی سی کشمیری چادر میں سراپا ڈھانپے بڑے ہسپتال میں پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ اس کی خلیری بہن حاکماں بائی بھی تھی۔ یہ دونوں عام سی مقامی عورتیں ہی دکھائی دے رہی تھیں' وہ دونوں جنرل وارڈ کے ایک ایک بیڈ دیکھتی جا رہی تھیں…… مگر انہیں ایسا کوئی مریض دکھائی نہ دیا جس پر ''جھوں را کالے'' کا الزام لگایا جا سکتا ہو۔ کافی کھے خواری کے بعد آخر انہیں ہسپتال کے ایک اہلکار سے معلوم ہوا کہ اس حلیے کا ایک مریض سپیشل نگہداشت کے کمرے میں موجود ہے۔

اس کمرے میں وہ اکیلا ہی مریض تھا۔ ہسپتال والوں کی ہدایت کے مطابق وہ اکیلی ہی اندر داخل ہوئی۔ وہ چاروں شانے چت' گردن سے پیٹھ تک پلاسٹر اور لکڑی کی پھٹیوں سے جکڑا پڑا تھا۔ پائنتی کی جانب پلنگ کی ریلنگ پہ ہسٹری شیٹ لٹکی ہوئی۔

''کالے خان!'' وہ خاموشی سے دیگر کوائف پڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن جب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تو اس نے چہرے سے چادر ہٹا کر مریض کو پڑھنا چاہا…… پاؤں تا ٹانگیں سرخ کمبل سے ڈھکے

ہوئے تھے۔ پیٹھ سے گردن تک جیسے وہ سنگ مرمر میں ڈھلا ہوا ہو۔ سرگدی کا پچھلا حصہ جس پہ ایک موٹی سلوٹ پڑی ہوئی تھی ننگا تھا۔ سیاہ بالوں سے لدے پھندے بھرے بھرے ننگے بازو۔ ایک تکیئے کے نیچے...... دوجا تکیئے کے اُوپر۔ گہرا سیاہ بھوجک چہرہ بائیں جانب ڈالے ہوئے وہ کسی بیوہ ماں کے بیمار بچے کی مانند چُپ چپت پڑا ہوا تھا...... تکیئے میں دھنسے ہوئے چہرے کا صرف آدھا حصہ ہی وہ دیکھ سکی تھی۔ ایک غلافی آنکھ جو نیم بند تھی۔ ناک کا ایک نتھنا اور موٹے موٹے اُدھ کھلے کھلے کلونسے ہوئے ہونٹ...... وہ شاید کوئی اَنچل سا خواب دیکھ رہا تھا...... وہ دیکھے جا رہی تھی۔ کبھی اس کے بھاڑ چہرے پہ ہلکی سی مسکان اُبھرنے لگتی اور کبھی اس کے خشک ہونٹ کسی انجانے اندیشے سے تھرتھرانے لگتے تو انہیں ہانپا سا لگ جاتا...... پھر اچانک اس کا آدھا دکھائی دیتا ہوا چہرہ ٹھہرے ہوئے پانی کی مانند شانت پڑ جاتا۔

راجوں رئیسوں سے [illegible] اور بار جوانی اُٹھوانے والی ترشیت [illegible] آٹھوں پہر اٹھکیلیاں لینے والی چیت کی چاندنی کی مانند "عشق نہ دیکھے ذات اُوقات" والی بات دُہرائی گئی تھی جو چپکے زقند بھرتی ہوئی یہ ہرنی اس بجر بھو[illegible] کے بھٹ بھر تک چلی آئی تھی۔ تقصیر سزا یا پھر پہلے جنم کے کسی بول تول کا [illegible]۔ بھگتان تھا۔ جو ایسے رام پیاری آدھی [illegible] کے پاؤں میں [illegible] کے ٹکڑوں سے ٹوٹتی رہی...... [illegible] رہی تھی۔

پھر جیسے اُس کی جان اس کے جسم سے الگ ہوگئی۔ کالے خان نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ بصد دقت اپنا دایاں ہاتھ تکیئے کے نیچے سے نکال باہر کیا تھا...... اس کی تیسری اُنگلی میں جانے [illegible] بچھو لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ سفیداں بائی کے تو دیدے اُبل کر باہر آ گئے...... [illegible] انگوٹھی وہی رنگ روپ اور حالت ویسے ہی اس کے پیٹ کی ناف میں گھسا اُترا ہوا بے آب و آشکار سا نگینہ...... سفیداں بائی نے ہاتھ اُٹھا کر اپنی انگوٹھی پہ نگاہ ڈالی...... وہ تو وہیں پہ موجود تھی۔ اب دوبارہ کالے خان کی انگوٹھی دیکھی...... دونوں ایک سی۔ یہ کیسے ممکن ہے دونوں ہاتھوں میں ایک سی سالوں پرانی انگوٹھیاں...... وہ چکرا سی گئی لیکن فوری طور پہ جو بات سمجھ میں آئی وہ یہ کہ ان دونوں انگوٹھیوں کا آپس میں کوئی نہ کوئی سمبندھ تو ضرور ہے۔ کیا ہے کس طرح کا ہے؟ فی الفور اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ اس نے غور سے کالے خان کے چہرے کی طرف دیکھا' ماتھے پہ تیوریاں ڈالے سانس چڑھائے شاید کوئی انجانا سا خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ غیر ارادی طور پہ پائنتی کی جانب سے ہٹ کر سرہانے کے پاس کھڑی ہوگئی...... اس جگہ کالے خان کا پانچوں اُنگلیاں کھلا ہاتھ اس کے عین سامنے تھا...... اس نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کے قریب لا کر پھیلا دیا۔ وہ شاید دونوں انگوٹھیوں کا موازنہ کرنا چاہ رہی تھی...... اِدھر دِل تھا بلیوں اُچھل رہا تھا کہ دھڑکنے کی بازگشت اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ جھکے ہوئی شاید کچھ اور

تک گئی تھی کہ دل کے دھماکوں اور سانسوں کی ہلکی ہلکی شرشراہٹ اور تمازت سے کالے خان کے تارِ نفس تھما اٹھے...... بھاڑ منہ بھی سفیداں بائی کی جانب تھا۔ سُرمئی سُرخ ڈوروں والی تھوتھا آنکھیں جھکولا کھا کر کھل گئیں...... کوئی چیز انتہائی قریب ہو تو واضح دکھائی نہیں دیتی...... پھر ماندے بندے کی غنودگی تو چھٹتے چھٹتے ہی کہیں چھٹتی ہے۔ یادداشت دماغ اور اوسان بھی کہیں وقوف لے کر سکت پکڑتے ہیں۔

لیکن یہاں تو واردات ہی دگر تھی۔ جموں راکالے کی کایا کا ایک ایک کل پُرزہ پہلے روز سے ہی کے نام کی رگڑ سے رست گر تھا' اسے نقاہت نیند کی گھمبیرتا' غنودگی کی گھمسن گھیریوں یا نزدیک و دُور کی یوں سے کیا واسطہ؟...... آنار کی طرح پھوٹتے ہی "یا علی ترے چاہنے والوں کی خیر...... جموں راکالے کو چاہنے والوں کی خیر......" کا دھیما سا نعرہ بلند ہوا۔ یہ سب کچھ اتنا اور ایسا اچانک کہ سفیداں بائی دیدے پھاڑے محض دیکھتی اور سُنتی رہ گئی۔

حسی اور نُطقی توانائیاں جب لرزنے اور دُھندلانے لگتی ہیں پھر بھری شمعیں فروزاں ہو جاتی ہیں۔

یہاں اب اجالا ہی اجالا تھا۔ دونوں ایک دوجے کا آئینہ بنے رُوبرو تھے۔

ایک نگاہ [illegible] کی جانب کھڑی ان کے [illegible] پوچھے ملاحظہ کر رہی تھی...... وہ سفیداں بائی کو کالے خان کی بیوی یا کوئی قریبی عزیزہ سمجھ کر [illegible] تے ہوئے بولی۔

"آپ ادھر کرسی پہ بیٹھ جائیں' مریض سے زیادہ بات چیت کرنے کی اجازت نہیں۔"

سفیداں بائی نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ان کی تکلیف اور علاج کے بارے میں' میں کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

نرس اسے گہری نظروں سے تولتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ شاید وہی خاتون ہیں جنہیں اس نے اپنے لہو سے خط لکھا تھا۔" پھر مزید بتانے لگی۔ "ان کی حالت' منت سماجت دیکھتے ہوئے میں نے خط لکھنے اور پوسٹ کرنے میں ان کی مدد کی تھی۔"

سفیداں بائی نے جواب میں مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا کر شکریہ کہا۔ نرس خوش ہوتے ہوئے بولی۔

"سفیداں بائی جی! آپ کو یہاں اپنے سامنے پا کر میں بے حد خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ آپ یہاں تشریف رکھیں میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو اطلاع کرتی ہوں' وہی آپ کو مریض کے بارے میں پوری تفصیل بتا سکیں گے۔"

اُس سے جان چُھوٹی تو یہ پھر حیرت' خوشی اور اِک ہیجانی سی کیفیت کے گرداب میں پھنس گئی...... دراصل وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ یہ انگوٹھیوں کا چکر کیا ہے۔ وہ کن انکھیوں سے انگوٹھی اور اُسے دیکھ رہی تھی۔

کالے خان کی مجبوری یا معذوری یہ تھی کہ وہ چت لیٹا ہی رہ سکتا تھا۔ کسی حرکت یا کروٹ کے لئے وہ بے بس تھا...... پھر بھی وہ خفیف سی گردن ہلا جلا کر اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا...... وہ بہ دقت کہنے لگا۔

''نرگی سرکار! مجھے معذور جان کر معاف کر دینا...... میں اگر ذرا بھی اُٹھنے کے قابل ہوتا تو واقعی دل و نگاہ فرش کر دیتا۔''

وہ مزید قریب ہو کر کہنے لگی۔

''یوں ہی خاموش اور بے حرکت لیٹے رہو' کالے خان! تمہیں میرے لئے اتنی تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو خود ہی تمہاری عیادت کے لئے یہاں پہنچ گئی ہوں...... کہو کیسے ہو؟...... مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میرا گانا سُننے کی خاطر کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جامن کے پیڑ پہ چڑھ گئے تھے۔ جامن کا کمزور ٹہنی تمہارا بوجھ سہار نہ سکا اور تم خاصی بلندی سے نیچے گر پڑے۔ جس کے نتیجے میں تم اس حالت کو پہنچے ہو۔ کیا تم مجھے مختصراً بتا [illegible] ہوا؟ شوق [illegible]؟''

وہ [illegible] بولا۔

''نرگی سرکار! یہ سب کچھ ہی ہوا' اور جو کچھ بھی ہوا بہت خوب ہوا...... بلکہ تمہارا التفات پانے کے لئے تو اور بھی بہت کچھ ہونا چاہئے تھا۔ شوق نے مجھے وہاں پہنچایا...... حماقت نے مجھے جامن پر چڑھایا...... اور پھر اتفاق سے میں نیچے گر پڑا...... اور [illegible] خوش قسمتی کہ مجھے تمہاری توجہ حاصل ہو گئی۔ ویسے نرگی سرکار! وہ تو جامن کا پیڑ تھا...... وہاں سُولی بھی گڑی ہوتی تو اس پہ بھی چڑھ جاتا۔

وہ قدرے خجل ہوتے ہوئے کہنے لگی۔

''تمہیں اس حالت میں زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔''

وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولا۔

''تم نے پوچھا تو میرا جواب دینا فرض بنتا ہے۔''

سفیداں بائی کرنے کو تو باتیں کر رہی تھی مگر اس کا دل و دماغ انگشتری والے گورکھ دھندے میں اُلجھا ہوا تھا...... اُسے جب بھی موقع ملتا وہ انگشتری کو بغور دیکھ لیتی...... کرسی کھسکا کر کالے خان کے قریب آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ وہ بڑی بے تابی سے انگشتری کے بارے میں جاننا چاہتی تھی مگر اسے کوئی مناسب موقع یا الفاظ نہیں مل رہے تھے...... اسی اثناء میں ڈاکٹر اور وہی نرس اندر داخل ہوئے۔ بڑا کوئی سڑیل قسم کا بنگالی ہندو

ڈاکٹر نے رسمی ابتدائی گفتگو کے بعد اس نے سفیداں بائی سے دریافت کیا کہ مریض سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ سفیداں بائی نے اسے تمام واقعہ سُنایا اور بتایا کہ کالے خان میرا مدّاح ہے...... میرے پروگرام میں میرے گانے کی محبت سے چونکہ یہ حادثہ ہوا ہے اس لئے میرا انسانی فرض بنتا ہے کہ میں اس بھلے منش کی تیمارداری اور دلجوئی کروں...... ڈاکٹر نے بتایا کہ اس دن والے حادثے سے متاثر ہونے والے چاروں زخمیوں میں سے صرف کالے خان ہی اس وقت یہاں خصوصی نگہداشت میں موجود ہے باقی تینوں کو مرہم پٹی کے بعد فارغ کر دیا گیا...... صرف یہی مریض ہے جو سب سے زیادہ مجروح ہوا ہے۔ ریڑھ کی ہڈی کے علاوہ کولہے اور بازو کی ہڈیاں بھی متاثر ہوئی ہیں۔ ابھی تک اس کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے۔ ہم نے کئی بار مریض سے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا ہے تاکہ اس کے لواحقین کو اس کی حالت کے بارے میں اطلاع دی جا سکے...... مگر یہ کہتا ہے کوئی نہیں...... صرف آپ کو ہی اپنا والی وارث لکھواتا ہے۔

سفیداں بائی نے کمال اندازِ دلربائی سے ڈاکٹر کو اپنی حیثیت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

”ہم لوگ اپنے مدّاحوں اور چاہنے والوں کی بہت قدر کرتے ہیں...... ہمارے مدّاح قدردان ہی [illegible] ہوں چونکہ یہ شخص شاہی دربار سے بھی ہے اس لئے مہاراجہ صاحب کے حکم کے مطابق اس کا علاج یہیں ہوگا...... اور میں یہاں کتنے ہی معصوم شخص کی تیمارداری اور دلجوئی کے لئے یہاں موجود ہوں۔“

ڈاکٹر اس کے جذبات سے متاثر ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ یہاں تیمارداری کے لئے آ سکتی ہیں...... مگر یہاں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہر روز آیئے اس کا دل بہلایئے۔ مگر زیادہ دیر آپ کا موجود ہونا مریض کے لئے مناسب نہیں۔ ہمارا اسٹاف ہر طرح سے اس کا خیال رکھے گا...... ہمیں اس مریض کے بارے میں سرکاری طور پہ بڑی تاکید ہے۔“

وہ شام ڈھلے تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔ ٹکر ٹکر اسے اور انگشتری کو دیکھتی رہی۔ ہلنے جلنے اور باتیں کرنے کی غرض سے نرس نے اسے ٹیکا لگا کر پُرسکون کر دیا ہوا تھا اور اب ایک ننھے سے بچے کی طرح گہری نیند میں اترا ہوا تھا۔ وہ نرس کو چند ضروری ہدایات اور ایمرجنسی میں رابطہ کرنے کے بارے میں سب کچھ سمجھا کر لوٹ آئی۔

وہ ہر روز صبح سویرے پہنچ جاتی۔ پورا دن اس کے پاس بیٹھی رہتی یا پھر کوئی کتاب رسالہ سامنے دھر لیتی...... لیکن جونہی اس کی نظر انگشتری پہ پڑتی تو پھر بے سکون سی ہو جاتی۔ انگشتری تو جیسے اس کے اعصاب پہ

سوار ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی بے نگ کی انگشتری کو بارہا اُلٹ پلٹ کر دیکھا تھا...... دونوں میں اُسے بال برابر بھی کہیں فرق دکھائی نہیں دیا' یہ انگوٹھیاں کسی مشین کی بنی ہوئی نہیں تھیں...... یہ تو کسی انتہائی مشاق سنار کے فن کا نمونہ تھیں...... سادہ' نجل اور من بھاونی سی' لگتا تھا کسی خاص انسان نے انہیں اپنی پسند سے بنوایا ہو...... اس نے بہتیرا دماغ کھپایا۔ مگر کچھ صحیح سے سمجھ میں نہ پڑا۔ جب زیادہ زور دیتی اور معاملے کو منطقی انداز فکر سے دیکھتی تو جو نتیجہ نکلتا وہ کوئی زیادہ خوشگوار نہ ہوتا۔ اس انگشتری کے حساب سے کالے خان سے اُس کا کوئی بہت قریب سمبندھ نکلتا...... کالے خان یا تو اُس کے مرحوم باپ کا کوئی قریبی عزیز ہے۔ بیٹا...... اور یا پھر کوئی چور' لیکن کالے خان چور نہیں ہو سکتا...... تو پھر وہ بیٹا ہی ہو سکتا ہے۔ ایسی ہی انگوٹھی اُس کے باپ نے اُس کی ماں کو اپنی محبت کی نشانی کے طور پہ پہنائی تھی اور اب اسی طرح کی انگوٹھی کالے خان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس تلخ حقیقت پہ سوچتے سوچتے پاگل سی ہو جاتی تھی۔

ایک روز اُس کے بازو پہ ہلکے ہاتھ سے مالش کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”کالے خان! یہ انگشتری اُتار دو' ہاتھ پہ ورم کی وجہ سے بُری طرح پھنسی پڑی ہے۔“

اُس نے جیسے [illegible] تلملا کر بولا۔

”ہاں ہاں...... اسے کیسے اُتار دوں...... اسے تو میں نے ہسپتال والوں کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی نہیں اُتارا...... یہی تو اک انگوٹھی رہ گئی ہے میرے پاس...... میرے ماں باپ، میرے خاندان کی نشانی!“

سفیداں بائی نے کمال تحمل سے کہا۔

”یہ تو سب ٹھیک ہے مگر یہ بُری طرح اُنگلی میں پھنسی ہوئی ہے جبکہ پڑے پڑے تمہارا جسم سست پڑ گیا ہے۔ ہاتھ بازوؤں پہ ورم اور دوران خون بھی خاطر خواہ نہیں۔ اس لئے اس انگوٹھی کا اُتارنا ہی بہتر ہے۔“

”اچھا! اگر تم بھی اسے میرے ہاتھ سے اُتارنا مناسب سمجھتی ہو تو لو اُتار لو......“

اُس نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ اپنا ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔ مگر سفیداں بائی ہر حربہ آزمانے کے بعد بھی وہ انگشتری نہ اُتار سکی۔ خجل سی بولی۔

”بھئی' کالے خان! یہ تو ٹس سے مس نہیں ہوئی' لگتا ہے اسے بھی تمہارے سے علیحدگی پسند نہیں۔“

وہ اپنے دوپٹے کے پلّو سے انگوٹھی صاف کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”اچھا بتاؤ' یہ تمہاری ماں کی نشانی ہے باپ کی یا پھر جورو......؟“

اس کی دکھائی دینے والی ایک آنکھ میں جیسے اوس کا چھینٹا سا لگ گیا ہو...... چند ثانیے وہ پلکیں بند کیے

خاموش سا ہو لیا...... سفیداں بائی بولی۔

"میرے اس سوال سے شاید تمہارا دل دُکھا ہو...... مجھے معاف......!"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... یوں ہی کبھی کبھی کلیجے کو کچوکا سا لگ جاتا ہے...... ہاں تم پوچھ رہی تھی کہ یہ انگشتری کس کی نشانی ہے سمجھ لو کہ یہ میرے ابا' اماں دونوں کی ہی نشانی ہے۔ میرے ابا نے آگرہ کے رہنے والے اپنے سنار دوست سے بڑی فرمائش کر کے دو انگوٹھیاں بنوائی تھیں...... ان انگوٹھیوں کا کندن' میرے دادا کی جیبی گھڑی کے ڈھکن کا تھا جو ایک حادثے میں بُری طرح ٹوٹ گئی تھی...... ان انگوٹھیوں کے ننھے ننھے نگینے بڑے قیمتی پنے تھے جو میری دادی کے بازو بند سے اُترے ہوئے تھے...... بڑے شوق واہتمام سے انگوٹھیوں کی پٹی پہ ابا نے اپنا نام کندہ کروایا...... ایک انگوٹھی میری اماں کو اپنی محبت اور وفا کی نشانی کے طور پہ پہنائی تھی...... پھر ایک ٹھنڈی آہ بھرنے کے بعد بولا۔" میری سرکار! یہی وہی انگوٹھی ہے جو میرے ابا نے میری ماں کو خود اپنے ہاتھ سے پہنائی تھی۔"

سفیداں بائی کچھ دیر اس کے چہرے کو تکتی رہی...... پھر بڑی رسان سے پوچھا۔

"......اور دوسری انگوٹھی؟"

"وہ [illegible] ہے۔ اس پہ میری ماں کا نام کندہ تھا۔ میرا باپ میری ماں سے بڑا اُنس رکھتا تھا۔ ہر لمحہ ہر وقت اُسی کی دلجوئی اور خاطر داری میں لگا رہتا تھا۔"

سفیداں بائی نے اس کی بات درمیان میں قطع کر کے ایک اور سوال پوچھا۔

"کیا تمہاری ماں' تمہارے باپ کے خاندان سے تھی یا تمہارے والد نے اپنی پسند سے......؟"

"نہیں' نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں تھی...... ہم اصیل پٹھانوں میں شادیاں اپنے خاندان میں ہی طے پاتی ہیں...... میری ماں کوئی ایسی خوبصورت بھی نہیں تھی۔ دراصل وہ بڑی گنوں پنوں والی عورت تھی۔ بڑی سگھڑ اور صابر...... جبکہ میرا باپ بڑا غصیلا اور ہٹیلا مرد قسم کا آدمی تھا۔ مگر میری ماں کے آگے وہ حد درجہ تعظیم و تکریم رہتا...... مگر افسوس کہ وہ......"

سفیداں بائی اس کے آدھے دکھائی دینے والے چہرے پہ نظریں گاڑے غور سے اس کی ہلکی اونچی بات سُن رہی تھی۔ اس کے اچانک خاموش ہو جانے سے اس کی چتون پہ بل پڑ گیا...... وہ اندر سے کسمسا کر گیا۔

"کالے خان! تم اپنے والد اور والدہ کے متعلق بات کر رہے تھے کہ میرا باپ میری ماں کی حد درجہ عزت و تکریم کرتا تھا۔ مگر افسوس...... اب آگے بات کو بڑھاؤ۔"

''ہاں اماں! میں اپنے باپ کی بات کر رہا تھا..... سُر کی سرکار! میرے اسی باپ نے میری صابر و شاکر ماں کو زندہ درگور کر دیا..... وہ کسی طوائف کی زلفوں کا اسیر ہو کر اسی کا بن کر رہ گیا تھا۔ وہ تو بہت بعد میں معلوم ہوا وہ کاروباری مصروفیات کی آڑ میں اس طوائف کے ہاں قیام کرتا تھا پھر ایک وقت ایسا آ لگا کہ اس کا اپنے بیوی بچوں سے التفات بالکل ہی ختم ہو کر رہ گیا..... یہاں تک کہ وہ انگوٹھی جو اس نے اپنے ہاتھ میں پہنی ہوئی تھی جس کے لئے کندن میرے دادا کی گھڑی سے لیا گیا تھا..... جس کا نگینہ میری دادی کے بازو بند سے اترا ہوا تھا..... اور جس پہ میری ماں کا نام کندہ تھا۔ اسی اپنی محبوبہ طوائف کو تحفے میں دے دی۔'' کالے خان نے اتنا کہہ کر پھر خاموشی سادھ لی۔

سفیداں بائی نے تھوڑی دیر بعد ''پھر'' کے دست پناہ سے پھر راکھ کے ڈھیر سے دبی چنگاری نکالنے کی جستجو کی۔

''پھر ایک دن میرا باپ بیٹھا بٹھایا ہیضے کی وبا میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد میری ماں بھی چل بسی..... اس طرح ایک طوائف کی وجہ سے ہمارا ہنستا بستا گھرانا تباہ و برباد ہو کر رہ گیا..... پھر میرے من میں ایسی گرہیں پڑ گئیں کہ میرا جی دن بدن اس دنیا سے اچاٹ ہوتا چلا گیا..... مجھے [illegible] زہر لگنے لگی تھی..... انسانیت شرافت بیوی بچے پیار محبت سے نفرت ہو گئی۔ اپنے شہر والے خاندان احباب سب سے جی میلا ہو گیا۔ آوارہ گردی شروع کر دی۔ موسیقی سے قدرے سکون نصیب ہوتا تھا۔ پچھلے دنوں میں کاروباری سلسلے میں کچھ عزیزوں سے ملاقات کی غرض سے جموں پہنچا..... اگلے روز سیالکوٹ روانہ ہونا تھا۔ وقت گزاری کے لئے ایک باغ میں بیٹھا تھا کہ میرے قریب ہی کچھ سازندے قسم کے لوگ بیٹھے اپنے سازوں کو سُر کر رہے تھے۔ یونہی باتوں باتوں میں انہوں نے تمہاری گائیکی کی کچھ ایسی تعریف باندھی کہ میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا..... پھر جامن کا پیڑ..... ہسپتال اور اب یہ لاحاصل سی بیکار باتیں.....''

سفیداں بائی نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''یہ باتیں بیکار نہیں۔ بڑی کارآمد ہوئیں..... اب صرف ایک اور بات بتاؤ..... وہ طوائف جس کو آپ کے ابا سے تعلق خاص رہا تھا۔ کیا تم نے اسے دیکھا یا کچھ جانتے ہو گے کہ وہ کون تھی..... کہاں تھی..... کچھ نام وغیرہ؟''

''نہیں..... ہمارے ابا نے اس کے بارے میں کبھی کسی کو ہوا تک لگنے نہیں دی تھی اور نہ ہی ہم نے کبھی جاننے کی کوشش کی۔ ناآسودہ محرومیوں کے ڈھیر کو کریدنے سے دکھ کے علاوہ اور تو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

سفیداں بائی تو جیسے پاتال میں اُتر گئی ہو۔ اُس کا رنگ فق ہو چکا تھا۔ بے دھیانی میں اُس کے مُنہ سے صرف اتنا نکلا۔

”تم نے سچ کہا...... طوائف اور گندگی کے ڈھیر سے سوائے بدبو کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔“

پورے ساڑھے دو ماہ تک سفیداں بائی ہسپتال میں اس کی چارپائی کی پٹی بنی رہی...... اس دوران وہ مسلسل چت پڑا رہا۔ لیٹے لیٹے ہی ہاتھ پاؤں ٹانگوں کی ہلکی سی ورزش کرائی جاتی۔ یہ خود اپنے نازک ہاتھوں سے اسے دباتی، مالش کرتی، سر سہلاتی۔ ثقیل غذا تو سرے سے ہی بند تھی...... سُوپ، جوس، چائے یا پھر کوئی [illegible] چھوٹا موٹا پھل...... یہ کھلانا پلانا بھی سفیداں بائی کرتی تھی...... بول براز بھی الگ ایک ٹیڑھا مسئلہ تھا...... پیشاب کے لئے چارپائی کے نیچے انتظام تھا...... پاخانہ [illegible] کے برابر تھا...... ہر دوسرے روز انیما کرنا ہوتا...... یہاں بھی سفیداں بائی نرس کا ہاتھ بٹاتی...... ایکسرے پچاسی فیصد درست آئے تھے۔ پلاسٹر کا ناتو جسم [illegible] جیسے ابھی ابھی اس کا جنم ہوا ہو...... اٹھنا بیٹھنا یا کھڑا ہونا اور چلنا تو جیسے وہ بھول ہی گیا تھا۔ اب [illegible] چند منٹ بیٹھنے، کچھ قدم چلنے اور ہلکی ہلکی ورزش کی اجازت ملی تھی۔ ہسپتال میں [illegible] یہ پندرہ روز [illegible]

اگلے تین ماہ تک سفیداں بائی اپنے کام دھندے سے فارغ اور کالے خان کی تیمارداری میں لگی رہی تھی...... اب نہ حادثے سے پہلے والا کالے خان تھا اور نہ وہ پہلے والی سفیداں بائی تھی۔

کالے خان کا یہ عالم کہ بیماری اور بیزاری سے جھڑوس کر کالا جامن سا نکل آیا تھا۔ رنگ پہلے ہی سڑا ہوا تھا۔ اب طبیعت مزاج کا بھی سڑیل ہو گیا۔ گردن قدرے آگے کو جھک کر رہ گئی جو دائیں بائیں حرکت پہ تکلیف بھی محسوس ہوتی تھی اور قد بھی جیسے انچ ڈیڑھ انچ کم پڑ گیا ہو۔ کمر جو لڑھک سی گئی تھی اب چلتے سے [illegible] رہتی۔ چال میں ہلکا سا لنگ...... ذہن دماغ پہ بھی شاید کچھ اثر پڑ گیا تھا کہ وہ اپنا ماضی بھولتا جا رہا تھا۔ جیسے وہ اپنی شخصیت، حیثیت، ذات وغیرہ کسی معمولی چیز کی طرح کہیں رکھ کر بھول چکا ہو۔ کچھ کھونے کا [illegible] نہ بیکار ہونے کا غم، بیوی بچے، گھر بار، کاروبار، احباب...... جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ رہا تھا۔ وقت کا [illegible] ڈھیر سے آگے سرک رہا تھا اس سفر میں اس نے خود کو بے دست و پا کر خود کو دھارے کے [illegible] دیا۔

مشتری کے بارے میں سفیداں بائی کے اندیشے ایک زندہ حقیقت کا روپ اختیار کر چکے تھے۔ اس

نے کمال ضبط و تحمل سے اس کڑوی حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ کالے خان سے اس کا خون کا رشتہ ہے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی ماں برادری کی بیاہتا تھی جبکہ اس کی ماں خاندانی طوائف تھی۔ کھانے طعام کی فوقیت اپنی جگہ...... لیکن جس برتن میں کھانا پروسا جاتا ہے اس کی پاکی پلیدی کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے۔ وہ اس تلخ حقیقت اور خون کے اس تعلق کو اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں دفن کر دینا چاہتی تھی جبکہ یہ امر بھی اس کے لئے باعثِ تقویت تھا کہ کالے خان کی اس سے عقیدت کسی غرض یا نفسانی خواہش کی سزاوار نہیں اور نہ وہ کلی کلی منڈلانے والا کوئی بھونرا صفت ہے۔ وہ تو اس کے فن و ہنر کا قدردان ہے۔ سوچتے سوچتے وہ بالآخر ایک حتمی فیصلے پہ پہنچ ہی گئی تھی۔

کالے خان کے غسل صحت کے بعد جب سفیداں بائی نے باقاعدہ محفل سجا کر گانا بجانا شروع کرنا چاہا تو یہ عجیب سی شکل بنائے ہاتھ جوڑے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”جی سرکار!...... میں نے اپنا سب کچھ تیاگ دیا ہے...... جس کا مجھے رتی بھر افسوس یا ملال نہیں...... مجھے [illegible] تو مل گئی [illegible] ایک [illegible] گزارش ہے کہ مجھ سے کبھی میرے ماضی کے [illegible] کوئی سوال نہ کرنا...... بس یہی جاننا کہ میں تیرا خیر چاہنے والا ہوں...... اپنے ہاں تھوڑی سی جگہ جہاں میں پڑا رہوں اور اپنی محفل مجلس میں ایک کونا' جہاں سے میں تیری مدھر آواز سن سکوں...... میری روزی روٹی کی چنتا نہ کرنا میں چوبارے کے نیچے کوئی ٹھیلا [illegible] کر لوں گا۔“

دن بھر وہ ”جموں را کالے“ کے آوازے لگاتا رہتا...... شاید یہ اس کا تکیہ کلام بن چکا تھا...... موسمی پھل ٹھیلے پہ سجائے وہ سفیداں بائی کے چوبارے کے نیچے گلی کی نکڑ پہ کھڑا صبح سے شام کر دیتا۔ مستقل آنے جانے والوں' دوکانداروں' بھڑووں اور تماشبینوں سے اس کی واجبی سی علیک سلیک بھی شروع ہو چکی تھی۔ خیر خیریت اور سلام دُعا کے طور پہ وہ ”یا علی' تیرے چاہنے والوں کی خیر“ کا نعرہ نما فقرہ استعمال کرتا تھا...... پھلوں سے اس کی بے پناہ دلچسپی کی اصل وجہ تو معلوم نہیں تھی...... ہاں جو بظاہر وجہ نظر آتی تھی وہ یہ کہ رات اپنا روزی ٹھیلا بڑھا کر جب وہ چوبارے کی سیڑھیاں چڑھتا تو اس کے ہاتھ میں ایک وزنی پوٹلا اُن چنیدہ پھلوں کا ہوتا جنہیں وہ اپنے پھلوں سے خوب چھانٹ چھانٹ کر اپنی سُروں والی سرکار کے لئے بطور خاص علیحدہ کرتا۔ پھلوں میں اُسے صرف جموں کے خوب موٹے موٹے رسیلے' میٹھے مگر ہلکے کسیلے جامن بہت پسند تھے...... جامنوں کے موسم میں جیسے جوان ہو جاتا۔ ٹھیلے پہ جامنوں کا ٹیلہ بنائے اوپر پھول سجائے وہ سارا دن

[illegible] کے لہک لہک کر آوازے لگاتا رہتا...... بس جامنوں کے ساتھ یہی اِک خرابی ہے کہ ان کا [illegible] بہت جلد ڈھل جاتا ہے...... غریب کی جوانی کی طرح جب یہ پک جاتے ہیں تو پھر آوارہ [illegible] بچوں شوخوں کا نشانہ بنتے ہیں۔ جو وہاں سے بچ لیں تو پھر وہ چھتروں، روڑوں اور لمبی لمبی قچیوں کی [illegible] جاتے ہیں اگر یہاں سے بھی نکل جائیں تو گل سڑ کر راہیں راستے خراب کرتے ہیں۔ ہاتھ، دامن، [illegible] اور طبیعت تک اپنے رنگ میں رنگ ڈالتے ہیں۔ کالے خان کی اپنی طبیعت، شکل صورت، [illegible] بلکہ اندر کا سروپ بھی جامن رنگ تھا...... کسیلا، رسیلا...... اور کچھ میٹھا...... شاید اس کا انجام بھی کہیں [illegible] تھا۔ اب وہ سب سے بچ بچا کر اس راہ پہ پڑا تھا...... حقہ، پان، سگریٹ تو وہ شاید پہلے بھی کھاتا پیتا [illegible] سے بازار میں کھڑا ہوا تو ان کے استعمال میں قدرے اضافہ ہو گیا تھا۔

سفیداں بائی چار پانچ ماہ کے تعطّل کی کسر نکالنے میں مصروف تھی...... جموں کی راجدھانی میں داد و عیش [illegible] کی تھی۔ عوام تو عوام، خواص، امراء اور راجگان بھی دن رات بادہ و جام کی محفلوں، رت جگوں [illegible] موسیقی کے جلسوں مجروں میں مگن رہتے تھے۔ [illegible] ہی تھی اور عیش ہی عیش [illegible] تھا...... ملک [illegible] نوخیز نوچیاں، [illegible] ڈیرہ دارنیاں۔ پریوں کے پرے کے پرے غرضیکہ جموں راجدھانی راجہ اندر کا اکھاڑہ تھا۔

کچھ ڈیرے محض موسیقی کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں کہ یہاں صرف گانا بجانا ہوتا ہے...... [illegible] دادرا، خیال، غزل گیت وغیرہ، یہاں صرف فن و ہنر اور گائیکی کی بات ہوتی ہے...... حسن و شباب اور [illegible] کی داد و دہش والے ادھر کا رُخ نہیں پکڑتے...... یہاں جموں میں سفیداں بائی امرتسر والی کا ڈیرہ [illegible] ڈیرہ تھا جہاں صرف چل کن رسیئے، کلاسیکی موسیقی کے گنی...... موسیقی کا اعلیٰ ذوق رکھنے، سنجیدہ مزاج، [illegible] اور معززین ہی حاضری دیا کرتے تھے...... اس زمانے میں سفیداں بائی اُن چند چیدہ [illegible] میں سے تھی جو ریڈیو پہ بھی صفِ اوّل کی حیثیت سے پروگرام پیش کیا کرتی تھیں...... گوجری اور [illegible] میں اس کے پہاڑی بول ٹپے اور گیت جب نشر ہوتے تو راہ چلتے لوگ رُک جاتے تھے۔ ریڈیو [illegible] شائقین کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جاتے۔ بازار والیوں میں مشہور تھا جب سفیداں بائی اپنی مجلس محفل [illegible] اس کے سازندے بھی سوا سیر سونا اور دو منکے چاندی تولتے ہیں...... نقدی الگ!

کالے خان کا پھلوں والا ٹھیلا عین سیڑھیوں کے نیچے تھا...... ہر چڑھنے اُترنے والے پہ اس کی نظر ہوتی...... اَب تو وہ یہاں کھڑے رہ کر ہر ایک کی کھڑی چڑھتی اُترتی نظر بھی پہچاننے لگا تھا...... رات کا پہلا پہر ختم ہوتے ہی پھل بکیں نہ بکیں وہ ٹھیلا بڑھا کر اُوپر چلا جاتا...... سفیداں بائی کے لئے پھلوں کا تھیلا اندر اس کی خواب گاہ میں پہنچا کر غسل خانے میں گھس جاتا...... نہا دھو کر لباس تبدیل کرتا، بالوں میں تیل چپڑتا...... عطر پھلیل سے رومال مُعطر کرتا پھر خاموشی سے بیٹھک میں داخل ہو کر اندرونی دروازے کی اوٹ میں اپنی مخصوص جگہ پہ بیٹھ جاتا۔ اگلے لمحے وہ انگشتری والے ہاتھ اور سر کی ہلکی سی جنبش سے سلام کرنا نہ بھولتا۔ سفیداں بائی ہلکی سی مسکان سے سلام کا جواب دیتی...... دورانِ محفل وہ سر تک نہ اُٹھاتا...... ایسے گہرے مراقبے میں اُتر جاتا کہ اس کے گزر لینے کا شک پڑ جاتا...... شراب تو وہ چھوتا تک نہ تھا اور نہ یہاں نشست میں سگریٹ پانی تک کو ہاتھ لگاتا۔ رات کے کسی پہر جب محفل برخاست ہوتی اور آخری فرد بھی جب سیڑھیوں سے اُتر جاتا تو سازندوں اور خانہ زادوں میں فرشی چاندنیوں پہ بکھرے پڑے کرنسی کے نوٹ سمیٹنے کے لئے ایک ہڑبونگ سی مچ جاتی...... کالے خان اس لمحے خاموشی سے اُٹھ کر نیچے صحن میں ٹھنڈی کھوئی کے ساتھ اپنی کوٹھڑی میں گھس جاتا۔

کوٹھڑی کے واحد دروازے میں باہر کی جانب منہ کر کے اگر وہ کھڑا ہوتا تو عین اسی کے ماتھے کے سامنے اُوپر [illegible] کھلتا تھا...... جب تک اس ”روشن جھروکے“ سے اسے سفیداں بائی کے درشن نہ ہوتے اور وہ اُسے ہاتھ کے اشارے سے آرام کرنے کا اذن نہ دیتی وہ کوٹھڑی کے باہر چوکھٹ پہ ہی دھرنا دیے رہتا۔

● لیلائے مجاز......!

طوائف، طوائف سے بہت پہلے ایک انسان بھی تو ہوتی ہے۔ انسان ہونا ایک بڑا شرف ہے اور یہ شرف انسان کی سوچ، عمل، راستی، استقامت اور علم و عقل سے تعبیر ہے۔ آگے خوش بختی سے اگر اسے عشق کی جاگ لاگ لگ جائے تو یہ انسانیت کی اکملیت کی جانب مائل بہ سفر ہوتا ہے جبکہ عشق پہلے لیلائے مجاز کے عمل کی اتمام حُجت کرتا ہے۔ بہت بعد پھر کہیں حلاج کے حجاب میں سردار قتیل شوق ہو کر حُجت قاطع کی مُہرِ آخرین ثبت کرتا ہے۔ عشق تانیث و تذکیر کے تناسب و تفارق سے تنافرت رکھتا ہے۔ مادی اور نفسانی خواہشات کو درخورِ اعتنا نہیں گردانتا۔ یہ مسلک و مذہب، رسوم و روایات کی فرسودگیوں اور رنگ و نسل، حسن و سیرت کے طول و عرض کی بیہودگیوں سے گریزاں ہوتا ہے...... یہ رشتوں ناتوں سے تو پہلے ہی رُستگاری حاصل کر چکا ہوتا

ہے۔ اندیشہ سود و زیاں سے کہیں دُور "مشکِ جاں کو لئے کسی کے حریم ناز میں پڑا رہتا ہے۔

سفیداں بائی خوب جان چکی تھی کہ کالے خان سے اُس کا کیا رشتہ ہے...... لیکن وہ کسی طور بھی یہ تلخ حقیقت اس پہ آشکار نہیں کر سکتی تھی۔ وہ ایسے معصوم اور شکستہ خاطر انسان کو کسی اذیت سے دوچار کرنا نہیں چاہتی تھی...... کالے خان تو اُس کے ہاتھ کا پانی بھی نہیں پیتا تھا۔ سارا دن گلا پھاڑ پھاڑ "جموں را کالے" کے نعرے لگاتا رہتا...... چاہے اس کے ٹھیلے پہ آڑو اور آم ہی پڑے ہوتے۔ کہتا تھا جموں کے جامنوں نے ہی تو میرے من کو جگایا ہے۔ میرا من موہن ملایا ہے۔ مجھے کام دھندے پہ لگایا ہے...... بازار، کوٹھوں، گلیوں تھڑوں والے سب جاننے لگے تھے کہ اس کی سفیداں بائی سے جُڑت، جھوک بلاس نہیں۔ سُر کی سمرادھن ہے...... وہ کسی بازارِ حسن کا تماشبین نہیں، وہ تو عشق و شرف کے بازارِ مصر کا عاشق بنا بیٹھا ہے۔ موسم کی رعایت کے تحت نماز سے فارغ ہو کر اپنی کھٹیا کوٹھڑی کے باہر ہی دریچے کے رُخ پہ ڈال لیتا۔ پھر جب تک نیند نہ تھپتھپاتی تھکی ماندے بدن کو "سوئے حرم" تکتا رہتا۔ اکثر ایسے ہی ہوتا کہ سفیداں بائی جب بھی، کسی وجہ سے دریچہ کھول کر باہر دیکھتی تو اُسے ہمیشہ چکورے کی مانند ٹکٹکیاں مارتا ہوا دکھائی دیتا...... ہاتھ اٹھا کر سلام کرتا اور اُدھر سے فی الفور جواب پا [illegible]

کُھلے دنوں کی ایک سہانی سی شام تھی۔ ایک سبک نفیس چھم چھم کرتا ہوا یکّہ، جس کے آگے ایک بانکا سا مشکی گھوڑا جتا تھا، بڑے طمطراق سے چوبارے کے زیرِ سایہ میں آ کر ٹھہر گیا...... ایسے ہی جیسے کوئی تھکا ہارا مسافر تپتی دوپہر میں کسی درخت تلے دم درست کرنے کی غرض سے ٹھہر جائے...... سُرخ بانات کا انگرکھا، بسنتی رنگی راجپوتی پگڑی، اُفقی پٹکا باندھے، گھنیری مونچھوں والا یکّہ بان بڑی پھرتی سے نیچے کودا اور بڑے ادب و احترام سے پائیدان کھول کر، سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا ہو گیا...... یکے سے اترنے والا بھی یوں کہ جیسے کوہِ قاف سے آیا ہو اور وہ یکے سے نہیں کسی جادوئی اُڑن کھٹولے سے اتر رہا ہو۔ آس پاس والے دوکاندار، بازار کے لوگ، چوباروں کے دریچوں اور بالکونیوں سے جھانکتی نازک رنڈیاں، نوچیاں اس نووارد کی چھل بل اور حیثیت و حشمت کے متعلق اپنی اپنی دانست میں اندازے باندھنے لگیں...... اربابِ نشاط کے گلی کوچوں، بازاروں ٹھکانوں پہ ہر حیثیت کے لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ یہاں کوئی کسی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا...... لیکن کبھی کبھی اگر پرندوں میں کہیں کوئی مرغِ زریں دکھائی دے جائے تو بے ساختہ نگاہوں کا اُدھر لوٹ جانا ایک قدرتی امر ہے۔ اس وقت یہاں بھی کچھ یونہی صورت حال تھی۔

اس وقت سفیداں بائی کے کوٹھے تلے اُترنے والا بھی لاکھوں میں ایک ہی تھا۔ سرخ بانات کے انگرکھے کے نیچے چست پائجامہ، پاؤں میں لکھنؤ کی مطلا سبک سلیم شاہی...... راج ہنس سے گلے میں کھرے موتیوں کی مالا، چڑھی ہوئی غلافی آنکھوں میں بلا کی تیزی و تمکنت...... ستواں ناک کے نیچے موٹے موٹے سرخ ہونٹوں پہ بچھو کے نیش سی قلابے دار مونچھیں اور چہرے مہرے پہ اقبال مندی کی کھلی ہوئی چاندنی، وہ بندہ تھا یا کوئی راہ بھولا ہوا کوہ قاف کا شہزادہ!

پورے پانچ قدم پہ کھڑا کالے خان، آنکھیں مُنہ خربوزے کے گھاؤ کی مانند کھولے اُسے دیکھتا ہی رہ گیا...... جس طرح گلے میں ریشہ گرنے سے کھرکھری سی لگ جاتی ہے بعینہٖ اس طرح اُس کے دل کے اندر نامعلوم سے خدشات، ریشے کی مانند گرنے لگے تھے اور اک عجیب سی بے کلی، بے چینی دَر آئی تھی۔

یہ تو بازارِ حسن تھا۔ جدھر رذیلوں، شریفوں کا آنا جانا لگا بندھا رہتا ہے۔ جبکہ سفیداں بائی بھی کسی مسجد کے حجرے میں [illegible] رہتی تھی۔ کھلے کھیت دھڑلے سے اپنے چوبارے میں گانے بجانے کا دھندا کرتی تھی، یہ اس کا قماش تھا۔ آنے والا کوئی بھی ہو، اُسے چشم ما روشن [illegible] پڑتا ہے [illegible] بھی درویش اور طوائف کے [illegible] کے لیے کھلے رہتے ہیں کبھی [illegible] نہیں ہوتے۔

درویش و طوائف کے کوائف میں چنداں تفاوت، دَرد و دام کا بھی ہے۔ طوائف اپنے ہاں اُترنے والوں کی جیب میں دام و درہم کی [illegible] ہوتی ہے جبکہ درویش حاضری دینے والوں کے سینوں میں دَرد و دم کی دھانس پہ ناک لگائے ہوتا ہے۔ طوائف کے کوٹھے اور درویش کی کوٹھڑی کے مابین ایک تضاد چڑھتی اُترتی سیڑھیوں اور سہارے لیتے ہوئے قدموں کا بھی ہوتا ہے۔

طوائف کے کوٹھے کی سیڑھیاں باہر سے اُوپر ظاہر کی جانب چڑھتی ہیں جبکہ درویش کی کوٹھڑی کی طرف بڑھنے والے قدم اندر سے نیچے درون خانے کی طرف جاتے ہیں۔

سو درویش اور طوائف کے مابین بھی باہر اندر...... نیچے اُوپر اور دَر و بام۔ دَرد و دَم کا فرق ہوتا ہے۔

وہ نووارد رئیس زادہ نپے تُلے قدموں سے کالے خان کے قریب آیا، چوبارے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں پوچھا۔

”سفیداں بائی کا بالا خانہ یہی ہے......؟“

کالے خان ہونقوں کی طرح بھاڑ سا منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے کھڑا تھا۔ منہ سے تو کچھ نہ پھوٹا، اثبات میں محض کدو سا سر ہلا کر رہ گیا...... رئیس زادے نے چاندی کا کھنکتا ہوا روپے کا سکہ اس کے ٹھیلے پہ دھرا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ جدھر طوائف کے رُوپ میں سفیداں بائی تھی یا پھر سفیداں بیگم کے سروپ میں کوئی طوائف تھی۔ وہ انجان شخص اگر جانتا ہوتا تو اصلی سفیداں اسے نیچے ہی کالے خان کے دروں خانے میں بیٹھی مل جاتی، اوپر بالا خانے میں تو صرف نقلی طوائف تھی۔

نیچے بازار کی رونقیں ابھی اپنے شباب پہ نہیں پہنچی تھیں۔ ابھی تو چلمنوں کی اوٹ، روٹ، مومی چہروں کی کچوری قندیلیں بھی پوری طرح روشن نہیں ہوئی تھیں۔ بائیاں اور نوچیاں ابھی ناز و ادا، بناؤ سنگھار اور [illegible] میں مصروف تھیں۔ خانہ زاد و ملازم پیشہ ابھی پیچوانوں کے نیچے اور چلموں کو تازہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مائیاں و دائیاں گل شدگاری میں مگن تھیں۔ ڈیرہ داریوں نائکوں کی زبانیں اور سروتے ایک ساتھ چل رہے تھے۔ ابھی تو چاندی کی طشتریوں میں نقرئی ورقوں میں لپٹی لونگی ہوئی گلوریوں...... گل شبنم کی [illegible] [illegible]تی...... شاہی قوام اور لکھنؤ کے زردے نے [illegible] ان کو معطر و شاداں کر [illegible] لے خمیرے [illegible]

ارباب نشاط کے ہاں کا سارا کاروبار ہی لَے اور سُر سنگیت کے سم دم پہ موقوف اور چت چاہت، چتر چک، بناوٹ، سجاوٹ، بھیگاوٹ، لگاوٹ کی اونچ نیچ اور کھینچ کھانچ کا ہوتا ہے۔ دن کے اجالے ان کے لیے مکڑی کے جالوں کا جنگل ہوتے ہیں جدھر یہ نحوست و آلکسیت کے زور سے بے صوت پیپے گم صم پڑے رہتے ہیں۔ مگر جونہی سورج کے سہایت کا سنگھاسن ڈولا، ان کی چت چاؤ میں چکا چوندی کھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ خون آشام [illegible] کی طرح یہ دانت کوسنے شروع کر دیتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ طوائف کے بالا خانے پہ چڑھنے والا چڑھتا تو اپنے پیر پاؤں سے ہے...... مگر وہ اُترتا اپنے پاؤں پہ نہیں، اسے اُوپر والے اُٹھا کر نیچے پھینک دیتے ہیں۔

کالے خان بھیدی بھیدی آنکھوں سے رئیس زادے کو پگ پگ اوپر چڑھتے دیکھ رہا تھا اور ادھر نیچے پڑے ہوئے طوطا پری آم اپنی چھیلتی سکڑتی آنکھوں سے کالے خان کو دیکھ رہے تھے...... جنہیں وہ کالے را[illegible] کے آوازے لگا لگا کر فروخت کر رہا تھا۔ دیکھیں تو بھلا جموں کے جامنوں اور اُودھم پور کے طوطا پری

آموں کی آپس میں کیا نسبت؟...... اگر نسبت پہ ہی بات ٹھہرتی تو اس میں اور سفیداں بائی میں کون سی نسبت مشترک تھی؟ نسبت تو شاید بسنت بہار کی پتنگ بازی کی طرح ہوتی ہے، ہر کوئی اپنی اپنی چڑھائے ہوئے ہوتا ہے۔ ڈھیل ڈور اور بازو کے زور کی بات اور شاید مقدر کی اوقات بھی کہ دمڑی دھیلی کے تاوے، اُدھے اور پچھوے بجوے بڑی بڑی نازوں اور داموں والی پریوں پتنگوں کو چشم زدن میں کاٹ کر کانٹوں کے جھاڑ پہ ڈال کر پھیتی پھیتی کر دیتے ہیں۔

بالاخانے پہ تماش بینوں کا چڑھنا اُترنا تو لگا ہی رہتا تھا...... اور یہ چڑھنے والوں کی چال اور اُترنے والوں کا حال دیکھتا رہتا تھا کہ کبھی کوئی ایسی زیر و زبر نہ پڑی تھی، پر آج اسے یہ گلفام صفت تو کوئی گل گرفت سا دکھائی پڑا تھا۔ اس کے اندر کا کوئی جموں را اسے بتا رہا تھا اس کبندے کا اوپر چڑھنا کچھ خالی از علت نہیں...... عاشق، ماں، مسافر، چور اور جیب تراش...... ان کے تو اندر بولتے ہیں یہ کسی کارکرتوت سے پہلے اپنے اندر سے شگون لیتے ہیں اور اندر کھٹ سے ہاں ناں میں فیصلہ دے دیتا ہے...... [illegible] ابھی ادھ پچدا مال بچا پڑا تھا۔ اس [illegible] باوجود اس نے ٹھیلا پیچھے گلی میں بڑھا کر اپنی کوٹھڑی کے آگے لا کر کھڑا [illegible] یا...... کھڑکی کی جانب نظر دوڑائی۔ [illegible] وہ بند تھی۔ [illegible] باہر نکلنے ہی لگا تھا کہ پیچھے [illegible] لعل [illegible] اترتا دکھائی دیا فوراً آگے بڑھ [illegible] پکڑنے لگا۔

"[illegible] جیسے لعل یہ شیرازی کبوتر پہلے تو کبھی اس چھتری پہ اترتا دکھائی نہیں دیا [illegible] تو بھلا کون ہے یہ بے تواب؟"

وہ اپنی عادت کے مطابق [illegible] بولا۔

"پتہ ناہی جموں را کالے...... ہم تو ایسا جانت ہیں کہ جدھر کوئی سُندری کلبوتری غُٹر غُوں غُٹر غُوں کرے گی وہاں کلبوتر تو آوش آویں گے ہی...... گھوڑے کو گھاس سے مطلب ہووے ہے گُلدا اور سے نہیں...... وہ ایسی ہی اینگی بینگی ہانکتا ہوا سنڈ اس میں گھس گیا...... یہ باہر اپنے خالی ٹھیلے پہ پہنچا تو وہاں وہی یکہ کھڑا تھا۔ گھوڑا تو توبڑے میں منہ ماری کر رہا تھا اور وہ مسخرا سا گاڑی بان دانتوں تلے بیڑی دبائے ہلکے ہلکے کش لے رہا تھا...... یہ بھی کوئی ٹوہ سوہ لینے کی خاطر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"بھیا! کچھ جل پان پیش کروں...... ہم سفیداں بائی کے خدمت گار ہیں۔"

وہ چیر ِغفو، اسے دیکھ کر یوں پیچھے ہٹا جیسے یہ انسان نہ ہو کوئی غلیظ سا جانور ہو...... مُنہ سے کوئی شبد تو نہ پھوٹا بس بندر کی طرح غوں غاں، ہاتھ نچاتے ہوئے، پرے یکے سے جا لگا...... یہ حیران ششدر کہ کیسے کھر بندے سے واسطہ پڑا ہے...... کالے خان پھر قریب کھسکتے ہوئے کہنے لگا۔

"بھیا! کیا تکلیف ہے منہ سے تو کچھ پھوٹو؟"

اس کی دوبارہ غوں غاں اور چہرے کے کرب سے یہ سمجھ گیا کہ یہ صرف دماغ کا ہی کھسکا ہوا نہیں…… منہ میں زبان سے بھی کٹا ہوا ہے۔ اس سے مایوس ہو کر وہ پھر اپنے پچھواڑے صحن کی جانب بڑھ آیا' سوچا کہ چلو اوپر جا کے جھانک لیتے ہیں…… وہ دبے پاؤں اُوپر چلا آیا…… ہلکا سا پردہ کھسکا کر بیٹھک میں جھانکا تو وہ نواب زادہ مسند پہ بیٹھا' ریشمی تکیئے سے ٹیک لگائے' پیچوان سے شغل کر رہا تھا…… سامنے آبنوسی فرشی تپائی پہ شراب کی دو بوتلیں' گلاس اور کچھ کھانے ٹونگنے کا سامان دھرا پڑا تھا…… سازندے ساز پہ سُر کر رہے تھے…… اور سُر کی سرکار سفیداں بائی بڑی لگاوٹ اور چاؤ سے اس کے سامنے میٹھی میٹھی نظروں سے اُسے تک رہی تھی…… کالے خان کے تن بدن میں شعلے سے بھڑک اُٹھے…… اُس کی مٹھیاں بھنچ گئیں…… ایک لرزہ سا اس کے وجود پہ طاری ہو گیا…… جسم لرزا پھر جو جھٹکا کھایا تو کمر کا تازہ تازہ بیٹھا ہوا مہرہ' پھر کہیں ادھر اُدھر ہو گیا…… یہ ریت کی دیوار کی طرح' طرح دے کر وہیں ڈھیر ہو گیا…… منہ سے نکلنے والی ہلکی کراہ' بیٹھک میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی سُن لی تھی۔ سفیداں بائی بھی سازندوں کے ساتھ پہنچ آئی…… ڈنڈا ڈولی کر کے نیچے اس کی کوٹھڑی تک پہنچایا…… ڈاکٹر کو بلایا تو اس نے سرسری معائنے کے بعد اسے اسی ہسپتال [illegible] کمرے میں پہنچا دیا…… [illegible] بستر پہ لٹا دیا…… اب یہ سفیداں بائی کو بتاتا کہ سب کچھ کیونکر ہوا…… سفیداں بائی نے اس سے صرف ایک سوال کیا کہ یہاں پردے کے پیچھے کیوں کھڑے تھے اور اپنا کھیلا سرِ شام ہی کیوں بڑھا دیا؟ وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا…… کوئی خاطر خواہ جواب نہ پا کر سفیداں بائی اسے ہسپتال چھوڑ کر واپس لوٹ آئی…… ایک گرہ تھی جو دونوں کے دلوں میں پڑ گئی تھی۔

یہ کشمیرے سنگھ تھا…… سری نگر کے اصیل پیرو خاندان کا چشم و چراغ…… ٹرانسپورٹ کا جدی وِرثہ کاروبار تھا جبکہ ڈل کے گہرے پانیوں پہ گولڈن راج ہنس نام کا ایک تین ستاروں والا ہوٹل اور اس کے علاوہ گل مرگ اور مغل گارڈن میں کچھ لگژری ہٹ بھی تھے۔ جو دراصل اس کی پتنی پریتی سنگھ کو دہیج میں ملے تھے…… پریتی صرف قانونی کاغذوں میں اس کی بیوی تھی…… شادی کے بعد یہ لوگ ہنی مون منانے انگلینڈ چلے گئے۔ وہاں پر گورو جانے کس بات پہ کوئی کھٹ پٹ ہوئی کہ دونوں بغیر کوئی فضیحتہ کھڑا کئے بھلے مانسوں کی طرح علیحدہ ہو گئے…… ان کے مابین زبانی کلامی ایک معاہدہ طے پایا۔ طلاق نہیں ہو گی…… دونوں کو اپنی من مرضی کا جیون گزارنے کا پورا پورا ادھیکار ہو گا…… پریتی نے دہیج میں ملنے والی تمام منقولہ غیر منقولہ جائیداد کشمیرے کے نام

کردی اور صرف یہ شرط رکھی کہ وہ آپس کی علیحدگی کو کبھی کسی پہ ظاہر نہیں کرے گا...... پریتی انگلینڈ جا کر پھر واپس نہ آئی۔ جبکہ کشمیرے واپس کشمیر آ گیا۔ پریتی نے وہاں اپنی پسند کا طرز حیات اختیار کر لیا تھا۔ ماڈلنگ کا شوق تو تھا ہی' مزید تربیت اور تعلیم حاصل کر کے یہی پروفیشن اختیار کرنا اس کا ایک خواب تھا۔ پریتی سے عملی علیحدگی کے بعد کشمیرے تو جیسے بُجھ کر رہ گیا۔ عورت ذات سے اس کا اعتماد اُٹھ چکا تھا۔ اس کے دن رات اب ناؤ نوش میں گزرنے لگے۔ بے تحاشا شراب نوشی نے اس کی صحت برباد کر کے رکھ دی تھی۔ اب وہ اس حد تک آگے بڑھ چکا تھا کہ اپنی کشتی میں شراب کی بوتلیں بھر لیا کرتا ساتھ کسی سُریلی سی مُغنیہ کو بٹھا کر ساری ساری رات ڈل کی وسعتوں اور گہرائیوں میں اپنے درد کا مداوا تلاش کرتا رہتا...... اگلی صبح سویرے سویرے چھوٹی چھوٹی کشتیوں اور مچھووں پہ سوار بچے بوڑھے شراب کی قیمتی خالی بوتلیں تلاش کرتے پھرتے جنہیں کشمیرے خالی کرنے کے بعد دو چار روپوں کے نوٹ اندر ڈال کر ڈل کے پانیوں میں ڈال دیا کرتا۔ اس عجیب سے شغل کے بعد صبح سے پہلے واپسی پہ حضرت بل کی درگاہ پہ سلام کرنا بھی نہ بھولتا...... اچھی شراب' اچھی آواز اور اچھا کلام اُس کی کمزوری بن چکے تھے...... گوجری اور کشمیری ٹپے' بول سرن اور پہاڑی انگ راگ پہ وہ خود کو خوب خراب کرتا رہتا تھا۔ وہ اسی دوران دو تین بار انگلینڈ بھی گیا۔ پریتی سے بھی ملاقات ہوئی مگر وہ اب شاید بہت ہی دور نکل چکی تھی۔ [illegible] زندگی کی بھول گئی کہ اس کا جنم کشمیر میں ہوا تھا۔ وہ سکھ پنتھی ہے' قدیم قدروں کا دلدادہ کوئی پریوار ہے' وہ دھرم کرم سب کچھ فراموش کر کے ایک پتھر سا بن گئی تھی۔ ایسا پتھر جس کا کچھ وزن تو ہوتا ہے لیکن اس کے پاس کوئی حس نہیں ہوتی' جذبات نہیں ہوتے۔ شاید یہ پریتی کا انداز فرار تھا۔

ایک روز بیٹھے بٹھائے نہ جانے جی میں کیا آئی کشمیرے نے شری نگر چھوڑ دیا۔ کاروبار اپنے کارندوں کے سپرد کر کے حیدر آباد چلا آیا۔ یہاں کا پُرلطف ماحول' ادب آداب...... نفاست و شرافت "تکلفات" شعر و ادب' موسیقی میں رچی بسی فضا...... صاف ستھرے سُلجھے ہوئے لوگ اسے اچھے لگے تھے۔ یہاں کے بالاخانوں میں بھی ایک سے ایک گانے بجانے والی اس کے دل بہلاوے کے لئے موجود تھی...... دن مدہوش رہتے اور راتیں پینے پلانے اور سُننے سُنانے میں بسر ہونے لگیں...... اب وہ آہستہ آہستہ یہاں کے انگ رنگ میں رنگا جانے لگا۔ اس کی نشست و برخاست' گفتگو' ادب آداب' وضع قطع لباس دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ مہاشے کوئی کشمیری سکھ ہیں۔

یہیں کہیں ایک نابینا سازندے نے اسے ٹوہ دی کہ آندھرا پردیش کے چتراپارتھی جنگل میں ایک سائیں بابا' جن کی عمر کوئی دو سو برس سے بھی زیادہ ہوگی۔ جنم جنم سے برگد کے ایک درخت پہ ٹنگے ہوئے ہیں۔

ان کا جسم اعضاء بھی درخت کا حصہ بن چکے ہیں...... جسے آپ ٹہنی سمجھ رہے ہوں گے وہ ان کی ٹانگ یا بازو ہوگا' پتے' کوگلیں' کونپلیں ان کی پنڈ' کمر' سر' گردن پہ بھی اُگتے ہیں...... ان کی داڑھی اور سر کی جٹاؤں میں پرندوں نے گھونسلے بنائے ہوئے ہیں اور یہ کہ وہ سائیں بابا وقتِ حاضر کے سب سے بڑے گرو نانک ہیں۔ روگ بدھیا کا حل بدھنا ان کے چرنوں میں ہے۔ وہ جسے بھی اپنے جسم پہ اُگی ہوئے کوگل کھلا دیتے ہیں...... سرسوتی دیوی اس کے گلے میں اپنا استھان ڈال دیتی ہے...... تیرے من کی چنتا اور اندر کی دُکھن کا اُپائے اسی مہان بابا کے درشن اور اُن کے سر کی کوئی کونپل کوگل ہے۔ یہ کوٹھوں' بیٹھکوں مجروں میں گانے والیاں...... آنکھ جھپکے کی چنگاریاں ہیں' پل دو پل چمکی دمکی اور بجھ گئیں۔ تو وہیں جا اور اپنی چنتا کا اُپائے پا......!

کشمیرے کا حیدر آباد میں یہ آخری دن تھا۔ دن رات ایک کر کے وہ بڑے جتنوں سے دُور دراز کے گاؤں چتر اپارتھی پہنچا' رات کا سے تھا تھکا ٹوٹا ایک آشرم میں پڑ گیا۔ دوسرے دن وہ بابا کی تلاش میں نکلا۔ جس سے بھی پوچھتا وہ اسے کوئی جواب دینے کی بجائے گھورتا ہوا اپنا رستہ پکڑتا ہے۔ بڑی مشکل سے ایک سادھو سے پتہ چلا کہ دُور جنگل میں کوئی پرانا پیڑ ہے جدھر [illegible] والیاں جاتی ہیں وہ بابا کا استھان بھی ہے وہاں بھوتوں اور چڑیلوں [illegible] ادھر [illegible] بابا سے اُوپر کھینچ لیتے ہیں اسے چمگادڑ بنا کر اُلٹا لٹکا دیتے ہیں۔

سادھو کے ہاتھ میں کچھ پیسے تھماتے ہوئے اس نے راستے کی ٹوہ لی۔ اپنا [illegible] تھیلا تھاما' سادھو کی باتوں پہ غور کرتا ہوا جنگل کی جانب [illegible]...... غربت و عسرت کی دُھول میں اَٹے ہوئے مفلوک الحال لوگ' چہروں پہ حیرانی اور ویرانی کھنڈی ہوئی...... چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پہ مشتمل بستیاں...... یہاں شاید شودروں کے قبیلے بھیل' میگھواڑے یا باگڑی رہتے تھے۔ حیران نظروں' ویران چہروں اور زندگی کی جھونک' سکت کی بھونک سے بیزار قسم کے کتوں نے اس کا استقبال کیا...... لگتا تھا معاش کی بندشوں' تعلیم سے بیگانگیوں اور موسموں کی سختیوں اور طبقاتی استحصال کی چیرہ دستیوں نے ان انسانوں کو محرومیوں' غربتوں اور رذالتوں کا بُھوت بنا دیا ہوا ہے۔ وہ انہی کے بارے میں سوچتا ہوا جھاڑ جھنکاڑ سے اَٹے پٹے رستوں پہ آگے بڑھ رہا تھا...... ان بھوت نما انسانوں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں اور بھی اب بہت پیچھے رہ گئے تھے...... آگے تاحدِ نظر ویرانے ہی ویرانے...... پھر چھدرا سا جنگل اور پھر صدیوں پرانے کھنڈرات جیسے اک دم پاتال سے اُبھر کر سامنے آ گئے تھے...... کھنڈرات بھی جیسے لدے زمانوں میں مندر' آشرم' بھگتوں کے دھرم شالے یا یوگیوں کی تپسیا کے استھان رہے ہوں۔ بُدھ مت' جین مت' برہمن مت اور شیو مت میں......

سادھو سنت، سوامی، تپ دھاریوں، یوگیوں، راماوتی، وشنو کی تربیت و تپسیا کے لئے، بستیوں شہروں سے دُور، جنگلوں، گپھاؤں، ویرانوں اور پہاڑوں گھاٹیوں میں ایسے ہی دھرم شالے اور آشرم تعمیر کیئے جاتے تھے۔ آج بھی متھرا، ہردوار، بنارس، گیا، پریاگ، کنچن، دھولگری، سرسوتی اور کشمیر میں ایسے آشرم اور دھرم شالے موجود ہیں۔

ہندو فلسفہ چار مقاصدِ حیات قرار دیتا ہے۔

ارتھ (معیشت) کام (جنس) دھرم (مذہب) اور موکش یعنی (نجات) آگے پھر ہندوؤں کے بڑے معتبر دھرم پرچاری فلاسفر منو نے بھی حیاتِ انسانی کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی حدود واضح کر دیں۔

(۱) برہم چریہ آشرم (25 برس تک) (۲) گرہست آشرم (25-50 برس تک)

(۳) بان پرست آشرم (50-75 برس تک) (۴) سنیاس آشرم (75 سے 100 برس تک......!)

اسی فلاسفی کی تربیت اور تکمیل و ترویج کے لئے یہ آشرم بنائے جاتے تھے۔ بدھ مت نے بھی تپسیا اور کار کرم پہ یہ آشرمی تصور ہندو مت سے ہی مستعار لیا۔ آج بھی تبت، سری لنکا اور دیگر ممالک کی دشوار گزار ترائیوں اور [illegible] گھاٹیوں میں لاکھوں لاموں کا موں کے یہ آشرم غاروں، گپھاؤں، ڈھیوں اور بھوتوں کی صورت میں مو[illegible]

یہ جگہ بھی شاید کبھی ایسی ہی کوئی بستی رہی ہو...... بستیاں جب اجڑ جاتی ہیں تو پھر بھوتوں کے بسیرے بن جاتی ہیں۔ وہاں پھر برگد، پیپل اور ببول اگ آتے ہیں۔ بھیڑیے [illegible] آ بسرام کرتے ہیں۔ بیال اور بوم پیدا ہو جاتے ہیں...... بندر بوزنے اپنی دھماچوکڑی اور خوخیانے سے مزید خوف و ہراس کی فضا پیدا کرنے کے لئے کہیں سے ٹپک پڑتے ہیں۔

اب وہ ایسی ویران سی جگہ پہ پہنچ گیا تھا جہاں شاید ہی کوئی ہوشمند انسان آنا پسند کرے۔ اردگرد کے کھنڈرات اور پرتھوی پرتھ سے پتہ چلتا تھا کہ صدیوں پہلے یہاں کیسی دنیا آباد رہی ہوگی۔ ان کے گیان دھرم کی کیسی کیسی نشانیاں موجود تھیں۔ گاؤ ماتا کے ٹوٹے پھوٹے بُت تھے۔ ڈھلوان میں پوکھر جیسی جگہ، پوری کی ڈھی ہوئی منڈیر، مرگھٹ کے چوکے۔ ایک استھان ہوم کرنے کے لئے دکھائی دیا۔ اشنان کے لئے تالاب، بڑے چھوٹے تراشے ہوئے پتھر...... کہیں کہیں سنسکرت میں اشلوک بھی کُھدے ہوئے دکھائی دیئے۔ اب وہ ذرا کی ذرا کی دم سادھنے کے کارن ایک گنڈپ سے پتھر پہ بیٹھ گیا...... پاس ہی پیچھے اپنا کپڑوں کتابوں کا تھیلا بھی رکھ لیا...... سگریٹ سُلگا کر دو چار کش ہی لیئے تھے کہ پیچھے بندروں کے خوخیانے کی آوازیں آئیں...... پلٹ دیکھا

تو ایک مچھندر سا بندر اس کا تھیلا زمین پہ گھسیٹتے لیے جا رہا تھا...... وہ اُٹھا پیچھے بھاگا...... مگر وہ تو یہ جا' وہ جا...... !

بندر تو بلا کا ندیدہ اور بے دیدہ قسم کا اچپل جانور ہے۔ بد قسمتی یا خوش قسمتی کہ پاکستان کے برائے نام جنگلوں میں بندر نہ ہونے کے برابر ہیں...... بندروں کے بارے میں ہماری معلومات محض چڑیا گھر کے دو چار بندروں' گلی محلوں میں مداریوں کی رسیوں میں بندھے پیچھے پیچھے گھسٹتے ہوئے مریل سے بندر نما جانوروں یا پھر کوہمری کی گلیات اور جنگلوں میں رہنے والے کچھ مدقوق اور ڈرپوک قسم کے ممولوں تک محدود ہیں...... موجودہ پاکستانیوں کی نسل نے اصلی اور حقیقی بندر کبھی دیکھے ہی نہیں...... شیر' ہاتھی' گینڈا' حتیٰ کہ سانپ تک سے کہیں نہ کہیں' کبھی نہ کبھی خیر کی اُمید ہو سکتی ہے...... مگر بندر (خواہ وہ کیسا ہی مریل اور بے ضرر دکھائی پڑے) سے امید وفا یا اُمید حیاء رکھنا سراسر حماقت اور بیوقوفی ہے...... خدا کسی بندے کا پالا کبھی بندر سے نہ پڑوائے۔ یہ جان مصیبت میں ڈال دیتے ہیں۔

کچھ ملکوں میں تو ان کی پوجا ہوتی ہے۔ ہنومان جی کے مندر ہیں...... انہیں دودھ' مٹھائیاں' میٹھی روٹیاں اور طرح طرح کی پھل پھول پیش کیے جاتے ہیں...... انہیں نمسکار کیا جاتا ہے...... ناز اُٹھائے جاتے ہیں...... یہاں تک کہ یہ شریر خوبصورت ناریوں کو دیکھ کر ایسی شرمناک حرکتیں کر گزرتے ہیں کہ مارے حیاء کے [illegible] ہنومان جی کی بے حیائی پر بھی دودھ ملائی جان کر پی جاتی ہیں...... اور خوش ہوتی ہیں کہ ہنومان جی نے ان کی سُندرتا اور جوانی کو سویکار کر لیا ہے۔

برسبیل تذکرہ یونہی یاد پڑا کہ مجھے کئی بار پریاگ مہاکمبھ کے میلے میں شامل ہونے کا موقع ملا۔ یہ اجتماع بھی دنیا کے معدودے چند بڑے میلوں میں سے ایک ہے...... یہ میلہ محض ایک مذہبی میلہ ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کہیں ایک ثقافتی' تفریحی' علامتی میلہ بھی ہے۔ یہاں علوم جدید و قدیم' یوگا' جادوگری' شعبدہ بازی' نظر بندی کے بڑے بڑے ماہرین اور کاریگر اکٹھے ہوتے ہیں۔ کئی دنوں پہ پھیلے ہوئے اس میلے میں نہ تو یاترا کی تھکتا ہے اور نہ ہی مایوس یا بور ہوتا ہے۔ لکھو کھہا انسان...... دُنیا کے کونے کونے سے جمع ہوتے ہیں۔ ہر قبیل' وضع قطع کا بندہ۔ بڑے بڑے مہان جوگی' رشی' منی' سوامی...... تپ دھاریے سادھو' سنت اور گیانی دھیانی...... ان کے علاوہ بیراگی' نجومی' جوتشی' جادوگر...... پھر اور سنگتراش' چترکار' نٹ کھیلنے' رنگ دھاریے' بہروپ بھرنے والے...... ان کے ساتھ چور' اُچکے' اُٹھائی گیرے' گھسیے مار...... برصغیر کے دیگر ثقافتی اور مذہبی میلوں کی طرح یہاں بھی بڑے پیمانے پہ شراب نوشی' قمار بازی اور منشیات کا استعمال ہوتا ہے۔ بردہ فروشی

اپنے عروج اور جسم فروشی اپنی انتہا پہ ہوتی ہے...... ملک بھر کی طوائفیں' ویشائیں' کنجنیاں یہاں دادِ عیش وصول کرتی ہیں...... خاص طور پہ حکیموں' ویدوں' سنیاسیوں کی بڑی چاندی ہوتی ہے...... جگہ جگہ آپ کو انسانی اکٹھ نظر آئیں گے۔ سینکڑوں انسان حلقے میں کھڑے ہوتے ہیں' درمیان میں ایک جٹ دھاریا سنیاسی...... بڑے بڑے دیومالائی کہانیاں قصے سُنا رہا ہوگا...... ایسے ایسے دلچسپ اور سنسنی خیز قصے سچی جھوٹی کہانیاں اور ایسی خوب لفاظی' چرب زبانی کہ سُننے والا مُنہ دیکھتا رہ جائے...... مجمع جما کر لوگوں کی طبیعت پہ چھا کر' ماحول بنا کر پھر یہ (میری طرح) اپنی کتھا درمیان میں ہی بند کر دیتے ہیں اور اپنے تریاق' کشتے بھسم وغیرہ بیچنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ دھوکہ باز اپنے فن میں ایسے طاق' کہ اُپلوں کی راکھ کو سوالاکھ میں بیچ دیں...... کئی پنڈالوں' مجمعوں میں آپ کی آنکھوں کے سامنے کشتے بھسم اور دیگر دوائیں بھی تیار ہوتی ہیں۔ لوگ آنکھیں پھاڑے سانس روکے ان سنیاسیوں کے شعبدے دیکھتے ہیں۔ کہیں زندہ کالے ناگوں کے مُنہ سے منکا اور پھر اس کے دانتوں سے مہلک زہر مُنہ سے چوس کر باہر نکالا جا رہا ہے۔ اسے کچا کچ چبایا جا رہا ہے۔ حلق میں داخل کر کے ناک یا کان سے باہر کھینچا جا رہا ہے...... زہریلے سانپوں سے زبان پہ ڈسوایا جا رہا ہے۔ ترشول' پیٹ کے آر پار ہو رہا ہے۔ آگ کے شعلوں سے اشنان ہو رہا ہے۔ انگاروں اور نوکیلی میخوں پہ دھونیاں لی جا رہی ہیں...... ایک [illegible] اُٹھایا جا رہا ہے۔ ایک بچے [illegible] اکڑوں بیٹھا ہیں کلو جلیبیوں [illegible] دانت اور آنت تیز کر رہا ہے۔ کالے ناگ' اُلّو' کالے مرغے' جنگلی سور' کالے بکرے' ریچھ' گھڑیال وغیرہ کے تماشے ہو رہے ہیں۔ ایک جگہ ایک کالی چڑیل سی عورت کو گدی کے بالوں سے باندھ کر ایک درخت سے لٹکایا ہوا ہے...... کہ [illegible] ہوا ہے۔ ایک لڑکی کا سر تالو مونڈھ کر اُوپر ایک جہازی سائز کا اُلّو بٹھایا ہوا ہے...... کہیں گردن تک ایک جن جیسے منش کو زمین میں گاڑا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں کانوں سے خون رس رہا ہے۔ ایک جگہ ایک سادھو اپنے الف ننگے پنڈے پہ ہزاروں بچھوؤں کو چمٹائے پڑا ہوا ہے اور انہی بچھوؤں کو پکڑ پکڑ مزے سے کھا رہا ہے۔ ایک پیالے میں خون بھرا پڑا ہے' وقفہ وقفہ اس کا گھونٹ بھی لے لیتا ہے...... یہیں میں نے سو سو سالہ یوگی' جٹ دھاریے سنیاسی بابے دیکھے۔ جن کی سخت لمبی تپسیا سے ان کے جسم سوکھ کر کاٹھ بن چکے تھے۔ سر کی جٹیں' جاوا کے جنگلوں کی طرح جکڑی جڑی ہوئیں اور حشرات الخبائث سے بھری ہوئیں۔ کئی کئی فٹ لمبے' مینڈھے کے سینگوں کی مانند مڑے' بل کھائے ہوئے مکروہ ناخن' چمگادڑوں کی طرح اُلٹے لٹکے ہوئے سادھو...... اور کئی کئی دن حبسِ دم کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیشہ ور شعبدہ باز۔

ہندومت کے حوالے سے انعقاد پذیر ہونے والے اس کثیر المشاغل اور وسیع المقاصد میلے میں میری

دلچسپی محض یہی گوناگوں سرگرمیاں۔ مختلف نوع کے علوم و فنون کا مطالعہ...... حیاتیاتی، انسانی مافوق الفطرتی اور مابعد فوق الفکری شعبدہ بازیوں کا مشاہدہ اور معدوم سے معلوم کی کھوج تک محدود تھی...... لاکھوں کے مجمع میں کسے فکر کون ہندو ہے کون سکھ یا مسلمان...... دھیان، گیان، مراقبہ، محاسبہ، تزکیۂ نفس، ریاضت مجاہدت وغیرہ کو ہندو، بدھ مت اور جین مت کے علاوہ اسلام میں بھی کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ بلکہ دُنیا کے تمام مذاہب میں یہی بنیادی اساس ہیں، ان ہی سے انسانی سائیکی کے چھپے گوشوں، جسمانی، وجدانی، قلبی، ذہنی، دماغی اور رُوحانی صلاحیتوں، جستوں کو نمایاں کرنے میں خاطر خواہ مدد ملتی ہے۔

ہندو مت کے سارے فلسفے کا بھوت ہی تصوراتی دیوتاؤں، دیویوں، موسموں، اچھے بُرے پرندوں، چوپایوں، حشرات الارض، شگن شگون، جنتروں منتروں، تنتروں اور محیر العقول توہمات کے مُنہ زور سانڈ کے اُڑتے سینگوں پہ چڑھا نظر آتا ہے...... بایں ہمہ فنونِ لطیفہ کی تر و تازگی اور تائید و ترویج میں رسم و روایات کی ہمہ ہمیاں، نرت، سنگیت، ناٹک، سوانگ، میلے ٹھیلے، رنگ برنگے تہواروں کی دلچسپیاں...... رہن سہن کی آزادی فرد کے علاوہ سوچ [illegible] کی وسیع المشربی نے ہندو مت [illegible] کر دی ہیں۔ اس پہ مستزاد [illegible] شعبدہ بازی [illegible] خوارق العادات و معجزات تماشا گیروں کی بنا پہ [illegible] اسے تقویت نصیب ہوئی...... جبکہ یوگا اور سنیاس کے مخصوص آسنوں...... دھیان گیان کی پُرکشش مشقوں اور دیومالائی داستانوں نے اسے مزید خوشگوار بنا دیا...... نمائش جسم و جنس کی آزادی بھی سونے پہ سہاگہ ٹھہری۔ مزید برآں ہندوستانی ادب ہو یا فلم، مصوری ہو یا سنگ تراشی، [illegible] لباس و پوشاک...... گیت ہو یا رقص، کتاب، شراب، [illegible]...... سب اسی لئے خاص و عام میں پسندیدہ اور دلنشیں ٹھہرتے ہیں کہ ان میں بے محابا حسن و جمال کے عنصر کو نمایاں دکھایا جاتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ علم کی جستجو...... ایک ضرورت مند کی طرح ہوتی ہے۔ جو اپنے مطلب کی چیز خریدنے کے لئے دوکان پہ جاتا ہے...... چہ جائیکہ وہ دوکان کسی ناپسندیدہ شخص کی ہو...... مطلب تو اپنی ضرورت کی چیز سے ہوتا ہے، قیمت ادا کی وہ چیز اُٹھائی اور چلے آئے...... میں بھی کچھ یوں ہی سا دیوانہ کہ نگر نگر، ڈگر ڈگر کچھ حاصل کرنے، سمجھنے، دیکھنے جاننے کی کھوج میں رہتا۔ نہفتہ خفتہ علوم کی چھان پھٹک میں بلا تخصیص و تمیز اور [illegible] تاخیر ہر اس جگہ پہنچ جاتا جہاں تک میرے وسائل کی رسائی ہو۔

● بندرا بن کا بندرا رام......!

اس مہاکمبھ کے میلے میں اتفاق سے میری رسائی ایک بندروں والے قلندر (بہ معنی مداری) ہوگئی...... یعنی قلندر اور بندر کے درمیان میں 'میں' ایک پھندر پھنس گیا...... نام اس کا بندرا رام تھا...... میرے اپنے اندازے کے مطابق اس نے تمام عمر اپنے سڑے بھنے جسم پہ بوسیدہ لنگوٹ کے سوا اور کچھ نہ پہنا تھا...... اس کا سارا جسم' موسموں کی شدت سے جھلسا اور بندروں ایسے بھورے بھورے چھدرے بالوں سے ڈھول اٹا ہوا تھا...... بندروں میں رہتے ہوئے اس کا چہرہ مہرہ بھی قریب قریب ہنومان سا ہو گیا تھا...... بس فرق صرف دُم' لنگوم اور منہ میں زبان کا تھا...... اور زبان بھی ایسی چربیلی اور رسیلی کہ سینکڑوں کا مجمع اس نے اپنی لوتری زبان کے ذریعے سے اپنے گرداگرد اکٹھا کر رکھا تھا...... میں خود چربیلے رس بھرے گوشت اور چربیلی زبان لچھے دار گفتگو کرنے والے' مجمع بازوں' شعبدوں گروں' خطیبوں' رنگ بازوں اور [illegible] بازوں کو بہت پسند کرتا ہوں...... دُنبے کے چربیلے گوشت کی بوٹی' سیخ تکے کی صورت یا عربی افغانی پلاؤ میں مجھے کسی شکل میں سامنے آئے...... حلیم میں ادرک کی ہوائیوں کی اوٹ میں کہیں چھپی ہو یا جیسے آبادی بھاتی [illegible] پکوانوں پہ بھاری قاب [illegible] ہوتی ہے۔ ان مجمع بازوں کی چرب زبانی......؟ تو اسے یوں سمجھئے کہ اگر چربیلی بوٹی زبان کا چٹخارہ ہوتی ہے تو ان کی چرب زبانی کان کا لگارہ ہوتی ہے...... طوطا مینا' سکندر ذوالقرنین' داستانِ امیر حمزہ' قصہ چہار درویش' ہزار داستان' الف لیلیٰ' امیر علی ٹھگ وغیرہ...... چربیلی زبان والا اپنی داستان گوئی کے ایسے ایسے کمال دکھا رہا ہوتا ہے کہ ارد گرد پہروں سے اپنے پیروں کی مٹی پہ بے سکت و حرکت...... دُنیا و مافیہا اور کھیسے نیفے سے بے خبر اس کی چربیلی گفتگو کے سحر میں جکڑے کھڑے ہوتے ہیں۔

میں بھی ادھر اُدھر "دھکم گھسی" کرتا ہوا اس بندر والے کے مجمع میں بندر گھسی کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا...... اس باکمال اور بندر کمال شخص نے مجھ ایسے ازلی تھڑدے کو چند منٹوں میں چکنا کر دیا۔ ہر چند کہ میں محض یہ دیکھنے کے لئے رُکا تھا...... کہ ادھر کیا ہو رہا ہے؟ بھوک سے بُرا حال تھا...... چند ثانیے تانک جھانک کر پھر سیدھے کسی ڈھابے پہ پیٹ پوجا کا ارادہ تھا...... پر اس بندر والے کے خلیئے چرب زبانی اور مجمع کے درمیان چند عجیب و غریب قسم کے بندر نما جانوروں نے دوسرے لوگوں کی مانند مجھے بھی باندھ لیا تھا...... یہ مجمع باز ملی جُلی ہندی' متروک سنسکرت بھاشا میں محوِ کلام' کسی قدیم سی دیومالائی کتھا کے نقطہ عروج پہ تھا۔ جس کے اہم کردار بندر تھے...... اُٹھے ہوئے مریل بازوؤں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی' بندروں کی مانند وحشی ہوئی چھوٹی

آنکھوں سے وحشت وخباثت کے شرارے پھوٹ رہے تھے۔ بڑے بڑے کانوں کی لٹکی ہوئی لوئیں پھڑک رہی تھیں اور موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں پہ پھیلے ہوئے معدوم سے ناک سے یوں سیٹیاں سی نکل رہی تھیں جیسے کسی ربڑ کی گڑیا کی ناف والی سیٹی اس کی ناک میں پھنسی پڑی ہو...... اس کے مکروہ جسم پہ بھورے بالوں کا ایک ایسا جنگل تھا جیسے خباثت اور نحوست کے آتشیں جکڑوں' شیطانی شرشرار کے شعلوں نے آگ دکھادی ہو۔ کچھ جل گیا اور کچھ بچ گیا ہو...... لنگوٹ بھی بس یہی کچھ کہ وہ اپنی حدود میں محدود تھا۔ کپڑے کی ایک تند تار نیچے سے ہوتی ہوئی پیچھے چٹیل سے چوتڑوں کے درمیان کہیں پہنچ کر گم سی ہوگئی تھی۔ اس کی فروتنی اور کسرنفسی کا یہ عالم دیکھ کر جی چاہا کہ آگے ہاتھ جوڑ کر کہوں۔ بابا! یہ تکلف بھی اُتار دو' یا پھر ان دیوث ضرورت سے زیادہ بالغ بندروں کا بھی کوئی انتظام کرو۔ جو سرِعام بیچ کھیت ایسی حرکتیں کر رہے ہیں کہ ان کی حرکتوں کو دیکھتے ہوئے بے شرم کسی کا کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ تو آسانی ہوئی کہ اس کی شُدھ ہندی سنسکرت بھاشا بھی بندروں کی ان قبیح حرکتوں سے ہی پلّے پڑ رہی تھی...... کیونکہ وہ للّو جگندر جو کچھ کہتا' بندر اس کی من وعن تمثیلی اور عملی تعبیر پیش کرنے لگتا...... بندروں کا ایسا کمال اس سے پہلے کبھی دیکھا نہ سُنا ان کا کمال نقالی تو خیر ان پہ ختم ہے۔ مگر یہاں بندروں میں وہ بات بھی دیکھی جو بندروں میں نہیں ہوتی۔ آپ کسی بندر سے سرِعام کوئی شرمناک حرکت [illegible] بندر آپ کی بات نہیں مانے گا۔ مگر یہاں بندر اس کے حکم کے مطابق ہر بُری حرکت کر رہے تھے۔

دراصل میں یہاں اس وقت پہنچا تھا جب وہ سڑیل سادھو اپنی ساری کہانی قریب قریب سُنا چکا تھا اب وہ بندروں کی جنسی طاقت کے مظاہرے دکھا کر اپنے اصل مقصد یعنی مردانہ طاقت بڑھانے کے کُشتے فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اچانک اچک کر اپنی گودڑی اُٹھائی۔ اس میں سے ایک ریشا نکالا۔ پھر زمین پہ پڑے ہوئے پانی کے ایک کٹورے میں ڈال کر کہنے لگا۔

”اس خالی ریشے کے بیچ ہنومان جی کی سری کی پشتی شکتی ہے' یہ شکتی یہ پراکرم حاصل کرنے کے لئے مجھے بڑے بڑے جوکھم جھیلنے پڑتے ہیں۔ اس کے لئے مجھے ایک ایسے ہی بانر (بندر) کی کھوج کرنا پڑتی ہے جو اس سمے آپ دیکھ رہے ہیں...... پرنتو' دیکھئے میں اس پانی کو جس میں ابھی ابھی بانر کی پراکرم والا ریشا ڈالا ہے...... اس بانر کو پلاتا ہوں۔“...... یہ کہہ کر اس نے پانی اسی منحوس بندر کو پلا دیا۔ پانی پینے کی دیر تھی بندر نے آنکھیں بند کر لیں اور چت لیٹ گیا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ خراٹے لینے لگا جیسے وہ گہری نیند میں چلا گیا ہو۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس مکّار نے ایک بھرپور سی انگڑائی توڑی...... پھر پورا جبڑا حلقوں تک کھول کر کھی کھی کھا کرنے لگا۔ بلا کی پھرتیلی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود آئی تھی۔ اب وہ ڈنڈ پیلنے لگا' جیسے اکھاڑے میں

پہلوان سردائی پی کر جھوم جھوم، مستی کے عالم میں کسرت کرتے ہیں۔ ہلکی سی ورزش کے بعد ایکدم جھٹکے سے لپک کر اُس نے پاس پڑی ہوئی غریب سی بندریا کو دبوچ لیا...... پھر......؟

میں دیکھ رہا تھا مچھندر کو نہیں بندر کو، جو سرِ عام کام شاستر کا عملی مظاہرہ کر کے تماشائیوں سے داد وصول کر چکا تھا اور تماشائی، سادھو سے کام شکتی کی دوا حاصل کر کے اپنے تئیں شکتی مان بن چکے تھے۔

میلے ٹھیلوں میں خاص طور پہ زمنشوں کے لئے زیادہ تر یہی سوغاتیں ہوتی ہیں۔ تبت ہمالیہ کے برفانی ریچھوں کے کولہوں کی چربی...... چترال کے کالے پہاڑوں کی خالص سلاجیت۔ راجستھانی صحرائی اونٹوں کے گردوں کی نازی۔ موتھے سانڈوں کی پشت کا تیل...... افریقی بن مانس کی صُلب کا سنہری روغن۔ روسی چڑیوں اور کاغانی کنجشک کا دماغ، سندر بن کے شیر کی میانی۔ الماس، کاگا باسی موتی، سنگِ ابری، مروارید اور مرجان، قلعی کے کشتے، جسم...... کستوری، مشک، زن جوت و شرف، زعفران و زرد روغن کی معجونیں، وغیرہ...... مگر سرِ عام عملی مظاہرے کی اک جھلک آج پہلی بار دیکھی تھی۔

مجمع تو ویسے کا ویسے ہی جما رہا...... لیکن میں باہر نکل آیا۔ کیونکہ یہ سب کچھ میرا دیکھا بھالا تھا۔ نئی بات تو بندر اور بندریا والی بھی نہیں تھی اور نہ ہی تماشا دیکھنے والے اور شکتی والے منجن خریدنے والوں کی، جو مردانہ شکتی میں اس بندر جیسے بننا چاہتے ہوں گے [illegible] ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکے تھے...... دو چار کوئی ذرا سخت قسم کی شکتی حاصل کرنے والے اب بھی سادھو کے [illegible] تھے۔ میں بھی ذرا پرے اس کھیل کا "دی اینڈ" دیکھنے کے لئے کھڑا تھا...... سینما ہال میں بھی میں اس وقت اپنی سیٹ چھوڑتا جب سب جلد باز نکل چکے ہوتے اور فلم آپریٹر تالا لگا کر نیچے اتر آتا۔ اپنی عادت کے مطابق میں سادھو پہ نظریں اُٹھائے کھڑا تھا۔ وہ اپنا جھولا پٹارا اور بازوؤں کی جوڑی لئے میرے پاس کے جھاڑ تلے آ براجمان ہوا...... پہلا کام جو اس نے کیا جھولے سے جلیبیوں کا دونا نکال کر بازوؤں کے آگے رکھا۔ پھر گڑگڑی نکالی، تمباکو بھر کے چلم سلگائی، دو چار بھرپور قسم کے کش لگانے کے بعد وہ قریب کھڑے ہوئے ان دو تین منشوں سے مخاطب ہوا جو شاید کچھ پرائیویٹ قسم کی کوئی بات کرنا چاہتے تھے۔ میں ایک دو قدم مزید آگے بڑھ آیا...... سادھو بابا نے اُن منشوں کو جلد ہی فارغ کر دیا۔ اب سادھو نے چھوٹی چھوٹی متجسس آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ وہ مجھے بھی شاید شکتی کی دوا کا کوئی طلبگار سمجھ رہا تھا...... پوچھنے لگا۔

"کیا روگ ہے بچہ......؟" (جبکہ میں اُس کے بچّے کا بھی باپ تھا)

اچانک میرے مُنہ سے نکل گیا۔

"مجھے کھوجنے اور بوجھنے کا روگ ہے۔"

وہ پیرِ فرتوت شاید میری بات صحیح سے سُن نہیں پایا تھا بولا۔

”بچہ! میرے پاس کسی کھاج کھڑاج کا دارو نہیں...... مرے شکتی پُرش ہمت کا تریاق ہے۔ کھاج کھڑاج کا لیپا ہوتا تو پہلے اپنے بانڑے کو دیتا ہر کھت کھاجتا رہت ہے۔“

”مہاراج! میں نے کھاج کھجلی کی بات نہیں کی‘ کھوج کھبت کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے بندروں سے بڑی دلچسپی ہے‘ بندر تو بہت سے دیکھے...... مگر ایسا قد وکاٹھ اور چمکارو والا بندر میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔“

سادھو نے اسی بندر کے جلیبی والے دُونے سے جلیبی کا ایک ٹکڑا اُٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔

”لو پہلے ہنومان جی کا پرشاد چکھ لو۔“

میں نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے چھما کریں میں مٹھائی نہیں کھاتا مجھے شوگر ہے...... مجھے اس بانڑ کی بابت بتائیں......؟“

سادھو نے میرے انکار پہ وہ جلیبی اپنے مُنہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

”[illegible] جلیبی کی مٹھائی تو مُٹھ‘ مُٹھ اور مٹھ سے جنم لینے والی دُرگھناؤں سے [illegible] کی رکھشا کرتی ہے۔“ وہ جلیبی کا ایک ٹکڑا بندر کے مُنہ میں ڈالتے ہوئے مجھے بتانے لگا۔

”[illegible] پوچھو! بانڑوں کی بابت کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“

”مہاراج! بندر کو دیکھ کر کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے اندر کوئی مَنش چھپا بیٹھا ہے اور مَنش کو دیکھ کر بھی یہی احساس ہوتا ہے کہ اس کے اندر بھی کہیں نہ کہیں کوئی چھوٹا یا بڑا بندر چھپا لُکا بیٹھا ہوتا ہے...... بعض لوگوں کی حرکتیں عادتیں بندروں جیسی ہوتی ہیں جبکہ بندروں میں بھی بہت کچھ بندوں جیسا ہوتا ہے...... کہیں یہ دونوں آپس میں رشتہ دار تو نہیں ہیں؟“

اس سے پیشتر کہ وہ کوئی جواب دیتا...... اسی بندر نے پیچھے کھڑے ہو کر خوخو کرتے ہوئے میرے سر کے بالوں کو بکھیرنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ جوئیں تلاش کرنا چاہ رہا ہو...... سادھو نے ایک بھیانک سا قہقہہ لگا کر بندر کو کھینچتے ہوئے کہا۔

”تم نے ٹھیک سمجھا ہے‘ بندر بچپن کی طرح ہوتا ہے جو ہر مَنش میں چھپا ہوتا ہے...... اور مَنش گھر گرہستی کی مانند ہوتا ہے جو ہر بانڑ کے بھیتر موجود ہوتا ہے۔“

میں نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایک اور سوال چھوڑ دیا۔

”مہاراج! یہ جو ہنومان جی کی پُوجا ہوتی ہے...... بانڑوں کو جو عزت احترام دیا جاتا ہے...... طرح

طرح کے پھل مٹھائیاں پکوان پیش کیے جاتے ہیں...... کیا یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا چاہیے......؟''

وہ درشتگی سے گھورتے ہوئے بولا۔

''بانر ہمارے لیے دیوتا سمان ہیں، یہ ہنومان جی کے کٹم قبیلے سے ہیں...... ان کی پوجا اور اجت کرنا ہمارے دھرم کے دھرو ہیں......''

اب میں بولا۔ ''لیکن ان کی حرکتیں اور عادتیں بھی تو دیوتاؤں سی ہونی چاہئیں...... یہ تو اپنی حرکتوں سے ناک میں دم اور عادتوں سے انسان کو شرمندہ کر دیتے ہیں۔ دیوتاؤں کو تو بڑا اُجلا کومل...... کاج کرم بھی پوِتر ہونے چاہئیں۔''

مجھے حیرانی ہوئی کہ سادھو نے میری باتوں کا برا ماننے کی بجائے مجھے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تم سچ کہت ہو بچہ!...... اپنی اپنی سمجھ ہے۔ جو رشی بدھ بھی بندر میں سمایا وہی تم نے اُگل دیا...... پرنتو یہ بھی جانو کہ دیوتا اور منش میں بڑا بھید اوٹ ہے۔ ایسا ہی بھید اوٹ جناور اور منش میں ہوتا ہے۔''

وہ شاید مجھے ٹالنا چاہ رہا تھا...... میں ایک سوال پھر پوچھ بیٹھا۔

''مہاراج! آپ نے اپنی دوا اس بندر کو کھلائی اور [illegible] بیٹھے ہیں جو کچھ بندر نے [illegible] اور وہ بھی سب کے سامنے [illegible] کیا......''

''[illegible]!...... سب جناور بلی، کتا، کبوتر، گائے، بھینس، گھوڑا، گدھے اسی طرح بھوگ کرتے ہیں اور انہیں سب دیکھتے ہیں۔ [illegible] کام شاستر یہی ہے۔ جو اس میں لاج شرم کرتے ہیں وہ پچھتاتے ہیں...... تم نے اجنتا اور ایلورا کی غاریں گپھائیں تو دیکھی ہوں گی نہیں دیکھیں تو ضرور دیکھو...... کام سوترا کی سکھشا اوش ہے اور بانر اس معاملے میں مہا گرو ہے......''

اچانک وہی بانر گھوم کر میرے سامنے آ بیٹھا اور انتہائی بے دیدگی سے وہی قبیح حرکت کرنے لگا جو اکثر بندر کرتے رہتے ہیں...... اور میں اوبتا کر اُٹھ آیا۔

بات بندر سے بندھی تھی کہ کشمیرے سنگھ کا سفری تھیلا بندر اُچک کر لے گیا تھا...... وہ آگے آگے غوں غیاں کرتا ہوا اچھلتا کودتا پھلانگتا ہوا تھیلا گھسیٹتے ہوئے جا رہا تھا اور یہ بدحواس سا پیچھے پیچھے لپکتا ہوا بھاگم بھاگ ہو رہا تھا۔ مگر کہاں ہنومان جی مہاراج اور کہاں صرف ایک ٹکے کا سکھ...... وہ بھاگتے الانگتے کافی آگے تک نکل آیا تھا۔ آخر ایک کچی پکی سی جگہ پہ وہ ڈھے سا گیا۔ سامنے چھدرا جنگل تھا یا درختوں کا ذخیرہ...... یہ بندر ادھر ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ تھیلے میں اخبار رسالے، پرچی کے خطوط تصویریں ضروری کاغذات، ٹوتھ پیسٹ، برش...... اور

بھی بہت کچھ کہ جو سفر میں لازم ہوتا ہے...... ایک فالتو کپڑوں کا جوڑا بھی تھا۔ اس وقت اُسے سگریٹ کی بے پناہ طلب محسوس ہو رہی تھی' غصے سے ہانپتا کانپتا وہ اپنے زانو پہ مکے برسانے لگا...... اردگرد نگاہ دوڑائی' تاحدِ نگاہ تک کہیں کوئی بندہ پرندہ نظر نہیں آیا' یوں دکھائی دیتا تھا کہ واقعی یہ جگہ بھوت پریت کا استھان ہے۔ عجیب سی نحوست' خاموشی اور بے رونقی...... کہ اِنسان تو کیا اِدھر تو کوئی اُلو بھی آنا پسند نہ کرے۔

دم دُرست کر کے وہ اُٹھا اور جنگل کی جانب چل دیا۔ شاید وہ لاشعوری طور پہ حوائج ضروریہ کے لئے اِدھر نکل آیا تھا۔ چھدرا کٹا پھٹا سا جنگل' درخت کم اور جھاڑ جھنکاڑ زیادہ...... اور آگے بڑھا تو دُور اسے ایک بڑا جوہڑ دکھائی دیا...... جس کے اردگرد بڑے بڑے درخت تھے اور ایک بڑا سا ہموار میدان...... یہاں آثار ایسے دکھائی دیے کہ جیسے اِدھر بے شمار لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہو۔ عارضی قیام کے لئے ہموار کی گئی زمین۔ کھانے پکانے کے لئے بنے ہوئے پتھروں کے چولہے...... بیل گاڑیوں کے ٹھہرانے کی جگہ وغیرہ وغیرہ...... اسی سوچنے اور دیکھنے بھالنے میں وہ بھول ہی گیا کہ اسے ایک لچھندر سا بندر زادِ راہ سے محروم کر گیا ہے۔ اسے پیاس سی محسوس ہوئی۔ پانی' بیئر کی بوتل بھی تھیلے میں تھی...... اسی پریشانی میں چلتا چلتا جوہڑ کے کنارے تک پہنچ گیا کہ شاید یہاں کچھ پیاس بجھانے کا انتظام ہو جائے...... مگر [illegible] اور بدبودار [illegible] والا جوہڑ تھا۔ [illegible] بندروں [illegible]...... [illegible] دوسرے کنارے پہ ایک بہت ہی چھتنار برگد دکھائی دیا۔

برگد کے درخت کی اپنی ایک الگ ہی شان' شخصیت اور وقار ہوتا ہے۔ [illegible] درخت ہے مگر مشاہدہ بتاتا ہے کہ یہ دُنیا دار دُنیا اور دین [illegible] درخت ہوتا ہے [illegible] درویش...... خویش' ہمیش اور بابا ریش درخت...... یہ گیانی' یہ دھیانی...... فلسفی اور یہ تپسوی...... برگد سایہ دیتا تو ضرور ہے مگر اپنے زیرِ سایہ کسی کو پنپنے نہیں دیتا کہ جو پنپا وہ گھسکا۔

گھیرے سے گھوم ایک لمبا چکر چل کر اس چھتنار برگد کے قریب پہنچ گیا...... بدبو اور سڑاند نے اس کے دماغ کو اچک لیا۔ برگد کے نیچے چمگادڑوں کی بیٹھیں' منہ اُگلے اور بندروں کی غلاظت کے ڈھیر...... بھیگی سڑی ہوئی گھاس...... اُوپر جو نگاہ اُٹھی تو اُس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... سینکڑوں ہزاروں لٹکی ہوئی چمگادڑیں...... اُن کے سُرخ سُرخ منہ' آنکھیں...... نیم کُھلے ہوئے پَر پنکھے...... جیسے جہنم کے کسی عقوبت خانے میں ناآسودہ خبیث روحوں کو اُلٹا لٹکا دیا گیا ہو۔

ابھی اس مہیب مکروہ نظارے سے اس کی نظر نہیں ہٹی تھی کہ اچانک وہی تھیلے والا بندر...... چھلاوے کی طرح کہیں سے ظاہر ہوا...... اور چیخ چیخ کر آسمان سر پہ اُٹھا لیا...... بس یہیں پھر کوئی نس کُھلی کہ جدھر نگاہ

جائے بندر ہی بندر...... لمبی لمبی دُموں والے لنگور' سفید اور سیاہ چہروں والے ننھے ننھے بندر چھاتیوں کے ساتھ چمٹے ہوئے چلبلے چلبیدے بچے۔ تھیلا بھول اُسے اپنی پڑ گئی کہ یہ تو اس کے تن کے کپڑے تک اُتار لے جاویں گے۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ وہ اسے پکڑ کر کہیں قید کر دیں یا اس چھتنار برگد والے بابے کے پاس لے جا کر اپنے سا بندر بنوا دیں۔ وہ اسی شش و پنج میں پھنسا سوچ رہا تھا کیا کرے' کیا نہ کرے کہ ایک موٹا سا گوگل پٹاک کر کے اس کے سر پر پڑا' دو تین چار پڑے پھر بارش میں اولوں کی طرح یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ جیسے ہنومان کی فوج اُسے راون سمجھ کر چاند ماری کر رہی ہو۔ سُرخ سیندوری گوگل گرنیڈوں کی مانند اُس کے سر جسم سے ٹکرا کر پھٹ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ لیسدار سُرخ بیجوں کی غلاظت سے متھ کر رہ گیا...... جو ہونا تھا ہو چکا کپڑے بُری طرح لتھڑے گئے۔ ناک مُنہ ماتھا بے پہچان ہو کر رہ گئے۔ جہاں ناس وہاں ستیاناس بلکہ ساڑھے ستیاناس' وہ ہر اندیشہ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر برگد کے ہیبت ناک تنے کے سہارے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا کہ اب جو ہو سو ہو...... چادر اور کُرتا اُتار کر ننگے پنڈے یوں پڑ گیا جیسے بندروں کو دعوت دے رہا ہو کہ بھائی لوگو خوب اپنے دل کی حسرت نکال لو...... کہو تو نیچے سے پاجامہ بھی نکال دوں...... جب ایک آنکھ سے نکل جائے تو دوجی آنکھ میں شرم کا کیا کام...... چاند ماری میں اور شدت آ گئی...... اُوپر نیچے دائیں بائیں آمنے سامنے بندر ہی بندر تھے۔

اچا[illegible] جو اس کا تھیلا اُٹھا کر بھاگا تھا...... اب بھی وہ چیخ چیخ کر دوسرے بندروں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ اس سے ظاہر تھا یہ اُن کا سردار بندر ہے...... سامنے شاید بندروں کا ہراول دستہ تھا۔ جوان جوان ایک سے قد کاٹھ' چاک و چوبند اور بلا کے تربیت یافتہ کہ تاک تاک کر اس کے سینے کے اُبھاروں پہ گوگلوں کی گولیاں برسا رہے تھے...... کیا مجال جو دائیں بائیں شانوں' نیچے پسلیوں یا ناف کی گُمدی پہ کوئی ضرب و حرب آئے یا گردن چہرے پہ گوگل گال لگے...... کشمیرے بڑا پریشان کہ عجب سے بدذوقیے بندر ہیں۔ کچھ دیر یہ تماشا دیکھنے کے بعد پھر جانے جی میں کیا سمائی کہ کھڑے ہو کر آزار بند ڈھیلا کیا اور پاجامہ نیچے سرکا دیا یعنی کچھل بیریوں سے نجات حاصل کرنے کا پرانا حربہ برتنا چاہا۔ اب وہ چاروں شانے الف لٹا' برگد کے نیچے کھڑا تھا۔ لنگ لُکانے کے لئے نام نہاد انگور کا پتا یا ہاتھ' ہتھیلی کی تھگلی تک کا تکلف نہ تھا۔

میرا تجربہ بتاتا ہے کہ شرارت' فحش لطیفہ' گندی گالی' ہڑ حرامی یا بے حیائی بے غیرتی کو صرف ہلکی سی شیرے والی اُنگلی لگانے کی دیر ہوتی ہے پھر چل سو چل والا سلسلہ چل نکلتا ہے اور آدمی اندر باہر سے ایسا ننگا تنگا ہو جاتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔

کشمیرے سنگھ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا...... بندروں کی جگہ اگر دس بندے بدمعاش بھی ہوتے تو یہ اُن سے جیت سکتا تھا...... مگر کیا کیجیے کہ دس بدمعاش ایک بندر سے عاجز آ جاتے ہیں...... اب کوئی دیکھا کرے کہ شکر دوپہر بیچ ویرانے بیابانے 'بھوت پریت کے بسیرے' بابا برگد کے ڈیرے...... کشمیرے سنگھ ننگا کھڑا ہے اور بندر اس کی بھد اُڑا رہے ہیں۔ اب بندروں نے اپنا چاند ماری کا ہدف بدل دیا تھا...... سینے چھاتی سے ہو کر نیچے ترائی میں اب ترائی کر رہے تھے...... یہ نئی صورت حال اس کے لئے خاصی پریشان کن تھی...... اور کچھ نہ سوجھا تو وہ منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا...... یہ کیا ہُوا؟...... ایک دم خاموشی...... گوگلوں کی چاند ماری 'غوغو' غوغو...... دھما چوکڑی جیسے کچھ تھا ہی نہیں...... ایسی خاموشی اور سوکت کہ اسے اپنے دل کے دھڑکنے کی دھم دھم تک سنائی دینے لگی...... وہ پریشان سا ہو کر کنکھیوں سے اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگا...... بندر غائب تھے۔ ہلکا سا سر اٹھا اوپر جھانکا...... وہاں بھی سارے ڈال ڈولے خالی...... وہ سوچنے لگا کرتار! یہ سارے کرتوتیے کہاں غائب ہو گئے؟...... پھر خیال آیا کہ اس کی یہ الف لام ننگے ہونے کی ترکیب کام کر گئی ہے سارے لونڈے اپنی عزت بچا کر بھاگ گئے...... وہ اپنی فتحمندی سے خوش ہو کر پاجامہ اُٹھانے کے لئے جھکا...... اوپر سے کوئی چھوڑا اس کے جھکنے پہ آن گرا...... شاید اس چھلاوے کا نشانہ خطا ہوا...... پاجامہ اٹھانے کی [illegible] جنگ میں کچھ محنت [illegible] اس کی نظر اپنی پیچھے پیچھے لونڈوں کی قطار پہ پڑی تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی...... جدھر کہیں راہ ملی منہ اٹھا کر بگٹٹ بھاگا۔ پیچھے پیچھے وہ اور آگے آگے یہ...... مزید کچھ بتانے کی ضرورت نہیں کہ کشمیرے کے ساتھ کیا بیتی۔

آگے وہی چھوٹی سی بستی تھی۔ جب وہاں کے لوگوں نے اُسے دیوانہ وار برہنہ حالت میں اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو اُنہوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو جھونپڑوں میں دھکیل دیا...... بستی کے چند ایک سیانوں نے اس کی بھٹکی ہوئی حالت پہ ترس کھا کر اسے جل پان کرایا' تن ڈھانپنے کو کپڑے دے کر وہاں سے چلتا کیا۔

دراصل کشمیرے سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے بندروں کے لئے کسی پھل مٹھائی وغیرہ کا بندوبست نہیں کیا تھا...... بلکہ ر بندر اس کا تھیلا بھی مٹھائی اور کچھ کھانے پینے کی جستجو میں اٹھا کر لے گیا...... مگر اس تھیلے میں تو چند کپڑے' کتابیں اور سگریٹ وغیرہ تھے۔ جو اس نے برگد بابا کے پاس رکھ دیے تھے۔

پھر ایک وقت بعد جب سفیداں بائی کسی موسیقی کے پروگرام کے سلسلے میں ادھر آئی تو برگد والا بابا کے چرنوں میں بھی حاضری کے لئے پہنچی...... بابا نے اُسے کشمیرے کا تھیلا اور کپڑے دیے اور تاکید کی کہ

کشمیرے کو تلاش کر کے اس کی چیزیں اُس کے حوالے کرے' اور بابا کا آشیرواد بھی دے۔

کشمیرے کے سامان میں اس کی ایک دو تصویریں اور چند ذاتی خطوط بھی تھے۔ یہیں سے اس کا پتہ حاصل کر کے سفیداں بائی نے کشمیرے کو یکے بعد دیگرے دو تین خط بھی لکھوائے...... مگر اس کی جانب سے کوئی جواب نہ ملا...... کشمیرے تو آوارہ بادل کی طرح کبھی اِس نگر کبھی اُس ڈگر...... اس واقعہ کے اڑھائی تین برس بعد ان خطوط میں سے صرف ایک خط کسی طرح کشمیرے تک پہنچ پایا...... ظاہر ہے کہ کشمیرے نے اپنی کتابوں ڈائری اور تصویروں کے لئے سفیداں بائی سے رابطہ کرنا ضروری سمجھا...... ویسے بھی وہ سفیداں بائی کے فن' اُس کی شہرت شخصیت سے خاصا متاثر تھا...... لیکن دُو بدو ملنے یا سامنے بیٹھ سننے کا ابھی تک کوئی موقعہ میسّر نہیں آیا تھا...... امرتسر لکھے گئے کسی خط کا جب کوئی جواب نہ ملا تو وہ اس سے ملنے خود نکل آیا۔

- جموں میں سمیا جھول......!

جموں میں امیروں کبیروں کے علاقے میں اس کی پشتینی جائیداد میں ایک پرانی حویلی موجود تھی...... جہاں موسم سرما [illegible] ملازم [illegible] موجود ہے...... شری نگر سے جموں پہنچا تو یہاں کے موسم نے اسے گدگدا کر رکھ دیا...... جی میں ٹھانی کہ اب جموں میں جم کر رہیں گے...... اُس نے ملازموں کو حویلی کی صفائی ستھرائی کا کہہ دیا۔ فالتو سامان اور گودام کو ہٹوایا...... رنگ روغن مرمت کے علاوہ نیا فرنیچر' غالیچے قالین...... مہینے بھر میں پرانی حویلی ایک خوبصورت آرام دہ اور دلنشیں قیام گاہ کا منظر پیش کرنے لگی...... مرمت و تزئین کے دوران اس نے ایک آدھ بار نہائیت خاموشی سے بغیر سامنے آئے ہوئے اس بازار کا چکر بھی لگا لیا۔ وقت بے وقت پہنچ کر سفیداں بائی کے چوبارے کو بھی اُچٹتی سی نظر سے دیکھ لیا تھا...... وہ اپنی طبع فطرت کے بالکل خلاف بڑے صبر اور تحمل سے اس مبارک گھڑی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ اپنی من چاہی تیاری اور شوقِ فراواں کے ساتھ سفیداں بائی کو اپنی آمد کی اطلاع دے گا۔ وہ دراصل اسے ایک بڑا سرپرائز دینا چاہ رہا تھا۔

- کشمیرے ڈلگیرے' پُرجمالے' اُسیرے......!

وہ ایک پڑھا لکھا' فنون لطیفہ اور سیر و سیاحت سے دلچسپی رکھنے والا امیر کبیر خاندانی آدمی تھا۔ جوانی

کی دھوپ ابھی اس کے آنگن سے پوری طرح نہیں ہٹی تھی اور نہ ہی ابھی سر پہ چاندی کا کوئی تاک تار پڑا تھا۔ اس کے سُلجھے ہوئے ذوق و شوق، حسنِ جمال کی فراوانی، مطالعے و مشاہدے کی عادت اور رقص و موسیقی سے رغبت نے اسے اپنے حلقۂ قرابت کی ہر دو جنس میں مقبول و منظور بنا دیا ہوا تھا۔ صنفِ نازک کے بارے میں بھی وہ جڑے لیے دیے خیالات رکھتا تھا۔ عورت اس کے نزدیک محض دل بہلاوا یا کوئی دل لگی کی جنس نہیں تھی اور نہ ہی وقتی دل بستگی یا عیش عیاشی کا کوئی سامان...... وہ تو پڑھے لکھے مہذب انسانوں کی طرح اس کی توقیر و تعظیم کا قائل تھا اور اسے کائنات کا حُسن، زندگی کا رنگ اور خوشیوں، مسرتوں کی ترنگ کا محور سمجھتا تھا۔ گو اس کی پہلی بیوی پریتی سنگھ، جو فیشن، آزادی اور شخصی بے راہروی کی دلدادہ تھی، جس پہ بُری طرح مغربی رنگ چڑھا ہوا تھا بد قسمتی سے یا اسے اپنے رنگ ڈھنگ میں نہ ڈھال سکا۔ بالآخر یہ قیمتی اور شاندار شادی، بڑی بدمزگی کا شکار ہو کر خاصی اذیت ناک علیحدگی پہ منتج ہوئی۔ اس بہیمانہ تجربے کے بعد بھی صنفِ نازک کے بارے میں اس کے خیالات و جذبات میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی پیدا نہ ہوئی بلکہ پریتی سنگھ...... یعنی عورت کے اس روپ و رنگ کو بھی اس نے پہلے سے دلبرانہ اور طالبعلمانہ انداز سے ہی سٹڈی کیا تھا۔ اس کی آوارگی، موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی...... شراب شباب سے شغف اور زندگی کے معاملات میں غیر ذمہ دارانہ رویے [illegible] شاید اسی سانحے کے ردِ عمل [illegible] کر شاید اپنے اکلاپے [illegible] بے آب و گیاہ صحرا میں کسی زود رس پرور نخل کی جستجو میں رہتا تھا۔ موسیقی کی [illegible] دھنوں، الاپوں، مُرکیوں، زمزموں میں اسے شاید تپتے سکون کی سند [illegible] ملتی تھی...... اور اسی طرح انگور کی بیٹی بھی شاید اسے خود فراموشی کی فراہمی میں مدد دیتی اور کسی شکوہ شکایت کی شکن پیدا [illegible] ہونے دیتی تھی...... جبکہ غیر شعوری طور پہ وہ حوّا کی بیٹیوں میں کسی دخترِ نیک اختر کو کھوجتا رہتا جو عورت کے متعلق اس کے حُسنِ ظن کو قائم رکھ سکے...... مگر وہ جو سیانے کہہ گئے۔ عورت کے سر پہ جتنے بال، اتنے ہی اس کے چلتر...... مگر وہ شاید اس کامنی وامنی بامنی کو کھوجتا رہتا تھا کہ جس کی بابت یہ بھی کہا گیا ہے کہ جیسی پنی ناری ویسے ہی گن ساری...... یا پھر جتنے سٹے اس کے انگ، اتنے ہی کھلیں اس کے رنگ...... بس ایسی انگی رنگی اور گن ساری ناری اس کی کھوج تھی۔ اب اس کوچے میں پہنچنا بھی اس کی اک موج تھی۔

کھوج کھیلے، لگن لگاوٹ اور خبطے خلل والا اگر ہاتھی کی تلاش میں ہو تو حفظِ ماتقدم کے طور پہ وہ چیونٹیا کے بل میں بھی جھانکنے کو بے وقوفی نہیں گردانتا۔ سفیداں بائی تک رسائی بھی اس کی ایسی ہی خبطی خبطی تھی۔ اپنا بندروں والے سامان کا تھیلا لینا تو بس اک مُجتت وسیلہ بن گیا تھا۔ اس تھیلے میں تھا ہی کیا؟ اس کی

بے سمت' بے مہار اور بے قاعدہ زندگی کے قریب قریب پچھلے دس برسوں کا نچوڑ...... مختلف ڈائریوں کے اُجلے اوراق پہ سرطان کے کسی مریض کی قے کے چھینٹوں کی مانند داغ دھبے...... اسے خدشہ تھا کہ کہیں یہ سب کچھ سفیداں بائی کی نگاہ میں نہ آ گیا ہو۔ پرانی نئی چند تصویریں...... پریتی سنگھ کے ساتھ...... گزرے وقتوں کے دو تین پرنٹ...... کالج کے وقتوں کی' کلاس فیلوز کے ساتھ کچھ پوز' کچھ پرانے خط بس ایسا ہی الم غلم...... جو بھی تھا' اس کو دیکھ پھٹک کر کوئی بھی انسان' صاحب سامان کی حیثیت' شخصیت کا کچھ نہ کچھ اندازہ پہ تو لگا ہی لیتا ہے...... بس یہی کچھ جھنجھٹ تھا۔ گرو جانے' سفیداں بائی نے اس کے بارے میں کیا کچھ گمان کر لیا ہو۔

حویلی کی صفائی ستھرائی اور نئے سرے سے سجاوٹ بناوٹ میں کئی دن لگ گئے تھے۔ اس دوران وہ خود کو بھی "آمادۂ ملاقات" کرتا رہا...... اک عجیب سی جھجک اس کے اندر سے سر اُٹھا رہی تھی...... کسی بھی چیز کا شوق جب حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ چیز ایک ان دیکھے سپنوں کی سی شکلیں اختیار کرنا شروع کر دیتی ہے...... کبھی کسی رنگ میں کبھی کسی روپ میں...... بھلی بھی اور ڈراؤنی بھی' شوقِ وصال بھی اُبھرتا ہے اور فرقت و فراق کے مزے بھی لوٹے جاتے ہیں۔ خوف و حجاب کی سرسراہٹ بھی سنسنی سی پیدا کر دیتی ہے...... ارمانوں کی لویں سلگ اُٹھتی ہیں...... [illegible] لگتے ہیں۔

دل و دماغ کی عجب و غریب حالتیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ اچھا خاصا سنجیدہ آدمی گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔

یہی کچھ صورتحال کشمیرے کے ساتھ بھی تھی۔ ایک ایک چیز کی الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ کشمیرے تو وہ کشمیرے رہا ہی نہیں تھا۔ سفیداں' سفیداں کرتے کرتے وہ عقل و مت سے بھی سفید ہو گیا تھا...... یہاں وہ کھڑی ہوگی' یہاں بیٹھی ہوگی۔ ادھر دیکھ رہی ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ ہر روز کوٹھے پار جانے کا یارا کرتا مگر ہر مرتبہ وہ کہیں نہ کہیں اٹک جاتا...... یہ دن شُبھ نہیں' ابھی ٹھیک نہیں' موسم گدرا لے تو پھر بہتر ہوگا۔ جوہی کے شگوفے نسرت پکڑ لیں تو تب۔ پورنماشی کی شب چلیں گے...... غرضیکہ کوئی نہ کوئی بہانہ حجت پیدا کر کے وہ دنوں کو ٹالتا رہا۔ جس طرح ہوشیار دوکاندار مصنوعی قلت پیدا کر کے تیز بازاری پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح معصوم سے عاشق معشوق بھی مزہ لینے کی خاطر' مصنوعی ہجر و فراق کی کیفیت پیدا کر لیتے ہیں۔ مصنوعی ناراضی' شکوے گلے' لڑائی جھگڑا' جھوٹ موٹ کی بیماری آزاری وغیرہ وغیرہ...... مگر تا بکے ٹالم ٹال بھی ایک دن ٹل جاتی ہے اور فتنے ہو کر ہی رہتے ہیں۔

آخر ایک سہانی سی شام وہ سفیداں بائی کے "آستانے" پہنچ ہی گیا۔ کوٹھے اور کوتوالی آنے جانے

کے لئے پیشگی اطلاع کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جن کے ہاں کج اعمالی اور خوش حالی ہو وہ بلا کھٹکے دونوں جگہوں پہ آ جا سکتے ہیں۔ ویسے بھی اگر سفیدہ اس بائی کے ہاں پہنچنے کے لئے پیشگی اطلاع کی پابندی ہوتی تو وہ درخورِ اعتنا نہ گردانتا۔ وہ بن بتائے اچانک سامنے پہنچ کر اسے متحیر کر دینا چاہتا تھا...... جبکہ صرف تھیلے کے حوالے سے ایسی بن دیکھے کی آشنائی میں کسی خوش گمانی کی کوئی گنجائش نہیں تھی یا شاید وہ لگے بندھے وقت سے پہلے وہاں پہنچ کر اسے اس کے روزمرہ کے روپ میں دیکھنا چاہ رہا ہو یا وہ اس ظاہری باطنی شخصی خدوخال کی اپنے انداز میں پرکھ کرنا چاہتا ہو...... محرومیاں، بربادیاں...... پیار، انتظار...... صبر اور جبر، پھر مجبوریاں اور معذوریاں بھی انسان کو کتنا بردبار بنا دیتی ہیں۔ اس کی نظر میں کتنی گہرائی اور تجربے میں کیسی گیرائی پیدا کر دیتی ہیں کہ اس میں اپنی ذات کے سمٹنے، سکڑنے، پھیلنے بکھرنے کے قرینے آ جاتے ہیں۔ جسے لے کر اپنی چیخوں کو چپ چاپ چبانے کا حوصلہ اور ولولہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اپنے اندر کے داغوں کو چراغوں کی مانند اجالنے کے ڈھنگ آ جاتے ہیں۔ دستکاری کی کاریگری کی طرح آتے جاتے سانسوں میں سرگم کی سی آروہی امروہی الاپنے کا گن گنگنانا آتا ہے۔ خوب کسی نے کہا ہے

عالم ذات میں درویش بنا دیتا ہے
عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا

سفیدہ اس بائی کی بارگاہ، جوالہ نگاہ، ساز و آواز کی سرگاہ پہنچنے کے لئے بسر و چشم سادہ روی تو نہ تھا البتہ اس نے ایک رئیس زادے کے طور یہاں پہنچنا قرین مصلحت جانا۔

اس دورِ زمانے میں روسا، نوابین، امرا و وزرا، ایسے ہی کر و فر، طمطراق اور ٹھاٹ باٹ سے شعر و سخن، رقص و موسیقی کے جلسوں، محفلوں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ان کے قیمتی ملبوس، شالے دوشالے، زری کامدار ٹوپی، ہاتھ کی جڑاؤ چھڑی...... گلے کی موتی مالا، منقش پاپوش، پینس، یکے، ٹم ٹم بگھی، گھوڑے، گاڑی بان کا رعب داب، کھڑی گچھے دار مونچھیں، ریشمی رنگین لباس، سنہری پٹکا...... آگے پیچھے کے طرح دار چوب دار، مصاحب خانہ زاد...... روپوں، اشرفیوں اور چہرہ مہروں کی اطلس و دیبا کی بنی ہوئی طلائی، نقرئی کامدار تھیلیاں...... جن کے منہ کی ڈوریوں کے سروں پہ نیچے موتیوں کے گچھے بندھے ہوتے...... ان ظاہری لوازمات سے ان کے مقام و مراتب کی جانچ ہوتی اور اسی تناسب و تسلی سے ان کی نشست اور خاطر و مدارات کا اہتمام ہوتا...... اسی لئے ان اچھے وقتوں میں سفلے، کم سواد اور بے حیثیتے ان چیدہ جگہوں...... اعلیٰ پائے کی طوائفوں اور گانے والیوں کی قربت کا تصور بھی نہیں کر پاتے تھے۔

کشمیرے سنگھ ایسے شمشاد قامت خوبرو گٹھے ٹھسارے، تنومند و توانا کا طرحدار گبھرو۔ جب بازار میں داخل ہوا تو دیکھنے والے دیکھا کیے...... جس طنطنے اور پُروقار انداز میں وہ یکے سے اُترا اور پھر جیسے تُلے تُلے قدموں سے اُوپر سیڑھیاں چڑھا...... ایسے لگا کہ جیسے اس کا ہر قدم دیکھنے والوں کے سینے پہ پڑا ہو۔

اُدھر سفیداں بائی اپنے معمول کے مطابق بڑے کمرے میں اپنی مخصوص نشست پہ بیٹھی کنچن سے اپنے بالوں میں گُلِ تسبیح کے کھلے زخموں کی مانند پھول گندھوا رہی تھی۔ مالا پھل درخت کے اس پھول کا بھی جواب نہیں۔ موگرے کی کلیوں جیسے بھینی بھینی خوشبو والے گُلِ شبنم کے شاخچوں کی جلو میں پڑے یوں دکھائی دیتے ہیں کہ جیسے زمردیں غبار میں دمکتے ہوئے سپید کاگا ماسی موتیوں کی اوس میں لعلِ بدخشاں دھرے ہوں۔ مالا پھل کے قیمتی درخت...... ہردوار، شملہ، متھرا، ہانسی پور، گلمرگ، آگرہ، جموں اور شاہدرہ دہلی میں کبھی دیکھے تھے۔ پاکستان میں حیدرآباد، ایبٹ آباد، مظفرآباد، شمالی علاقہ جات کی کچھ جگہوں پہ نظر آئے۔ جناح گارڈن لاہور میں بھی موجود ہیں۔

سفیداں بائی کی مہکتی عنبریں دراز زلفوں میں یہ کھلے ہوئے زخم بھی عجیب بہار دکھاتے تھے۔ کھلی ہوئی شہابی رنگت...... جسے وادی کی صحت بیز رتوں نے خوب نکھار دیا تھا۔ غزالوں کی سی وحشت بھری کجرائی آنکھیں...... [illegible] ہوئے لب، سپید ہموار دندان موتی ایسے کہ اگر کسی سرپھرے جوہری کو دکھا دیے جاویں تو وہ صرف ان کی آب و تاب ہی دوبارہ دیکھنے کے لیے اپنا دوالا پٹوا دے۔

گول کمرے کے صدر دروازے سے دھیان ہٹائے آئینہ روبرو کیے وہ کنچن کے ہاتھوں اُترے ہوئے پھول شگوفوں کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی کہ تلسیا منحلیرا باہر منڈیر سے ہانپتا کانپتا اندر داخل ہوا...... ہاتھ جوڑے نمسکار کرتے ہوئے، آنکھ دبا کر اشارے سے کسی بڑی آسامی کے آنے کی خبر دی...... اس بدھے سمے کون آنا والا آ ٹپکا...... اس کے مختصر سے ماتھے پہ لمبی چوڑی شکنیں اُبھر آئیں...... وہ اوبدا کر پوچھ بیٹھی۔

"تلسی رام! کسے اوپر چڑھا لایا ہے تو اتنی سویرے سویرے؟ ابھی تو رات کا نشہ بھی نہیں ٹوٹا......؟"

وہ تیوری ڈالے سوچنے لگی...... کون ہو سکتا ہے؟...... ابھی تو جھاڑ فانوسوں کے گل بھی تھمائے نہ تھے...... پیچوانوں کی چلمیں، پچھواڑے اُلٹی پڑی تھیں...... آدھے بادھے سازندے البتہ بیٹھے سازوں کے تیور درست کر رہے تھے۔ جس میں خاصا سمے برباد ہوتا ہے۔

بُدھی والے لوگ کہتے ہیں۔ ساز' سنگھار' ملازم' پالتو جانور' ہتھیار' بیوی اور تعلقات...... اگر انہیں بروقت سُر میں نہ کیا جائے تو بدیر نتیجہ خاطر خواہ برآمد نہیں ہوتا...... بائیوں' مجرائیوں' گانے بجانے والیوں کے ہاں...... تعلیم و ریاضت اور سُر سمت کے سمے کا بہت دھیان رکھا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوتا ہے کہ محفل جمع کرنے سے پہلے تمام انتظامات تسلی آمیز کر لینا۔ سازوں کو سُر کرنا...... نشست کے تمام لوازمات' مثلاً پان' پیچوان' خوردونوش کا سامان...... بخورات' سہرے' گجرے' خوشبویات...... جھاڑ فانوس...... شمعیں قندیلیں...... دریچوں' کھڑکیوں' محرابوں جھروکوں کے چکن پردے...... موتی چلمنیں' خس ٹٹیاں' جالیاں غالیچے' فرشی غالیچے' قالین چاندنیاں...... تکیئے' پر بھروے' ٹیکے والے...... غرضیکہ ایک ایک چیز کے معیار اور سجاوٹ کا جائزہ لینا ہوتا ہے امیر کبیر تماشبین چونکہ بڑے نفاست پسند اور نازک مزاج ہوتے۔ اس لئے بڑی بڑی [illegible] کی ڈیرہ داریاں...... گانے والی اور مجرا کرنے والی سمجھدار طوائفیں اپنے سُر سمت کے سمے پہ خاصا دھیان دیتیں۔ بلکہ بعض قدیمی طوائفوں کے خاص خاص گھرانے اپنے اسی سُر سمت کے سمے پہ خصوصی توجہ اور اہتمام [illegible] انتظامات کے حوالے کی بنا پہ خاصی شہرت رکھتے تھے...... انہوں نے اپنے سنہری دور میں بڑی شہرت عزت اور دولت کمائی...... خاص طور پہ دہلی' آگرہ' لکھنؤ' [illegible] آباد' [illegible] لاہور اور کلکتہ [illegible] بڑی بڑی [illegible] [illegible] پور' جودھ پور بھی مشہور تھے...... مگر یہاں وہ مولوی مدن کی سی بات نہیں تھی۔

● سُندر روپ درشن......

سفیداں بائی نے کلیوں پھولوں کے تھال کو سامنے سے ہٹاتے ہوئے دائیں شانے کے تیور سے نگاہ موڑ کر دیکھا...... وہ بیچ چوکھٹ ایک مجسمے کی مانند یوں استادہ تھا جیسے کسی ماہر مجسمہ ساز نے رعنائی و دلربائی سے بھرپور مردانہ وجاہت و جمال کا ایک مکمل پیکر تراش کر صرف سفیداں بائی سے دادِ ہنر و کمال پانے کے لئے یہ مجسمہ تخلیق کیا ہو۔ سفیداں بائی کی پہلی ہی نگاہ نے تھیلے کے حوالے سے دیر سے پہنچنے والے اور بازار و کاروبار کے حساب سے وقت سے پہلے آنے والے اس البیلے مہمان کو خود سے ہی پہچان لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تعجب کی جگہ اشتیاق اور پیشانی پہ شکنوں کی بجائے شکایت کی ہلکی سی تراوٹ در آئی تھی۔ اس کے کسی گمان میں بھی نہیں تھا کہ یوں اچانچک' بھولے بسرے تھیلے والا کشمیرے سنگھ اک حسین خیال کی مانند سامنے آ جائے گا۔ ہونٹوں کے عنابی شگوفے ہلکے سے تھرتھرا اٹھے' وہ مبہوت سی تکتی رہ گئی بولائی سی کنچن نے شاید

کسی کیفیت میں اس کے شانے پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا...... گلِ شبنم کی چنچل جھاڑ پنچھی کی مانند جھکولا لے کر اس کا بازو حرکت میں آیا اور موی ہاتھ کے اشارے سے کنچن کو وہاں سے نکلنے کا اذن دیتے ہوئے وہ یوں اٹھی جیسے کسی کافوری شمع کا بڑھا ہوا گل کتر دیا ہو۔ وہ لچکتی ہوئی لپٹ کی طرح سر بالیں تک ہُو اٹھی تھی...... ایسے میں سرشام' جنت نظیر کشمیر کی بالائیوں سے وادی کی اترائیوں تک مست مست مٹک مٹک اترنے والی پولی پولی کُنلی کُنلی پروائی' اُسے کشمیرے سنگھ کے بدن سے اٹھتی ہوئی چاہت کی خوشبو کا پتہ دے چکی تھی...... معاً ایک ملائم سی تمیز کے تکلف میں رچی بسی آواز اُبھری۔

"آداب عرض ہے میں شاید بے وقت اور بغیر اطلاع کے حاضر ہُوا ہوں...... مگر ابھی تک آپ کی چوکھٹ نہیں اُلانگی...... اجازت ہو تو اندر آ جاؤں......؟"

اُسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آیا اور ایسی شستہ زبان اور پاکیزہ لہجہ...... وہ انبساط سے لہرا سی گئی...... کھڑی کھڑی کمر کو خفیف سا جھکولا دیتے ہوئے گویا ہوئی۔

"شکر ہے آپ آئے تو' شری کشمیرے سنگھ جی! پدھاریئے' تشریف لائیں۔ بندی تسلیمات بجا لاتی ہے۔"

وہ آگے بڑھ کر سواگت کرتے ہوئے بولی۔

"بہت راہ دکھائی آپ نے......!" اسے اپنی دائیں جانب ایک مُطلّی توشک پہ بٹھاتے ہوئے انار کی کلی کی طرح چٹخی۔

"آنکھیں پتھرا گئیں [illegible] لگی [illegible] کچھ سمجھانے...... توبہ توبہ! آپ کی بے نیازی اور کج ادائی......" وہ شاید اپنی طبع طبیعت کے برعکس کچھ زیادہ ہی چہک اٹھی تھی۔

کشمیرے سنگھ اس سمے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا لاڈلا بیٹا دلیپ سنگھ ہی تو لگ رہا تھا...... پتلی پتلی ریشمی مونچھوں تلے نرم باریک انگارہ سے دہکتے ہوئے سُرخ ہونٹ...... مضبوط مردانہ دہانہ' آنکھوں میں دیدورس کی مستی دَری ہوئی...... بڑی لگاوٹ سے سفیداں بائی کی چلبلی ترنم ریز چہل سے محظوظ ہو رہا تھا...... سوچنے لگا یہی وہ سفیداں بائی ہے جس سے ملنے کے لئے وہ کیسے کیسے بے تاب رہا...... کتنے لمبے انتظار کا کشٹ کھینچا...... جس کی گائیکی اور مدھر آواز کے فسوں نے اسے دیوانہ بنائے رکھا...... جس سے ایک تعلقِ خاطر نے اس کی پارہ صفت طبیعت میں اک ٹھہراؤ پیدا کر دیا تھا...... یہی تو وہ تھی جس کے تصور اور مترنم تکلم نے اس کے صنفِ نازک کے بارے میں ٹوٹ کر بکھرے ہوئے اعتماد کو ایک بار پھر استحکام کی دولت سے مالا مال کیا تھا...... اور پھر روگی پھیکی لاحاصل زندگی میں قدرے قرینہ اور بے رونق شب و روز میں کچھ مصروفیت نکل آئی تھی۔

وہ اس ٹک ٹک دیدی سے قدرے جھینپتے ہوئے بولی۔

"ہائے اللہ! ایسے بھی کیا سینگ نکل آئے میرے ماتھے پہ کہ مہاشے دیکھے ہی جا رہے ہیں۔"

وہ بن آنکھ جھپکے اسی طور بولا۔

"اپنا اور تیرا نصیب دیکھ رہا ہوں۔"

وہ اس کے تُرت جواب کے جوبن کا مزہ لیتے ہوئے بولی۔

"مہاراج! کہاں آفتاب کی کرن اور کہاں اک حقیر ذرۂ خاک۔۔۔۔ ایسے بے میل نصیبے، سُرے ساز و آواز کی طرح ہوتے ہیں۔۔۔۔ اک شعر آپ کی نذر ہے۔

اکثر یہی ہوتا ہے کہ محبت کی طلب میں
دل ملتے ہیں آپس میں ستارے نہیں ملتے

شعر پڑھتے ہوئے اچانک اُسے ایک ایسا ہی زبردستی کے ستارے اور نصیبے ملانے والا سنتوک سنگھ یاد وہ بھی اسی کی طرح دل پھینک سکھ تھا' اس کی بھی بیوی موجود تھی لیکن وہ ابھی کچا بچہ تھا ٹھیٹ اور تھا' زردی کی بچی' تلخ مگر تیکھی شراب کی طرح جھکیلی [illegible] کی طرح صاف [illegible] وصل اور [illegible]

"[illegible] کا سنتوکا۔۔۔۔" اس کے اندر جیسے سنتوک نام کے کل کھڑکے شروع ہو گئے' دیپتے کی چتون جس نے اس کے سازوں میں دم توڑا تھا۔ بدوبدی نصیبے جوڑنے کا انجام ایسا ہی نکلتا ہے۔۔۔۔ پھر ان گلی کوچوں اور بازاروں پہ جو بازار سجتا ہے وہ نصیبوں کی جڑوائی۔۔۔۔ تو تو یہاں تو نصیبوں کی تڑوائی' گھسائی' ہوتی ہے۔ یہاں بیٹھنے والی بھلاؤں' ویشیاؤں' کنچنیوں کے نصیبے شاید کسی آسمانی لوح پہ نہیں لکھے جاتے۔ ان کی ڈیرہ دارنیوں' ماؤں' خالاؤں کی خاندانی پوتھیوں میں رقم ہوتے ہیں۔۔۔۔ کسی روشنائی سے نہیں کے آبِ زر سے۔"

سوچ اور خیال بھی شاید مُرغِ زریں کی مانند وہ خوشنما پرندے ہوتے ہیں۔۔۔۔ نرم نرم ملائم نظر نواز رنگوں بے ترتیب قوسِ قزح۔۔۔۔ انسان جب ان برق پرواز پرندوں کے پیچھے لگ جاتا ہے تو پھر وہ موجود" کی گرفت سے وقتی طور پہ نکل جاتا ہے۔۔۔۔ وجود سامنے موجود ہوتا ہے مگر ذہن' دماغ سوچوں اور پرندوں کے پیچھے کہیں لگا ہوتا ہے۔۔۔۔ آنکھیں کھلی دیکھ رہی ہوتی ہیں مگر سامنے نہیں۔۔۔۔ کہیں اور کے اس پار۔۔۔۔ جہاں کہیں مُرغِ زریں محوِ پرواز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کان بھی وا ہوتے ہیں مگر وہ کسی اور

فریکوئنسی پہ سیٹ ہوتے ہیں۔

یہاں بھی شاید یہی کیفیت طاری تھی...... سفیداں بائی سامنے بیٹھی ہے...... آنکھوں سے آنکھیں لڑ
ہیں...... سوال و جواب ہو رہے ہیں...... مگر درمیان میں وہی سوچوں اور خیالوں کے مُرغ زریں...... نہ جانے
کہاں سے ٹپک پڑے تھے۔ چند بوجھل سے لمحے جب سفیداں بائی نے نہ آنکھ جھپکی اور نہ خاموشی کی مُہر توڑی
کشمیرے کو موقع مل گیا۔

"آپ نے خوب شعر پڑھا۔ اب کیا یوں نظریں گاڑے میرے چہرے پہ شرمندگی تلاش کر رہی
ہیں؟ یونہی اچانک نادانی میں یہ نصیبوں والی بات مُنہ سے نکل گئی...... آپ نے فوراً لوٹا دی...... مجھے چند
ساعتیں تو خوش فہمی میں جی لینے دیا ہوتا......"

یہ کچھ سُن لینے کے باوجود بھی سفیداں بائی کی محویت میں کچھ تبدیلی نہ آئی تو کشمیرے نے لہجے کا پینترا
بدلتے ہوئے پھر یونہی سوال کر دیا۔

"سفیداں بائی! میرے چہرے پہ مصحفی یا مومن کی کوئی غزل اُبھر آئی ہے جسے پڑھنے میں آپ کو
دشواری پیش [illegible]

چند ثانیوں کے بعد وہ چونکتے ہوئے کہنے لگی۔

"کشمیرے تم میں سنتو کا دکھائی دیا تھا۔ تمہاری آنکھیں ناک نقشہ...... جیسے سنتو کا......؟"

"سنتو کا...... کون سنتو؟" کشمیرے نے قدرے جُز بُز ہوتے ہوئے پوچھا۔

وہ دوبارہ چہرے پہ نگاہیں گاڑے ہوئی اسی خوابناک لہجے میں کہنے لگی۔

"وہی ڈل کی طرح ڈوبتی ڈولتی ہلکی سبز آنکھیں' لب' دانت' کھڑی اٹھی ہوئی گردن...... وہی قد
وہی چاہت...... اور ویسی ہی نصیبوں والی بات......"

سرگوشی میں ہلاتے ہوئے وہ گھبرائی ہوئے کہنے لگی۔

"نہ...... نہ...... اللہ ایسا نہ کرے......"

ہاتھوں سے چہرہ چھپائے وہ روہانسی ہوگئی...... کشمیرا یہ کیفیت دیکھ کر گھبرا سا گیا۔

"کون تھا یہ سنتو ک...... مجھے بتاؤ' میں تمہاری بات سُنوں گا۔ کیا رشتہ تھا اس سے......؟" کشمیرے
نے بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے اس سے پوچھا۔

سفیداں بائی نے جھروکے کے جھلوکے میں بیٹھے ہوئے سازندوں کو ہاتھ کے اشارے سے نغمے

دیتے ہوئے کہا۔

"کبھی سنتوک نے بھی مجھ سے نصیبوں کی بات کی تھی۔ وہ بھی اپنی اور میرے نصیبوں کو آپس میں ملانا چاہتا تھا۔ وہ بھی تمہاری طرح دل کی بات زبان پہ لانے میں دیر نہیں کرتا تھا...... سکھ بڑے جلد باز اور جذباتی ہوتے ہیں' دل دینے اور لینے کے معاملے میں بڑے خودکفیل...... وہ یہ نہیں دیکھتے کہ چیز بکنے یا ملنے والی ہے کہ نہیں ــــ جھٹ مول بول لگا دیتے ہیں...... تم نے بھی تو ابھی یہی کچھ کیا۔"

وہ رومال سے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے پھر کہنے لگا۔

"مجھے سنتوک کے بارے میں کچھ اور بتاؤ...... اس سے تمہارا کیا ناتا تھا...... اب وہ کہاں ہے' کیا کرتا ہے؟"

سفیداں بائی اب قدرے سنبھل چکی تھی۔ بڑی رسان سے کہنے لگی۔

"اس کے بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ اک خواب تھا' خیال تھا۔ اک تیز ہوا کے جھونکے کی مانند...... اک جھگڑا' ورولا' جس تیزی تُندی سے آیا اس سے کہیں زیادہ تُندی و تباہی سے گزر گیا...... [illegible] قبول نہ ہوا...... بہت اتنا عرصہ آپ...... آپ کا تھیلا تو میرے خیال میں کہیں گم وم ہو گیا ہوگا...... کوئی قیمتی چیز تو نہیں تھی اس میں؟" وہ اسے بٹ بٹ کتر کتر باتیں کرتا دیکھ کر خوب محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اس طرح کی باتیں کر کے اپنا دھیان بٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔

"اچھا اب میری سنو۔ برگد والے بابا کے پاس سے آنے کے بعد مجھے اچانک ہندوستان سے باہر جانا پڑا۔ کام کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ تھیلا تو کجا میں خود اپنے آپ سے بھی بیگانہ سا ہو گیا...... سب کچھ عرصہ پہلے [illegible] تو سب سے پہلے مجھے تم یاد آئیں۔"

جھٹ سفیداں بائی بول پڑی۔

"اگر آپ یہاں میری بجائے تھیلے کا لفظ استعمال کریں تو عین محل کے مطابق ہوگا۔"

مسکراتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

"واپسی پہ مجھے تمہارا صرف ایک خط ملا...... لیکن حالات ایسے تھے کہ فوری طور پر رابطہ نہ کر سکا۔ پھر تمہاری نقل مکانی کا بھی معلوم ہو چکا تھا...... اب تم بتاؤ کہ میرا تھیلا اور اندر بے کار سا سامان تو موجود ہے نا؟ [illegible] ڈائریاں اور کچھ نایاب تصاویر میرے لئے بڑی اہم ہیں۔"

وہ قدرے رکھائی سے بولی۔

''تو آپ اصل میں اپنی ڈائریوں اور تصویروں کی خاطر تشریف لائے ہیں۔''

وہ مزہ لیتے ہوئے بولا۔

''بھئی اگر کہوں بھی کہ میں تمہیں دیکھنے ملنے آیا ہوں تو تمہیں یقین نہیں آئے گا۔۔۔۔۔۔ اس لئے یہی سمجھ لو کہ میں ڈائریوں اور تصویروں کی خاطر آیا ہوں۔۔۔۔۔۔ اب خدا کے لئے صرف اتنا بتاؤ کہ میرا تھیلا محفوظ ہے یا کہیں بندروں نے ستیاناس کر دیا ہے؟''

''مجھے تو کٹا پھٹا تھیلا ملا تھا' جسے میں نے جوں کا توں امانتاً سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ تمہارے پاؤں کا ایک چپل بھی ہے' دوسرا پاؤں تلاش کے باوجود ادھر کہیں نظر نہیں آیا۔''

اب کشمیرے نے ایک نیا سوال کر دیا۔

''تم وہاں گئی تھی تو بندروں نے تمہارے ساتھ کوئی ایسا ویسا سلوک نہیں کیا تھا؟''

''نہیں' بالکل نہیں۔۔۔۔۔۔ بندروں کے لئے کھانے پینے کے لئے لیتے ہوئے جاؤ تو ان کا دماغ خراب ہے کہ وہ خواہ مخواہ لوگوں کو تنگ کرتے پھریں۔۔۔۔۔۔ بلکہ وہ تو بھگتوں کی رکھشا سیوا کرتے ہیں۔ بابا کے مندر تک پہنچاتے ہیں۔ یاتریوں کے سامان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

''[illegible] بابا کے درشن بھی نہ کر سکے۔ سنا ہے بابا بڑے گنی اور مہا گیانی ہیں۔ سنگیت وِدّیا کے ساگر کے مہا تارو ہیں۔ جو کوئی ان کے چرن چھو لیتا ہے ان کی شرنی میں آشیرواد حاصل کر لیتا ہے وہ سنگیت شاردا کی شکتی اور شانتی حاصل کر لیتا ہے۔۔۔۔۔۔ میں ان کھوج اور من کی موج میں وہاں پہنچا تھا۔ بڑا افسوس کہ میرا وہاں پہنچنا بے کار گیا۔''

سفیداں بائی سن کر بولی۔

''وہ کیسے۔۔۔۔۔۔؟''

''من کی کامنا پوری نہ ہوئی۔۔۔۔۔۔ اُلٹا بندروں سے الگ خجالت ہوئی۔۔۔۔۔۔ اور تو اور میرے کپڑے تک اُتر گئے اور میں ننگے پنڈے' دُم دبا کر وہاں سے بھاگا تھا۔''

وہ اس کی ایسی حالت سُن کر کھسیانی سی ہنسی سے کہنے لگی۔

''تم نے کہا کہ بابا کے پاس جانے سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مگر میرا وشواس ہے کہ برگد بابا مہا شکتی وا ہیں۔ جو بھی اُدھر ان کے چرنوں تک پہنچتا ہے وہ کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔ جو جس نیت ارادے سے جا ہے اس کو اس کی مراد ضرور ملتی ہے۔ میں تو برس میں ایک دو بار ضرور وہاں جاتی ہوں۔۔۔۔۔۔ جیسی لوٹتی ہوں میں رہتی ہوں۔۔۔۔۔۔ میرے سُروں میں سورنگ' تانوں میں ترنگ' الاپوں میں اکشن اکا لگا نا انہی کی شکتی پُن سے

[illegible] یہ مجھ تک تمہارا پہنچنا' کیا یہ بابا کا چمتکار نہیں۔"

کشمیرے آنکھیں پھیلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں! یہ تو درست ہے۔ مجھے ایک سیانے نے برگد بابا کے پاس پہنچنے کا مشورہ دیا تھا کہ تمہارے من [illegible] چت کی چتا کا دارو سنگیت شکتی کا ودھان ہے...... اور یہ سوکھیہ تمہیں برگد بابا کے چرنوں سے ملے [illegible] سو میں یہی دھیان پلے باندھے اُدھر پہنچا تھا۔"

پھر وہ آنکھیں موندھ ہاتھ جوڑے کہنے لگا۔

"دھن ہو برگد والے بابا! مجھے آج چت چتا کا چت چور بھی مل گیا۔"

یہ تھی پہلی ملاقات......!

شراب آئی' کباب آئے' پھر سازندے ساز جوڑے بیٹھ گئے۔ شعر و نغمہ کی محفل جمی...... اہتمام خاص [illegible] چوبارے پہ عام داخلہ بند تھا۔ صرف گردھر تھا اور رادھیکا تھی...... ادھر رات بھی جیسے تھم اور ٹھٹھر [illegible] نے اس کی زلفیں ابھی صرف کمر تک ہی کھولی تھیں کہ شاہی نقار خانے [illegible] دو پہر رات [illegible]...... یہ شراب کے خمار اور شباب کے نکھار کا [illegible] جبکہ دونوں اپنی [illegible] تھے۔ اُدھر [illegible]

سفیداں بائی [illegible] اندر دُور کہیں دبی ہوئی عورت جیسے امشب سولہ سنگار کے حجاب سے باہر نکل آئی تھی۔ [illegible] کی نگاہوں کے سامنے بیٹھے ہوئے کشمیرے سنگھ کو دیکھ رہی تھی۔ موقع بہ موقع شعر و نغمہ سے [illegible] کر رہی تھی...... اس کے ہاں مرد تو آتے جاتے رہتے ہیں' اشراف بھی اجلاف بھی...... ایک سے ایک بڑھ کر جوان خوبصورت' ذہن اور دولت والے...... جو اس کے ادنیٰ اشارے پہ اپنا سب کچھ قربان کرنے کا [illegible] تھے۔ لیکن سفیداں بائی خاندانی مطربہ تھی' عصمت فروشی اور عشوہ گری اس کا قماش نہ تھا...... اور نہ [illegible] مقام و منصب سے گر کر کوئی حرکت و عمل کرنے کی روادار تھی...... اپنے لیے دیے میں رہنا' پُر وقار [illegible] عمر اس کا چلن رہا۔

[illegible] جائے تو اس کی زندگی اسی پیشے اور قماش میں گزری تھی۔ جہاں بھٹک جانا کچھ معیوب بھی [illegible] لیکن اس کا دامن عصمت' آلودگی سے پاک تھا...... ایسی خاندانی طوائفیں جو صرف سنگیت سے [illegible] ہیں یا جن کا پیشہ محض گائیگی ہوتا ہے...... ان میں شاذ ہی کوئی گندی مچھلی ہوتی ہو۔ بالعموم یہ اپنے [illegible] میں سنگت داروں میں کھپ جاتی ہیں۔ بدیں صورت وہ کسی گن رسیا امیر کبیر رئیس سے ناتا جوڑ

کر بیٹھ جاتی ہیں اور اکثر یہ کام اوائل عمری میں کر لیتی ہیں کہ آتش جوان ہوتا ہے یعنی یہ بڑھاپے کا انتظام بھرے میلے میں ہی کر لینے پہ یقین رکھتی ہیں۔ پرانی چینا ہو یا بوڑھی گائیکہ...... تار دونوں کے ہی ڈھیلے پڑے ہوتے ہیں جو بھرائی کسائی سے ٹوٹ تو سکتے ہیں تھنا کر ارتعاش و ارتباط پیدا نہیں کر سکتے۔

شمشاد بائی امرتسر والی، وحیدن بائی، عیدن بائی، خورشید بیگم، اختری بائی، اقبال بانو، ثریا ملتانیکر، زہرہ بائی انبالے والی، روشن آراء بیگم، ممتاز بیگم، فریدہ خانم، امراؤ بیگم، شمشاد بیگم، ملکہ پکھراج، عابدہ پروین، زاہدہ پروین، نور جہاں وغیرہ یہ چند ایک ایسے قبیل کی مشہور گانے والیاں ہیں جنہوں نے جوانی کمائی اور بڑھاپے میں چین کی بنسری بجائی...... اور بھی جنہیں آج کی نسل نہیں جانتی پہچانتی۔ خاص طور پہ محض گانے بجانے کا دھندا پیشہ اکثر وہی طوائفیں اختیار کرتی ہیں جو شکل و جہ، کسی جسمانی عذر یا پھر جنون کی حد تک موسیقی سے لگاؤ رکھتی ہیں۔ جن کے نزدیک گائیکی ایسے کاری پراودھنا اور عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ جبکہ اس فن سے نام و نمود یا مال و زر اکٹھا کرنا ان کا مقصد و مسلک نہیں ہوتا۔

عیداں بائی کا تعلق بھی اسی مکتبِ فن و ہنر سے تھا...... قد کاٹھ، شکل و صورت رنگ و روپ بھی ماشاءاللہ کہنے کے لائق...... جبکہ آواز کی لوچ و چمک اور [illegible] وہ لوگ بھی ان [illegible] سے سبحان اللہ کہلوانے والی اور [illegible] رنگ پچک پچک [illegible] میں مرادآبادی زعفرانی زردہ بھرنے والا......!

عورت، طوائف ہو یا طواف کرنے والی، ہو وہ ہر مقام، ہر جگہ عورت ہی ہوتی ہے۔ اس پہ رنگ مرد کو انگ لگانے سے ہی چڑھتے ہیں۔ مرد کی محبت و مروت کی نظر اسے اس کی اپنی نظر میں عزت بخشتی ہے۔ لاکھ مومن ہو یا کافر، منہ من سے بولے یا نہ چاہے۔ اس کے تن کے ایک ایک رویں رُوم کی کٹوریوں سے ―

جل بن جل کی ناچھی ناہیں، پُرش بن جگ میں ناری ناہیں

کی جلترنگ بجتی رہتی ہے۔ جبلی طور پہ اس کے انگ سنگ ادھورے رکھے گئے...... اس کے بھیتر باہر کی ساری بیاکرن ہی پُرش کی پُرجن سے پُرایت ہے...... دن رات کے مختلف پہروں کے پیروں میں جو گھنگھرو چھن چھنا رہے ہوتے ہیں بظاہر تو ان کی چھن چھنا چھن کا آہنگ ایک سا ہی لگتا ہے۔ لیکن سمے کے سمند پہ سوار کوئی سنچارک ہی یہ سمجھ سکتا ہے کہ پل پل پہلو بدلتا ہوا سمے ہر پہلو پہ کس انگ رنگ سُر میں گن لیتا ہے۔

یہی گن سُر شاید اس سمے کے سم گگن کی سنگت تھی...... رات کا دوجا پہر بھی پگ میں گھنگھرو باندھے رُت کے چند آڑے ترچھے توڑے توڑ چکا تھا کہ کیدارا راگنی چپکے سے گنگناتی ہوئی آ براجی...... دیپک مہاراج

کھیل ـــــ ایسے کُھلے کُھتے والی کہ سانس بھی اُونچا نہ لینے دے۔

دم سادھے' سُدھ بُدھ بسرائے' پران چھوڑے کشمیرے جی پڑے تھے۔ سفیداں بائی نے بھی ایسے سُر ہی میں ایسی ایسی تانیں' پلٹائیں' آڑے توڑے بہلاووں کی پھریریاں پھیریں کہ ساز کی سُرتیوں اور سازندوں کے سینوں پہ پسینہ آ گیا۔ اس پہلی شب' سفیداں بائی ایسے جی بھر گائی تھی کہ کشمیرے سنگھ' اس کی گائیکی اور ادائی پہ پورا کشمیر نچھاور کر چکا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ کالے خان کو بھی دوسرے خانہ زادوں اور روزمرّہ کے آنے جانے کی طرح محفل میں بیٹھنے کی اجازت نہ ملی تھی...... وہ پوری رات اپنی کوٹھری کے سامنے اکڑوں بیٹھا اس پائیں جھروکے کی جانب دیکھتا رہا...... طبلے سے سارنگی آواز کا اُبھرتا ڈوبتا آہنگ اس کی سماعت سے ٹکراتا رہا...... اس دوران ایک آدھ بار وہ باہر نکل' کوچ بان کو بھی دُور سے دیکھ آیا تھا...... جو بڑی مستعدی سے حقہ بیڑی سے شغل کر رہا تھا۔ سویرے سویرے وہ پھر اس کے پاس پہنچا تھا۔

بابا! کچھ جل پانی کا بولو...... کہو تو بیٹھنے کے لیے کوئی موڑھا یا کھاٹ بچھا دوں...... گھوڑے کی [illegible]

وہ نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا تھا یا کوئی بدمغز کہ ایک ہی چپ اور بے شمار بیڑیاں...... صبح صبح منہ اندھیرے وہ رئیس اُسی پُروقار انداز سے سیڑھیوں سے اُترا اور اپنے تانگے میں سوار چل دیا۔

جیسے کبھی کبھی کسی پاک صاف لطیف جگہ پہ مکھی بیٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح کبھی بیٹھے بٹھائے بلاوجہ کوئی بات دل میں گرہ کی مانند بیٹھ جاتی ہے۔ کالے خان کے دلدل دل میں بھی اس رئیس کو دیکھ کر یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وہ کبھی اس کے تانگے گھوڑوں میں ضرور بیٹھے گا...... ان سیڑھیوں پہ سے نکلوں مسندوں کا اُترنا چڑھنا تو لگا ہی رہتا تھا مگر کبھی کسی بارے ایسی کلبلاہٹ تردد نہیں ہوا تھا۔ اُسے یوں اور ایسے سوچنا بھی نہیں چاہیے تھا کہ یہ کوٹھے ایسے ہی بازار دھوکے کی ٹٹیاں' خوبصورت پھندے اور مایا جال ہیں۔ یہاں کے دَر و دیوار کے ساتھ جیبیں' گلے کاٹنے کترنے والی قینچیاں' اُسترے پوشیدہ ہوتے ہیں...... یہاں مصنوعی دل بہلانے والی اداؤں' اٹکھیلیوں اور جھوٹے عشق محبت کے کھیلوں' پیار اعتبار کے ناٹکوں سے بھری تجوریوں میں سیندھ لگائی جاتی ہے۔ یہاں' عزت' غیرت' حیا' وفا نام کی کوئی جنس موجود نہیں ہوتی...... خوبصورت پرچھائیوں کی اس نگری میں کسی انسانی رشتے ناتے کا کوئی وجود نہیں ہوتا...... ماں' بہن' بیٹی' بھائی' باپ' شوہر...... ان سب رشتوں ناتوں کی صرف ایک ہی مشترکہ پہچان ہے' وہ ہے پیسہ' دھن اور شہرت پھر...... پھر...... اُسے ایسی چنتا کیوں لگی

ہوئی تھی...... سفیداں بائی نہ تو اس کی رشتہ دار ہے اور نہ ہی رکھیل...... وہ جیسا بھی کھیل جس کے ساتھ چاہے کھیلے...... جو من چاہے کرے اُس پہ بھلا کون اُنگلی رکھ سکتا ہے۔

اس دن سے اس کوٹھے چوبارے کا چاؤ چلن ہی بدل کر رہ گیا تھا...... یہاں کی رُتوں' فضاؤں' ہواؤں نے جیسے اپنے پرانے طور طریقے انداز بھول کر نئے راہ و رسم اختیار کر لئے تھے...... اس کے لئے نہ تو کوئی حکم جاری ہوا تھا نہ کوئی بات مشورہ...... خود بخود ہی ہر شے اسی طرح ڈھل گئی جیسے سفیداں بائی نے چاہا...... سیڑھیوں کے نیچے دروازے پہ نیا گورکھا پہرے دار آ بِراجا...... جو کسی بندے کو تو کیا کسی پرندے تک کو اوپر جانے نہیں دیتا تھا...... بازار کے شُہدے' پھلیارے' عطر پھلیل والے' مٹھی چاپی' گزک' لوز' پیڑے' پیٹھے' گلال اور گلاب کے گجرے بیچنے والے یک قلم موقوف ٹھہرے اور تو اور اُستادوں کی بغلوں میں بیٹھنے والے شاگرد گوشے' تانے ٹھکیے' دَم و خرے کونوں کُھدروں' دروازوں سے جھانکا لینے والوں کو بھی دیس نکالا مل گیا تھا۔ اَب ہر روز سرِ شام کشمیرے سنگھ کا رنگ رنگیلا یکہ بڑی شان بان سے چوبارے کی پائیں گلی میں کالے خان کی ناک نیچے' ٹھیے کے برابر بڑے طمطراق سے آ بِراجتا...... مخملی فرش کے بچھے کی مانند اترتا...... گاڑی بان اپنی مخصوص زبان [illegible] با ادب رہے [illegible] رنگین پھندنوں والی چھڑی لگا [illegible] کے چمکتے ہوئے کنول میں اُڑوستے ہوئے نیچے اترتا...... بڑے [illegible] انداز میں گاڑی سے پائیدان [illegible] باہر نکالتا پھر وہیرج پکڑ کر ہاتھ باندھے سر خمیدہ سا استادہ ہو جاتا...... کشمیرے سنگھ کسی ریاستی تعلقہ دار کی مانند [illegible] کھوا فروش فریاد کی [illegible] والے پلک جھپکنا بھول جاتے۔ ادھر کالے خان یہ سارا منظر' کارروائی اپنے کلیجے پہ جھیلتا...... کم ہی کبھی ایسا ہوا کہ کشمیرے سنگھ کے یہاں پہنچنے کے بعد وہ چین پکڑے یہاں کھڑا رہا ہو۔ اس کے براجتے ہی وہ اپنا ٹھیلا سمیٹنا شروع کر دیتا۔ پھل دل بکیں نہ بکیں وہ سر نیہوڑے پچھلے صحن کی طرف چل دیتا۔

اَب تو وہ پھل پھول بھی اتنا ہی لاتا جو دن ہی دن میں نکل جائیں...... یہ رئیس کون ہے کہاں رہتا ہے اس کا کاروبار کیا ہے؟...... اسی نوع کے بہت سے سوالات ان کے ذہن میں کیچوؤں کی مانند کلبلاتے رہتے۔ ایک دُکھن اس بدمغزے گاڑی بان کی بھی تھی۔ بے اوقاتا سیدھے مُنہ کسی سے بات کرنا اپنی ہتک سمجھتا تھا۔ اب تک اس کی کسی بات کا اُس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ جواب دینا تو درکنار وہ تو اس کی جانب دیکھنا بھی گوارہ نہ کرتا تھا...... مونچھوں کو بل دینا اور بیڑی پینا...... بس دو ہی اس کے مشغلے تھے۔

سفیداں بائی اب جیسے کسی کو پہچانتی ہی نہ تھی۔ کار قضا اگر کسی سے سامنا ہو جاتا تو وہ طرح دے جاتی تھی۔ اس کے رنگ ڈھنگ بھی اب پہلے سے نہیں رہے تھے۔ لگتا تھا وہ پہلے والی سفیداں بائی کسی دیس سدھار گئی ہے' اپنی جگہ وہ اپنی سی سُدھ بُدھ' صورت بسورو والی کوئی لڑکی' خانہ پُری کے لئے چھوڑ گئی ہے۔

سچ ہی وہ جو سیانے ودوانے کہہ گئے کہ جو ایک دفعہ محبت کے مرض میں مبتلا ہو جائے...... پریم پاتنگ میں پھنس جائے یا جسے پریم روگ کی عشق پیچاں اپنی لپیٹ میں لے لیوے وہ دین و دُنیا سے فارغ' نہ اپنے جوگا نہ دوجے کے کاج کا رہتا ہے۔

چند دنوں میں ہی سفیداں بائی کی ایسی حالت ہو گئی کہ اسے کشمیرے سنگھ کی دلجوئی اور خاطر مدارت کے علاوہ اور کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔ ہر لحظہ صفائی ستھرائی کا دھیان تھا۔ جیوں خانہ زادوں کو بات بات پہ پھٹکار...... پھول' بخور' صفائی ستھرائی' پکوان پیچوان...... کیا مجال جو کسی تو شک' چاندنی' تکیے' غلاف پہ کہیں داغ دھبہ یا شکن دکھائی پڑے...... کوئی چیز اِدھر اُدھر یا کسی کام میں دیر سویر ہو جاتی تو مٹیا دھیا [illegible] کر رکھ دیتی۔ کالے خان بہت کم سامنا کرتا تھا...... اس سے [illegible] دونوں [illegible] یہ حالت ہو گئی کہ جو کوئی اس [illegible] چپ چاپ [illegible] لیے ہوتے۔ کشمیرے سنگھ [illegible] زادہ پوٹلے باندھ کر روپوں کے لاتا اور جیبیں جھاڑ کر اٹھتا تھا۔ جو کہتے ہیں [illegible] کو چاندی سا [illegible] ہوئے تو اس کی [illegible] سینگ بھی نہیں دُکھتے بلکہ بہت بھلے لگتے ہیں...... [illegible] پوٹلے تو اندر کا مال ہوتے' قرشی ریزگاری کی بھی [illegible] گنتی ہوتی [illegible] کی خوب ریل پیل تھی ایسے میں منہ سے کون بولتا۔ سب ہی سادھ لیے بیتے رنگ دھار دیکھے اور منہ ماتھا چپڑا کیے تھے۔

کالے خان تو شروع سے ہی رزقِ حلال پہ لگا ہوا تھا...... اصیل تھا اس کارن غُصیل تھا۔ اشراف کا تخم جو اِدھر پڑے پڑے پتلا پڑ گیا تھا۔ سفیداں بائی کی ایسی بے رُخی اور کج ادائی پہ اندر ہی اندر کھول رہا تھا لیکن منہ سے کچھ بک بول نہیں رہا تھا۔

باپ بڑے ہوئے تجربہ کار بزرگ بتاتے ہیں کہ رتی ماشے تولے خالص غیرت مند کو محض چند راتیں کسی بیسوا کے کوٹھے یا کچھ عرصہ اس بازار کی کسی دوکان تھڑے پہ کھڑا کر دو اور پھر پرکھ کر دیکھو پورا اور چوبیس قیراط بے حیا' بے غیرت' بے ضمیر اور بدلحاظ بے دیدہ نکلے گا...... جہاں خوشبوؤں اور معطر فضاؤں' ہواؤں کی کثرت یکجا ہوگی وہاں سے گزرنے والے بھی شاد کام ہوں گے اور جدھر فضاء مکدر' دھندلی' متعفن اور سڑاند

سی ہوگی وہاں لاکھ مُنہ ناک پہ رومال رکھ کر گزرو طبیعت اور مزاج مالش کرنے ہی لگتے ہیں۔

مانا کہ کالے خان کا وال ڈلیہ اپنا تھا اس کے کوٹھے کے مال کا لقمہ بھر بھی اس کے لئے حرام تھا...... پر سانس ساد ھ تو وہ اسی پراگندہ ماحول میں لیتا تھا۔ اُٹھنا بیٹھنا علیک سلیک' دم دُعا اسی بازار کے وسیکوں سے تھی...... حیا آتے آتے آتی ہے اور اس کے جانے میں محض دو چار بے حیا مُنہوں ڈھوں پھٹ قسم کے ملنے جلنے والوں کی عنایات ہی کافی ہوتی ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے حیا کی چڑیاں پُھر سے اُڑ جاتی ہیں اور پھر' پُھر سے اُڑی ہوئی چڑیاں کب کسی کی گرفت میں آتی ہیں۔

● برزخ کا پل یا بلیک ہول......!

وقت تو مٹھی کی ریگ کی طرح ہوتا ہے' دانہ دانہ' ذرہ ذرہ کھسکتا رہتا ہے لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ مٹھی بھری ہوئی ہے "ابھی تو میں جوان ہوں" پھر پتہ تب چلتا ہے جب مٹھی میں ریت کی بجائے صرف اور صرف خلاء باقی رہ [illegible] ہیں۔ [illegible] بھی [illegible] ہے [illegible] جوڑ توڑ کا ایک لامتناہی سلسلہ [illegible] ہر لحظہ ری سائیکل ہوتا رہتا ہے۔

رتیں آئیں رتیں گئیں ساون بھادوں بیتے' برساتیں ہوئیں...... کتنے مرے کتنے جیئے...... وقت کروٹ پہ کروٹ بدلتا رہا۔ نہ بدلا تو ان دونوں کا چلن...... اَب تو سفیداں بائی نے باہر کے جلسوں اور پروگراموں میں بھی شرکت نہ ہونے کے برابر کر دی تھی۔ پرائیویٹ محفلیں تو اک زمانے سے ختم ہو چکی تھیں...... یوں ظاہر ہوتا تھا کہ سفیداں بائی نے اپنا سب کچھ' زندگی' وقت' فن' گائیکی' سونا چاندی' ہار سنگھار صرف اور صرف کشمیرے سنگھ کے لئے وقف کر دیا ہے۔ اَب کچھ عرصہ سے سفیداں بائی' کشمیرے سنگھ کے ساتھ باہر بھی جانے لگی تھی...... سرِ شام یا رات کے کسی پہر یکے میں سوار ہو کر کہیں نکل جاتے...... لیکن صبح سے پہلے پہلے سفیداں بائی بہر صورت واپس آ جاتی۔

کالے خان ساری رات اپنی کوٹھڑی کے باہر بیٹھا اسی کے پلٹنے کا انتظار کھینچتا رہتا۔ کُھلے کان اس کے یکے کے گھوڑے کی مخصوص آہٹ پہ لگے رہتے۔ وہ ان سُلگتے دنوں اپنی ناآسودگی اور آسودگی کے درمیانی برزخ میں لٹکا ہوا تھا۔

برزخ...... ؟ مجھے ایک وقت سمجھائی دیا کہ وقت' فاصلہ اور گردش' ان تینوں کا برزخ ...... افلاک کائنات کی اندھیری لامتناہی گہری غار کی صورت ہے جسے عالمانِ افلاکیات وسمٰوات بلیک ہول کہتے ہیں۔ اس کائناتی بلیک ہول کی مانند ایک انسانیاتی بلیک ہول بھی ہوتا ہے' بایںکہ اسے دریافت کرنا ہر کسی کی دسترس میں نہیں ہوتا ...... دبی ہوئی صلاحیتوں اور حیثیتوں کی طرح یہ بھی کہیں معدوم سی کیفیت میں دبا پڑا ہوتا ہے۔

اس کا تو نام ہی کالے خان تھا۔ جسے رام پوریے اپنے مخصوص لہجے میں ''کالا خول'' کہہ گزرتے تھے۔ ہرچند کہ کالے خان بہ ظاہر کالے خان ہی تھا مگر بہ باطن وہ شاید کالا خول یعنی بلیک ہول تھا۔ وقت' فاصلہ اور گردش کا برزخ! ان تینوں کیفیتوں' قوتوں کی ری سائیکلنگ کا فاضل فُضلہ ...... یہ شاید دُنیا کے اُن چند کالے کالوں میں سے ایک کالا تھا جو کسی طور اپنے اندر کی کالی سرنگ دریافت کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سو جسے کالا موتیا اُتر جاتا ہے' کالی چیچک اور کالی کھانسی بھی کچھ نہیں کہتی ...... اس کے پاس شاید کوئی ایسا ویسا منتر تھا جو قبول یا وارث شاہ ایسے مجنوؤں کے لئے جاننا ضروری ہے جو کسی کالی لیلیٰ پہ عاشق ہونے کا ارادہ رکھتے تھے ——

[illegible] بھور فقیر تے ناگ کالے
باجھ منتروں ٹول نہ کھیلیے نی

یہ چاروں کالی علامت کی طرح ہوتے ہیں ...... کالی رات کی کالی بکل میں ہر شے کالی ہوتی ہے۔ کالی سوچ' کالے چہرے' کالے باطن' کالے نصیب

وہ خوب جانتا تھا کہ اس کی رسائی جنت والوں سے ہے اور نہ دوزخیوں تک ...... وہ ایک نہ معلوم سمت کی جانب گھسٹ رہا ہے۔ اندھیری لامتناہی گہری سُرنگ' خون آشام چمگادڑیں ...... نیچے کیچ دلدلی کیچڑ اچھلتے پھلانگتے ''کانٹے'' کُلبلاتے اندھے مریل چوہے۔ جو شاید خود کسی بدروح کی کھوج میں سرگرداں تھے۔ جو انہیں اس برزخ سے نجات دلا دے۔ یہی کچھ محسوس کرتے اور سوچتے سوچتے اس کے مفلوج دماغ کے پرزے اور مضروب کمر کے مہرے چٹخنے سے لگتے ...... کبھی کبھی سوچ کی یہ لہریں بھی سر اٹھاتی کہ اس نے تو اس حیف سے مختلف میٹھے سُروں کی بھکشا مانگی تھی کہ اس کی سنگیت سبھا کے کسی کونے میں بیٹھ کر وہ اپنے تھوتھے تن من کے سنتاپ سنسکار کر سکے۔ اسی کارن تو اس نے سب کچھ تج دیا تھا ...... پھر اس کی کھوپڑی میں یہ بھی آیا کہ وہ بڑے بڑے دھنوان' مہاپرش! ...... جو قسموں کے پروان روئیں کے توشک تکیے ...... سونے

چاندی کی تھالیوں میں پروسا ہوا بھوجن...... آگے پیچھے سیوا سواگت کے لئے باندھیاں، داسیاں...... زر و جواہر کے ڈھیر، شان شوکت شانتی سب کچھ تیاگ کر در در کی ٹھوکریں، ذلتیں، نفرتیں، بھوک پیاس، من ماری اور گمنامی کی راہ پکڑتے ہیں آخر کچھ تو ہوگا ان اونچی اور اوبڑی راہوں میں...... جن کی لگن میں مگن وہ ایسے انتہائی فیصلے کر لیتے ہیں اور عمل پیرا بھی ہو جاتے ہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ من ماری اور خود ملامتی بڑی تیز سی راہ ہے۔ جسم سے جان اور دل سے ارماں گھسیٹ گھسیٹ کر باہر نکال دیتی ہے...... رسوئی سے چُن چُن کر روڑے اور پکوڑوں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر کوڑے کھانے پڑتے ہیں۔ عزت ملے تو آہ و بکا، جوتے پڑیں تو جی جی کہنا پڑتا ہے۔ ہوا ہو کہ بہتا دریا، الٹا رخ پکڑتے ہیں۔ یہ کالے شاملامتی باجے یہ من کے یہ تن تارے...... قبرستانوں میں قیلولے، ریگستانوں میں پالولے اور گلستانوں میں پھپھولے کاٹے جاتے ہیں۔ الٹی کھالوں، دل گردہ کلیجے کی نا تمام سری پایوں کی کٹا کٹ...... گرہ گانٹھ والے کھوٹے ریشمی رشتوں...... زہر ہلاہل سے لبالب پیالوں، جھگی گردنوں بندھے ہاتھوں سے "من و تو" کیسی گرہیں کھولتے ہیں...... ہمہ اوست اور ہمہ از اوست کے معنی اور [illegible] ان سے زیادہ اور صحیح کون جانے [illegible] یا جمال [illegible] سے ہی نکلے...... یہ جھگی لدی گردنیں، جان توڑ مراقبے۔ جذب و حضوری کی کیفیتیں...... آہیں بکائیں، جاں سوزیاں...... جلال و جمال کے عالم۔ یہ سب وقت کے فاصلے اور گردشوں کے برزخ ہی تو ہیں۔ کچائی پکائی کے لئے آئینوں کے بھٹوں کے دود کش...... بے چین و بے کل آتما، زخمی سروں کے نکاس کی بنسلی...... مضطرب کلبلاتی نداؤں، فریادوں اور چیخوں کے لئے حلقوم کی نے...... پگھلا لاوا اگلتے مہیب دہانے...... پیپ اور کچلہوں کی غلاظت، تعفن بہاتے ہوئے پکتے پھوڑے...... یہ بھی سب شاید اپنے اپنے برزخ کا بلیک ہول ہیں۔

کالے خان کی طرح کشمیرے سنگھ بھی شاید ناسوتی کے برزخ سے اتر کر اپنے بلیک ہول تک آ پہنچا تھا۔ وہ بھی تو اپنی بے کلی، بے چینی بے مزہ زندگی کا اُپائے اُنچے سُروں کے سرگم میں ڈھونڈنے نکلا تھا۔ سفیداں بائی کے نورانی گلے اور اس کے من آواز و شخصیت کے سحر میں اب وہ شام و سحر آنکھوں تک ڈوبا رہتا تھا۔ ادھر سفیداں بائی کو کشمیرے سنگھ کے روپ میں ایک مخلص، متحمل ملوک سا منش مل گیا تھا۔ جو کسی لوبھ لالچ سے بہت پرے تھا۔ اس کے پاس عزت نفس کی خوشبو تھی۔ وہ احترام اور اعتراف کرنا جانتا تھا...... جو جمال اور کمال کا گرویدہ تھا۔ اسی کی کلا کا قدردان...... جس نے چھونا تو در کنار، اُچٹ نظروں سے بھی کبھی تاکا نہ تھا...... مزے کی

یہ خوب سمجھتے جانتے ہوئے بھی کہ سفیداں بائی کا تعلق قبیلہ نشاط و طرب سے ہے۔ جفا کاری اور وفا کشی جس کے پیشے کے تقاضے ہیں...... جو غمزوں اور عشووں کا بیوپار کرتے ہیں۔ جن کے شبستان گُل اندا موں اور یں مہ تابوں سے عشرت بیدار رہتے ہیں۔ ہوش و خرد کے پَر جلتے ہیں۔ داد و دہش اور دولت کے ڈونگرے تے ہیں۔ جہاں راتیں پگھلتی اور دن ٹھٹھرتے ہیں...... مگر وہ جو کہا گیا ہے کہ دل آنے کے ڈھنگ نرالے تے ہیں۔ آنکھیں بند اور زبان پہ تالے ہوتے ہیں' کچھ سُجھتا ہے اور نہ کچھ مُنہ پھٹتا ہے۔

- پکا انار آکو چہ دل پہ تُھجار......!

جو کچھ ہُوا عجیب ہُوا کہ کالے خان کچھ دنوں کے بعد بجلی چمکنے ہوئے پھوڑے کی طرح خود بخود پھوٹ پڑا۔ بس یونہی اسے ایک موقعہ ہاتھ لگ گیا تھا۔ رسوئی کی کھڑکی میں مٹی کے تھلے میں سفیداں بائی کے لیے ریٹھوں کے پتے چھلکے بھگوئے رکھے رہتے تھے۔ دوپہر ڈھلتے پہ کنچن اور منی تھیلے سے لوٹا بھر پانی کے سفیداں کے گھنے گھمبیر بال دھوتیں...... پھر کنگھی کر کے ہلکے ہاتھ سے ہتھیلی اور روغن بادام ملا کر تالو تی تھیں۔ جس [illegible] بال [illegible] چپکے اور [illegible] بڑھتے...... کہیں ڈیڑھ چھٹانک تھلے سے بتیلا مُوندھا پڑا تو سب کی کم بختی آ گئی...... سر نہ دھونے اور تالو کنپٹی کی مالش کا ایک بھی اس کی جان ضیق میں ڈال دیتا تھا...... جہاں سر ذرا بو ہو جاتا وہاں چکر بھی آنے لگتے۔ کھوپڑی کا جیسے چٹخنے کو پڑتا...... رسوئیے قادر بخش کے منہ سے کہیں افیون کی پینک میں نکل گیا کہ کالے خان کھڑکی کی باہر دکھائی پڑا تھا۔ بس یہیں کالے خان کی طلبی ہو گئی...... بلانے بھیجنے پہ جہاں تہاں کالے خان' سفیداں بائی کے خلوت خانے میں چلا گیا۔ سفیداں بائی نیم دراز کسلمندی چھپر کھٹ پہ پڑی تھی...... دو چار خادم پیشہ اور رسوئیا قادر بخش بھی موجود تھے۔ تھیلے کے اوندھے پڑنے کے متعلق اس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میں اُدھر کھڑکی کے پاس انگنی کی رسّی باندھنے ضرور گیا تھا مگر میں باہر تھا بتیلا اندر گرا۔ پھر اس سے بھلا کیا سروکار رہتا ہے۔“

پھر آہستگی سے جیسے یاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”میں تو کئی روز سے چوبارے کی چوکھٹ تک نہیں اُلانگا اور نہ ہی اُدھر رسوئی یا نیچے دالان میں

وہ جب قدرے روہانسو سا ہونے لگا تو سفیداں بائی نے ہاتھ کے اشارے سے تمام ملازموں کو وہاں سے ٹہلایا...... پھر قدرے خشمگیں سی کہنے لگی۔

''اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے' اگر تم سے جتیلا اوندھا نہیں پڑا تو کہہ دو کہ مجھ سے ایسے نہیں ہوا...... قادر بخش نے یونہی کہہ دیا کہ تم وہاں کھڑے تھے۔''

''ہاں' سفیداں بائی! بس یونہی تو کہہ دیا جاتا ہے۔ میں نے بھی ایک بار یونہی کہہ دیا تھا کہ میں تم سے اور کچھ نہیں چاہتا یا مانگتا بس اپنے جلسے محفل میں بیٹھ لینے دیا کرو...... کسی ایک کونے کھدرے میں' جدھر میں کسی کو نظر نہ آؤں...... آج کئی روز گزرے گئے تمہیں سُننا تو در کنار تمہاری صورت دیکھنے کو آنکھیں ترس گئیں...... کیسے کٹھور سے دن اور بچھوؤں کے ڈنک لگاتی راتیں میں نے انگاروں پہ لوٹتے ہوئے بتا دیں۔ تم نے سر نہ دھونے پہ ایسا فساد اُٹھایا اور اُلٹا مجھ پہ جتیلا اُلٹانے کا الزام بھی دھر دیا۔ میں نے زندگی سے ہاتھ دھونے پہ اُف تک نہ کی۔ تم نے ایک دھتکار کی خاطر مجھے اس سرجگتی سے بھی رہت کر دیا۔'' وہ ایک چڑھتی سانس میں یہ سب کچھ کہہ گیا تھا۔ جیسے اسے آج ہی یہ سب کچھ کہہ دینا ہو۔

کوئی [illegible] بخش گھوڑا...... یہ خانہ خراب اپنے عذاب ٹالے بنا نہیں رہتے...... جنگ میں کودا ہوا جنگجو اپنی جان کی پروا نہیں کرتا' اسی طرح محبت کی مے میں مست [illegible] بھی اپنی عزت کی حیا نہیں کرتا۔ ٹکے کی معشوق کے قدموں تلے اپنی لاکھوں کی عزت کا صندوق رکھ دیتا ہے...... کدھر [illegible] کا راجہ بھوج اور کہاں فتح گڑھ [illegible] کی گنگوا تیلن!...... مگر یہ میلن بھی ملانے والے نے خوب ملایا تھا۔ وقت' وقت اور بخت' بخت کی بات ہوتی ہے۔ عشق میں کوئی ذات ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی اوقات ہوتی ہے...... یہاں تو مات' مات اور محض مات ہی ہوتی ہے۔

وہ چند ثانیے عجیب سی نظروں سے اسے تولتی رہی پھر اُدبدا کر بولی۔

''تم نے کہہ دیا جو بھی کہنا تھا...... اچھا ہوا تم نے اپنے اندر کا اندوہ نکال باہر کیا...... تب ہی تو کچھ دھیرج پکڑو گے۔ جہاں تک میں جانتی اور سمجھتی ہوں تم مجھ سے صرف عقیدت رکھتے ہو۔ یہ عقیدت' محبت سے کمال اُوپر کی چیز ہوتی ہے...... محبت میں جذبات کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اور عقیدت صرف اور صرف حقیقت ہوتی ہے...... سنا ہوگا' محبت اندھی ہوتی ہے جبکہ عقیدت اک دیدہ بینا ہوتی ہے۔ محبت' شکوے شکایتیں' سچ' جھوٹ اور دو بیوقوف' ڈرامہ گیر' جذبات پسند افراد کے درمیان شاید ایک ریت کا پُل ہوتی ہے۔ جس کے

آسکتے ہیں شک، بدگمانی اور بے اعتمادی کے جھکڑ، آندھیاں مسلسل زور آزمائیاں کرتے رہتے ہیں۔ عقیدت میں حسد اور شکوہ نہیں ہوتا۔ ہم دوکاندار لوگ ہوتے ہیں، یہاں عقیدتیں نہیں پالتے یا بیچتے۔ ہم ادھر ہنر، ادائیں، مسکراہٹیں، جلوتوں اور خلوتوں کے سودے کرتے ہیں۔ تم شاید نہیں جانتے ایک طوائف کو اپنا پیشہ کمانے کے لیے بہت کم عرصہ دستیاب ہوتا ہے۔ محض چند سال شباب اور پھر بہت سے لمبے برس بڑھاپے کے ذلیل عذاب کے ------ اسی مختصر مدت میں وہ سب کچھ کر لینا چاہتی ہے۔"

کالے خان، اس کی تلخ حقیقت سے لتھڑی پتھروی باتیں سن کر حیران سا سوچ رہا تھا کہ اک جہاندیدہ طوائف سے بہتر عزت ذلت، آغاز و انجام، اچھائی برائی اور محبت و عقیدت کو کون جانتا ہوگا۔ ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا......!

"کالے خان! میرے یہاں ہر قسم کے قدردان آتے ہیں اور مجھے ان کی پسند، ناپسند کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ کچھ قدردان اپنے اور میرے درمیان کسی تیسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتے...... وہ کھری چاندی کی مہریں اور کھنکتی سونے کی اشرفیاں، خلوت کی شرط پہ ہی نذر کرتے ہیں۔"

کالے خان تڑپ کر بولا۔

"[illegible] استوار کی ہے۔"

"ہاں! کالے خان! تم ایسا کہہ سکتے ہو۔"

"ایسا کرو تم [illegible] اپنے چوبارے کے دروازے بند کر دو۔ یہی کچھ میں بھی تمہیں دے سکتا ہوں۔"

اک استہزائیہ سی ہنسی [illegible] نے جواب دیا۔

"یہ یک طرفہ تو ہو سکتا ہے، دو طرفہ نہیں۔"

کالے خان نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟ میں کچھ سمجھا نہیں......!"

"یوں سمجھو کہ تالی دونوں ہاتھوں سے بجے تو ترک کی آواز گونجتی ہے۔ یعنی میں بھی تمہیں قبول کروں تو بات بنتی ہے۔ تم قارون کا خزانہ بھی میرے قدموں میں ڈھیر کر دو تب بھی تم خشخاش کے برابر وہ توجہ اور اپنائیت حاصل نہیں کر پاؤ گے جو شری کشمیرے سنگھ کے لیے میرے من میں پیدا ہو چکی ہے۔ اب وہ مجھے چاہے یا کچھ بھی نہ دے تب بھی میرا تن من سب اسی کا ہے۔"

کالے خان، سفیداں بائی کی گفتگو سن کر حیران رہ گیا...... پہلے تو کبھی اس نے ایسی بیباک گفتگو نہیں کی تھی...... وہ پوچھ بیٹھا۔

''تم نے تو ابھی کہا تھا کہ طوائف کے لئے صرف اور صرف دولت ہی سب کچھ ہے؟''

''ہاں' کہا تھا...... اور اب بھی یہی کہتی ہوں۔ لیکن جب کوئی طوائف کسی کو اپنا میت مان لیتی ہے تو پھر اپنا سب کچھ اُس پہ قربان بھی کر دیتی ہے...... اور اپنے پلّے سوائے اُس کے پیار کے اور کچھ بھی تو نہیں رہنے دیتی......'' وہ بڑے پیار سے پوچھنے لگی۔

''کالے خان! تم میری کلا کے عاشق تھے یا میرے...... تمہیں یہاں کس نے باندھ رکھا ہے...... وہ عقیدت یا محبت...... جواب دو......؟''

وہ سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

''مَیں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم میری سُروں کی ملکہ ہو۔ تمہارے سُر...... تمہارا انمول سنگیت میرے بیکل من کو شانتی دیتا ہے...... مَیں نے تم سے تمہارا جسم اور تمہاری سندرتا نہیں چاہی۔ بس یہی کہ مجھے اپنی سنگیت سبھا میں بیٹھنے دیا کرو۔''

''مَیں کشمیرے سنگھ کی موجودگی میں کسی کا بھی وہاں بیٹھنا پسند نہیں کرتی...... اور ہاں' شاید مَیں بہت جلد اس بازار اس کوٹھے چوبارے سے بھی اُٹھ جاؤں...... مجھے شدّت سے محسوس ہوتا ہے کہ مَیں اور کشمیرے سنگھ [illegible] ہے ہیں اور اب ایک دوسرے کے لئے ہی جئیں اور مریں گے۔''

وہ کچھ ٹھہر کر پھر کہنے لگی۔ ''اگر تم چاہو تو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا' اپنا آگے کا راستہ مت کھوٹا کرو۔ دیر بدیر میں شاید یہ دھندا چھوڑ کر کشمیرے سنگھ کی حویلی منتقل ہو جاؤں۔ ظاہر ہے کہ مَیں تمہیں اپنے ساتھ وہاں نہیں لے جا سکوں گی اور یہاں میرے پیچھے ان بازاری لوگوں کے ساتھ تم نہیں رہ سکو گے...... بولو! کیا کہتے ہو' خوب سوچ کر جواب دینا......؟''

وہ بڑے سکون و تحمّل سے سب کچھ سنتا رہا...... پھر اسی دھیرج سے بولا۔

''میری سُروں کی سرکار! مَیں نے تو اسی دن واپسی کی ساری کشتیاں جلا ڈالی تھیں جس دن تمہارے نام کا قرعہ ڈالا تھا اور پھر مجھے یہاں بابا بالی شاہ اور جموں را کالوں نے باندھ لیا ہوا ہے۔ مَیں نے اب کہاں جانا ہے۔''

پھر وہ اسے اک حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم یہاں سے چلی بھی جاؤ' مگر رہو گی تو میرے دل میں...... اسی جموں میں اور مَیں جانتا ہوں کہ تم بابا بالی شاہ کے دربار پہ حاضری دیئے بنا نہیں رہ سکتی...... مَیں یہاں سے اُٹھ کر وہاں جا بیٹھوں گا۔ جہاں سے

مجھے تیرے سنگھ تو کیا...... مہاراجہ کشمیر بھی نہیں اُٹھا سکتا۔"

● وقت کی چماری چھپاوتی......!

مطربۂ وقت کی نغمہ ریزیاں کبھی نہیں تھمتیں۔ اس کے زمزموں کے دمدمے ہر لحظہ دہلاتے رہتے ہیں۔ اس کے الاپ، تان، پلٹے اور مُرکیاں مختلف انگوں، رنگوں...... جگہوں، شکلوں میں جلوہ نما ہوتی رہتی ہیں۔ تارِ نفس سے نکلا ہوا ہر نقرہ پہلے نغمے کا اک نیا روپ ہوتا ہے جو ہر لحاظ سے جُدا سا، علاحدہ...... مگر دیکھنے محسوس کرنے سے یکساں ہی لگتا ہے۔ پہلے قدم کے بعد کا ہر قدم پہلے اُٹھنے والے ہر قدم سے مختلف ہوتا ہے۔ پچھوا، چھوٹے بچھڑے نے پگ دھرتا، رواں دواں کم ہی محسوس ہوتا ہے۔ مگر وہ صدیوں کے فاصلوں کو یوں طے کر لیتا ہے کہ انسان کی تیز طرار عقل بھی ششدر سی رہ جاتی ہے۔ ہبوطِ آدم سے لے کر آج تک کروڑوں، کھربوں سال بیت گئے مگر گزرتے ہوئے کبھی محسوس نہیں ہوئے۔ ہر دور کے انسان نے ہر لمحہ ہر لحظہ خود کو تازہ دم محسوس کیا اور [illegible] جیسے وقت اس پہ پہنچ کر تھم سا گیا۔ بس [illegible]

چیونٹی کی چال چل کر چماری چھپاوتی، چنبل کی پہاڑیوں سے چلا، اس تک آ پہنچی تھی۔ اسے بس یہی محسوس ہوا کہ اس راہ میں صرف ایک پگ ہی چلی۔ وقت بڑا منہ زور ہوتا ہے، اس کا کھٹ میٹھا سواد...... نہ چکھے بنے اور نہ چھوڑے۔ یہ بنت کے تماشے دکھاتا ہے، [illegible] انہونی کو ہونا اور ہونے کو انہونا کر بنا دیتا ہے...... وقت کا پیٹ ہمیشہ اسرار و رموز، حکمت و مصلحت، نفرت و محبت، شقاوت و شفقت اور عداوت و عدالت سے بھرا رہتا ہے...... اس کے ایک ہاتھ خنجر اور اس کے دوجے ہاتھ مرہم...... کبھی زہر اور کبھی تریاق...... نجس، کبھی پاک...... کبھی وفا ہے اور پھر یہی دغا ہے۔ یہی صبر، یہی جبر...... کبھی ثواب اور کبھی عذاب...... یہ دوست بھی اور یہی دشمن...... ان دنوں یہی ہوا عجب وقت، سفیداں بائی کے سر پہ ہما جیسے کسی پرندے کا پرتو بنا ہوا تھا...... وقت دوست بن جائے تو دشمن بھی جی جان بن جاتے ہیں۔ جو بیجو تو گندم، پیتل چھولو تو کندن بن جاتا ہے۔ گلی کی چھتری پہ شیرازی کبوتریاں اور لکے کبوتر اُتر آتے ہیں...... کمیٹی کی پرچی نکل آتی ہے...... بھینس [illegible] دیتی ہے...... عمرے کا ٹکٹ، قرعے میں نکل آتا ہے اور ڈوبی رقم تر جاتی ہے...... سفیداں بائی کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا...... وقت کی سکندر بختی نے اسے کوٹھے سے نکال کر حویلی میں لا اُتارا تھا۔

پرکھوں کی نشانی پرانی حویلی کا اب نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ ڈیوڑھی، تھڑے، محرابیں، غلام گردش، جھروکے اور اونچی کاٹھ وبام کے وسیع وعریض کمروں کو ایسی خوبصورتی اور نفاست ومہارت سے آراستہ کیا گیا کہ قدامت اور جدیدیت دونوں کے انداز ومحاسن بڑی دلفریبی سے اُبھر کے سامنے آ گئے تھے۔ لان اور وسیع باغیچے میں کشمیر کے قیمتی خوش رنگ پھل پھولوں کے درخت، پودے اور جھاڑ جھالرے کچھ ایسی ترتیب وترکیب سے استادہ وآراستہ تھے کہ نظارہ کرنے والا صاحب خانہ کے ذوق وجمال اور حسنِ نفاست کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ پرانی وضع قطع کا کشمیری مسلمان ملازم، پہلگام کی دو مامائیں، سری نگر کا رسوئیا اور خبرداری پہ مامور مسلح گورکھا...... گاڑی بان، سائیس، گجرے، سہرے سنگار کے لئے گلمرگ کی مالن۔ ہر حکم بجالانے پہ معمور ومستعد، خدام اور تن من دھن سے عاشق، کشمیرے سنگھ سا شوہر...... سفیداں بائی کو اور کیا چاہئے تھا؟

کشمیرے سنگھ نے صرف دو باتیں کی تھیں۔ ایک یہ کہ وہ اُس سے کورٹ میرج کرے گا اور اپنا دھرم نہیں بدلے گا۔ دوسری یہ بات...... کوٹھے سے اُترنے کے بعد وہ اپنا ماضی فراموش کر دے گی...... اپنے ڈیرے کوٹھے بازار یا کسی قبیلے کے کسی فرد سے کوئی تعلق رابطہ باقی نہیں رکھے گی۔ کشمیرے سنگھ نے لاکھوں کی جائیداد زیور، ہیرے جواہرات سفیداں بی بی کے قدموں میں ڈال دیئے۔

سفیداں بائی نے اپنے دین دھرم پہ قائم رہتے ہوئے کشمیرے سنگھ سے بیاہ کر لیا تھا...... بیاہ بھی کیا تھا اک چھوٹی سی تقریب تھی جس میں کشمیرے سنگھ کے چند قریبی دوست اور رشتہ دار شامل ہوئے۔ سفیداں بائی کی جانب سے ایک کشمیری مولوی صاحب اور ایک نیم نابینا قاری صاحب جو اسی بازار کی نکڑ والی مسجد میں خادم، مدرس، موذن اور امام بھی تھے۔

سہاگ رات، کشمیرے سنگھ نے اُسے ایک بیش قیمت الماس کی انگشتری تحفہ میں پہنائی تھی۔ اسی انگلی میں جدھر کبھی اُس کی ماں کی دی ہوئی انگوٹھی ہوا کرتی تھی۔ جو گم ہو چکی تھی اور بالکل ایسی ہی انگوٹھی اُسے کالے خان کی انگلی میں پڑی ہوئی دکھائی دی تھی...... پوچھنے پہ اُس نے بتایا تھا کہ یہ انگوٹھی اُس کے مرحوم باپ نے اُس کی مرحومہ ماں کو کبھی خود پہنائی تھی۔

بالکل اسی سمے سہاگ رات اُسے کالے خان یاد آ گیا۔ نادان، معصوم...... اگر وہ یہ انگوٹھی والا راز جان جاتا تو اُس پہ کیا بیتتی۔ سفیداں بائی پہ تو اس لئے کچھ خاص اثر نہ ہوا کہ اُس کے پیشے میں رشتوں ناتوں کو کچھ اہمیت نہیں دی جاتی اور اگر وہ کچھ اہمیت دینا بھی چاہتی تو اب حالات کی پن چکی کو پاٹ ہوا بہت زیادہ گھما اور گھسا چکی تھی۔ اب تو محض یک طرفہ سانجھے خون کا ہلکا سا احساس و بھرم قائم رکھنا بھی بڑی بات تھی۔

سفیداں بائی اسے بصد مجبوری و کراہ نبھا رہی تھی۔

یہ کشمیرے سنگھ والا معاملہ بھی شاید اس کے لاشعور میں اُبھرتی ہوئی کسی خلش خدشے کا ردِ عمل تھا۔ [illegible] وہ کالے خان کا سامنا کرتے ہوئے کتراتی تھی۔ آخر تھی تو اشراف کا خون ...... اب یہ علیحدہ سی بات تھی کہ اشراف نے اپنا خون کس گندی موری میں انڈیل دیا تھا۔ کہتے ہیں کہ رذیل کیسا بھی شرافت کا لبادہ اوڑھ لے وہ اپنا اصل رنگ ڈھنگ چھپا نہیں سکتا۔ جبکہ شریف خاندانی انسان کیسے بھی معاملے میں یا کیسے بھی بُرے [illegible] یہ حالات کا شکار ہو۔ وہ اپنی نسبی حسبی خُوشبو مہک کو لکا نہیں سکتا۔ بھلا مانس اپناسَم ہمیشہ خیر و خول پہ ہی رکھے گا۔ جیسا کہ کالے خان نے بھی اپنی بات کے تلے کی مٹی نہیں چھوڑی تھی۔ سفیداں بائی ادھر چوبارے کی سیڑھیوں سے اتر رہی تھی تو وہ پچھارے جانب چند تصویرِ بُتاں جو سفیداں بائی کی تھیں اور اپنا برائے نام سا جینا بغل میں دبائے کوٹھے اور کوٹھری کو الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوا نکل رہا تھا ...... جبکہ سفیداں بائی بھی اس کی دی ہوئی جانگل کانچ کی سُرمہ دانی ' اپنی دستی تھیلی میں ڈال لائی تھی۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا اپنے ڈیرے کے ڈولے میں ڈال دیا تھا۔ رخصتی کے وہ چپ چاپ راضی برضا سا اپنے بے شرم [illegible] کے پاس کھڑا سفیداں بائی کو کشمیرے سنگھ کے تانگے پہ سوار ہوتے دیکھتا رہا [illegible] وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیسی [illegible] ہے جس کی [illegible] ...... وہ یوں [illegible] تانگے میں بیٹھ گئی تھی جیسے بازار سے سودا سلف لینے کے لئے جا رہی ہو۔ مگر ہاں اس نے اک [illegible] کا دیا ہوا اک سو [illegible] کی جتھ پوٹلی میں تھا اور یہی واحد چیز تھی جسے وہ اس کوٹھے سے لے کر نکلی تھی ...... سرمہ دانی! ...... کپکپاتے ہاتھوں کالے خان نے اسے الوداع کہا ...... اس نے بھی پھیکی سی مسکراہٹ سے اسے جواب دیا تھا پھر جب تک تانگے کا پچھواڑا دکھائی دیتا رہا ...... وہ دم بخود کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ اک لمبی سی سانس کھینچتے ہوئے بابا بالی شاہ کے مزار کی جانب چل دیا۔

- سوچ فقیر دی' مرضی بے پیر دی ......!

سفیداں بائی کو دی ہوئی سُرمہ دانی بھی خوب تھی ...... اسے یاد تھا کچھ عرصہ پہلے ایک جمعرات کے [illegible] کے ویلے وہ سفیداں بائی کی معیت میں بابا بالی شاہ کے مزار پہ حاضر ہوا تھا۔ وہ اندر بر آمدے میں مجذوبوں کی سنگت میں پڑ گئی۔ یہ باہر تاروں اور پیڑوں کی چھاؤں میں سنتوں جگتوں درویشوں کی صحبت میں دم کش دھرنے بیٹھ گیا۔ یہیں ایک ننگ دھڑنگ مجذوب بھی اپنے آپ میں مست سا پڑا ہوا تھا ......

آلے دوالے والوں سے پتہ پڑا کہ چند روز پہلے کہیں اُوپر کے برفانی پہاڑوں سے نیچے اُترا ہے۔

یہ مجذوب بابے بھی شاید دیوانوں اور فرزانوں کے مابین کی کوئی چیز ہوتے ہیں۔ جہاں لنک گئی وہاں لٹ گئے اور جدھر ٹھیر پڑی اُدھر ہی ٹھٹھک گئے...... من چلنے پہ چل پڑے اور نگہ ٹھہرنے پہ ٹھہر جاتے ہیں — کچھ جان نہیں پڑتا تھا یہ بابا ہندو ہیں یا مسلمان؟ شاید ایسے مجذوبوں کو مذہبی کھکھیڑوں میں پڑنے سے کوئی دلچسپی بھی نہیں ہوتی۔ جٹا دھاری کہ مُنہ ماتھا ناک نقشہ کچھ بھی تو واضح دکھائی نہیں دیتا تھا...... ہڈیوں پہ منڈھی کھال...... میلے کچیلے چیکٹ میں گندھے ہوئے بالوں کا دلدلی جنگل...... ہتھیلی سے ذرا چھوٹی چمڑے کی دھجی تلی سے چھپی ہوئی ناف کے نیچے لٹک رہی تھی۔ سینگوں کی مانند مڑے تُڑے غلیظ مکروہ ناخن آپس میں گتھم گتھا لعاب دہن سے لتھڑی پتھری مونچھیں۔ داڑھی کے ریشوں بھنوؤں اور تکدر و تعفن کے اُٹھتے ہوئے بھبھکوں سے پتہ چلتا تھا کہ بابا برسوں صفائی ستھرائی کے قریب نہیں پھٹکے۔ سر کی جھاؤں اور پنڈے کے زرد رو بے تحاشا بڑھے ہوئے بالوں سے بھی یہی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ پیر فرتوت کہیں برفانی پہاڑوں کی اندھیری کھوئی غاروں میں برفانی ریچھوں کی ساجھے داری میں بسر بسرام کرتے رہے ہیں۔ جوگی سنیاسی فقیر درویش وغیرہ پہاڑوں سے نیچے وادیوں میں اُترتے رہتے ہیں۔ کبھی ایک لوک [illegible] سے سنا تھا اس کا معنی خیز سا بول [illegible]

جوگی اُتر پہاڑوں آیا' سُنیا تیری نور ویکھ کے

پہاڑوں سے اُترنے والے جوگی لوگ کچھ اس طور ننگ دھڑنگ بھی نہیں ہوتے کہ کوئی آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکے...... ان کے ہاں [illegible] ستر پوشی کا اہتمام بہرطور ہوتا ہے مگر مجذوب تو جیسے ہر شے سے بے نیاز سا ہوتا ہے۔ اسے احساس و احتمال' خوف و خجالت' تکلف و تردد سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ جب نظر ہی کچھ نہ آوے' سُنائی ہی کچھ نہ دے' سوچ و سمجھ کے سوتے ہی خشک پڑے ہوں اور اندیشہ سُود و زیاں کا فور ہو جائے...... اپنے پرائے کا مفہوم' منی اور مَن و تُو کی تکرار متروک ہو جائے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے؟ — بارے شاید پھر باقی جذبات کا جذام ہی رہ جاتا ہے۔ ہوش کی خبر جب بہش...... اور بہش کا خروش جب خرگوش بن جاویں تو پھر جذوب اُلٹے پڑے کچھوے کی حالت باقی بچ جاتا ہے۔ جو لاکھ کوشش کے باوجود پھر بچ نہیں سکتا...... کارٹر پلر' کنکھوڑے اس کا لذیذ گوشت چٹ کر جاتے ہیں...... اور کاسہ سر مانند اک پیالا باقی بچ جاتا ہے جو برسات کی رم جھم ہو' مقدر سے چند قطرے قیام کر جائیں تو قلزم دکھیں...... ورنہ دھول مٹی' گرد و غبار میں کرن ذرے دھوپ میں چمکتے دکھائی دیتے ہیں...... جنہیں جہل اندھے...... کہکشاں کے جھومر تعبیر کرتے ہیں۔

یہ بھی کوئی ایسا ہی مجذوب تھا جس سے اتفاقاً کالے خان کی مڈھ بھیڑ ہو گئی تھی۔ ہر چند مجذوب کی اپنی مخصوص ترنگ یا رنگ انگ ہوتا ہے۔ اس مجذوب بابے کا رنگ یہ تھا کہ اس کے سامنے ایک خاصی تعداد میں سرمہ دانیوں کی ڈھیری پڑی تھی۔ لکڑی' لاکھ' کانسی' پیتل' مٹی...... رنگین منقش کی مختلف چھوٹی بڑی سرمہ دانیاں وغیرہ۔ جیسے مجذوب نے بیچنے کی خاطر دوکان سجا رکھی ہو...... کالے خان پرے بیٹھا دیکھا کیئے کہ جو بھی مجذوب کے چرن چھونے آتا وہ کوئی نہ کوئی سرمہ دانی ضرور نذر گزارتا...... یہ ترنگ میں ہوتا تو نذر قبول کرکے سرمہ دانی سے سلائی کھینچ کر پپوٹوں پہ پھیر لیتا اور سرمہ دانی سامنے پڑے ڈھیر میں ڈال دیتا...... اور اگر ترنگ میں نہ ہوتا تو نہ نذر پہ نظر ڈالتا اور نہ ہی پیش کرنے والے ''نذیر بیگ'' کو نظروں میں لاتا۔

کالے خان تو یہی سوچ کر اس کے پاس بیٹھا تھا کہ کوئی الوپ انجن' ممیرے کا سرمہ بیچنے والا سوانگ رچائے بیٹھا ہے۔ ابھی اس کا بیان شروع ہو گا جو اس کے سرمے کی سلائی پھیرنے والے اندھے کو دن میں [illegible] شب فراق کے مارے کو صبح وصال کی نوید سناتا ہو گا...... کچھ دیر وہ اس کے بیان کے انتظار میں بیٹھا سرمہ دانیوں والا عجائب خانہ دیکھتا رہا...... جب اکتا گیا اور مجذوب نے بھی اسے گھاس نہ ڈالی تو وہ [illegible] پوچھنے لگا۔

''بابا جی! آپ کچھ بیچتے ہو یا صرف سرمہ دانیاں ہی سامنے ڈال رکھی ہیں؟''

مجذوب نے جیسے سنا ہی نہ ہو۔ کالے خان اس کے جواب کے انتظار میں سرمہ دانیوں پہ نظریں جمائے [illegible]...... مجذوب کی جانب سے کوئی جواب تو نہ ملا البتہ اس کو ان ٹھکروں میں ایک نگینہ ضرور مل گیا...... ایک سیاہ کاٹھ کی بنی ہوئی سرمہ دانی...... جو اپنی طرز ساخت کے سبب ڈھیر میں یکتا دکھائی پڑی...... اس نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر اچک لی۔ گول مٹول چھوٹے آنولے سی' پیٹ کے نیچے پیندا ابھی گول اور [illegible]...... انجن سلائی کے اوپر بھی بیر بہوٹی کا ننھا سا پر جیسے سوکھ مکھ کر وہ سیاہ پڑ گیا ہو...... ابھی یہ اس [illegible] دی سرمہ دانی کو گھما پلٹ کر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک خونخوار پنجوں والا شکرا سا جھپٹا...... یہ مجذوب کے ترچھے ناخنوں والا ہاتھ تھا...... سرمہ دانی نیچے مٹی میں گر پڑی۔ اس اچانک حملے سے گھبرا کر [illegible] ایک دم ہاتھ جوڑتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''معاف کیجئے مہاراج! مجھ سے بھول ہوئی۔'' کہتے ہوئے وہ الٹے پاؤں واپس ہوا...... مجذوب [illegible] نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ کالے خان ابھی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ مجذوب وہیں بیٹھے بیٹھے دھاڑتے [illegible] لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس پریشانی اور ترشا ترشی میں آس پاس اور آنے جانے والے بھی تماشا دیکھنے [illegible] گئے...... کچھ دیر جب وہ خاک میں خوب لوٹ پوٹ ہو لیا تو بڑی دھیرج سے اپنی سیدھ بیٹھ گیا جیسے

اس کے غیض و غضب کی ساری گرم ہوا نکل گئی ہو۔ اس کی آنکھوں میں بھی اب گھورتا کی بجائے سنگھورتا تھی۔ ابرو گراتے، ماتھا متھراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پاس بلایا۔ یہ ڈرتا ڈرتا آگے بڑھا...... مجذوب نے ہاتھ بڑھا کر وہی سُرمہ دانی اُٹھائی اور اُسے تھماتے ہوئے، ہاتھ کی حرکت سے یہ اشارہ دیا کہ لو اِسے سنبھال کر رکھنا اور ہر روز اِسے استعمال کرنا۔

کالے خان کو تو جیسے کوئی نعمت ہاتھ لگی ہو، سُرمہ دانی مُٹھی میں دابی، چرن چھوئے اور وہاں سے چھو منتر ہو لیا۔ اِسی رات اُس نے سوتے سمے ٹرائی کا طور ایک ایک سلائی آنکھوں میں پھیر لی جبکہ سُرمہ تو اس کے اندر تھا ہی نہیں...... ساری رات اُسے عجیب عجیب سے سپنے دکھائی دیتے رہے، خاص بات یہ تھی کہ ہر سپنے میں سفیداں بائی کسی نہ کسی انگ سجاؤ میں ضرور موجود تھی...... خوشگوار، میٹھے میٹھے سپنے، اُسے لمبی رات ہلکی ہلکی پھوار میں بھگوتے رہے۔

صبح سویرے وہ اپنی کھٹیا پہ اکڑوں بیٹھا بڑے خوشگوار موڈ میں رات کے سپنوں کو تازہ کر رہا تھا مگر کسی ایک سپنے کی کوئی ہلکی سی گرہ بھی اس کے ہاتھ نہ آئی تھی...... بس اک سُنہری سی دُھند اور روپہلی کا غبار اُس کی یادداشت کے دریچوں سے چھن چھن کر باہر نکل رہا تھا، جیسے چھوٹی چھوٹی چنگاریاں، ملگجے ستارے، دُور کہیں جلتے بجھتے دیئے سے جگمگاتے ستاروں کی مانند اس کے ماتھے کے افق پہ اُبھرتے ڈوبتے اور پھر کہیں غائب ہو جاتے۔

اس صبح کالے خان کا پہلا درشن کرنے والی خوش قسمت ناری ورگی بھگتی درشنو تھی۔ صبح سویرے وہ اس کی کوٹھری کے سامنے سے گزرتی تھی...... پھر وہ سر پہ ٹوکری بوجھ اٹھائے، منہ سر ڈھانپے واپس اس کی ناک کے نیچے سے یوں چھلاوے کی مانند چھلپ سی گزرتی جیسے کسی کا کچھ لے کر جا رہی ہو۔ مگر اس عجلت میں بھی ماتھے پہ ہتھیلی رکھ کر پرنام کرنا نہ بھولتی۔

اس صبح جب پرنام کرنے سے پہلے اس کی نگاہ کالے خان پہ پڑی تو وہ کھسیانی سی ہنسی کی ٹلیاں بجاتی ہوئی اس کے قریب آئی، دیدے پھاڑے یوں اُسے تکنے لگی جیسے اُس چہرے پہ ناک کی جگہ گنیش جی کی سونڈ اُگ آئی ہو...... حیران ہوتے ہوئے بولی۔

”کھان صاحب! معلوم ہوئے پورا کاجل کوٹھا ہی اَکھین میں انڈیل لیو ہو۔“

پھر وہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہنے لگی۔

”اوئی میّا! اَکھین یوں جھانکت جیسے بھوتوا دیکھت پڑت ہے۔“

وہ نکلی تو یہ کوٹھری میں آئینہ پکڑ بیٹھا...... توبہ توبہ، رنگت تو پہلے ہی دھواں دھاندل تھی اب آنکھیں بھی

[illegible] جیسی ہو گئیں۔ سُرمہ دانی کا کاجل سُرمہ جو بھی تھا ایسے پھیلے ہوئے تھا جیسے سلائی سے نہ لگا ہو' قلعی سفیدی [illegible] سے پھیرا گیا ہو...... اب وہ سُرمہ دانی کے دوالے ہو گیا...... سُرمچو نکال باہر کیا' اندر جھانکا' ہلایا' [illegible] تھپتھپا دیے ہتھیلی پہ اُلٹا لُڑھکایا مگر کیا مجال جو شکرے کی آنکھ کے تل کے برابر بھی کوئی سُرمہ کا جل [illegible] ہو۔ سُرمچو کی سلائی' کلائی پہ پھیری...... ایسی صاف سُتھری کہ کوئی ہلکا سا نشان دھبہ تک نہ پڑا...... [illegible] تعجب سُرمہ دانی اندر باہر سے یوں صاف جیسے کسی نے خوب دھو دھا کر اسے افشاں بھرنے کے لئے رکھ [illegible] جب اس کی کھوپڑی میں کچھ نہ سمایا تو اسے شلوکے کی جیب میں ڈال کر نل کے نیچے آ بیٹھا' پانی کے [illegible] تو لیا...... غرضیکہ سو جتن کر لئے پر آنکھوں میں گھسی اور پپوٹوں پہ تھپی سیاہی نہ گئی...... اسے یہ [illegible] بے ہودہ اور بے کار سے لگنے لگے کہ کالک سیاہی اور چوکھی پڑ گئی تھی...... ایسے میں وہ مجذوب دھاڑ [illegible] کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ سارا دن وہ آنکھیں چھپائے کوٹھڑی میں پڑا رہا۔

عصر کی نماز کے بعد دالان سے گزرتے ہوئے کہیں سفیداں بائی کی نظر اس پر پڑ گئی تو وہ بھی [illegible] رہ گئی۔

[illegible] ذرا میرے [illegible] وہ ہونٹ سکیڑتے ہوئے بولی۔

[illegible] ...... یہ غزالوں کی آنکھڑیوں والی صحرائی کالک کہاں سے بھری۔ توبہ توبہ آنکھیں [illegible] کوٹھریاں...... کہاں سے اوڑھی یہ کالی گھٹائیں؟"

وہ اک خوشگوار حیرت میں گھری ہوئی اتنی قریب آ گئی کہ سانسوں کی تاریں آپس میں اُلجھنے لگیں [illegible] میدے ماوے اور میوے کے ملیدے کی پوٹ کے پاسِ انفاس کی مہک سے ایسا شاد کام ہوا...... [illegible] کہ وہ اس سے کیا پوچھ رہی ہے۔ بس یہ مزے مچا کے لے لے کر خوش ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس کی [illegible] بھانپتے ہوئے مسکرا کر رہ گئی۔

بات آئی گئی ہو گئی پھر اک اور اچنبھا ہوا' آنکھوں میں پھیلی اور پپوٹوں پہ تھپی ہوئی سیاہی خود بخود [illegible] ہو گئی اور آنکھیں پہلے والی حالت پہ آ گئیں۔ یہ اچانک تبدیلی بھی کالے خان کی سمجھ عقل سے بالا [illegible] اس نے رات پھر اس سُرمہ دانی کو آزمانے کی ٹھانی۔ خوب اسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا...... [illegible] روئی لگا کر اس کے اندر پھریری پھیری مگر اندر کچھ ہوتا تو سامنے آتا۔ وہ سوچتا رہ گیا کہ [illegible] اسے کیا جنتر منتری سُرمہ دانی تھما دی ہے جس میں سُرمہ کا جل تو نظر نہ آوے پر جب سلائی

پھیرلو تو آنکھیں سیاہی سے پوتی جائیں۔ پھر کالی گھٹا کی طرح خوب برس کر خود کھل بھی جائیں۔ اس کا دھیان ادھر بھی گیا، ہوسکتا ہے کہ اس کی کاٹھ یا سُرمچو میں کوئی چمتکار ہو...... اس رات اس نے پھر ایک ایک سلائی آنکھوں میں پھیر لی تھی...... نتیجہ وہی کہ صبح آنکھیں کاجل کوٹھڑی بنی ہوئیں...... دو چار روز بعد اسے یہ بھی محسوس ہوا کہ جب سے اس نے یہ سُرمہ دانی استعمال کرنی شروع کی ہے تب سے اسے ایک خوشگوار سے خنکی اور تراوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ دل دماغ جیسے روشن روشن رہنے لگے ہوں۔ سپنے بھی سہانے آنے لگے تھے۔ گویا یہ جادوئی سُرمہ دانی اس کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔

سفیداں بائی کے بعد اگر اسے کسی کی چنتا لگی رہتی تو وہ یہی سُرمہ دانی تھی جسے وہ بڑی حفاظت اور محبت سے خوشبودار روئی میں لپیٹ لپاٹ کر شلوکے کی اندرونی جیب میں ڈالے رکھتا تھا۔

انہی دنوں وہ جمعرات کو ایک خاص اہتمام سے بابا بالی شاہ کے مزار پہ پہنچا کہ مجذوب بابا کے چرنوں میں بیٹھے گا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ مٹھائیاں بھی لیتا گیا تھا مگر وہاں آستھان خالی تھا...... کسی پاس سے پتہ چلا کہ بابا ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند کہیں سے آیا تھا اور پھر جانے کب آندھی کے جھکڑ کی صورت کہیں غائب ہوگیا۔ فقیروں، درویشوں کے آنے جانے کا تھوڑا [illegible] کیا معلوم ہو [illegible] ہی کے دوست ہوتے ہیں [illegible] اپنی ذات کی حفاظت کے لئے [illegible] کی تو ہوتے ہیں۔

جو ہوا سو ہوا اب سُرمہ دانی کی اہمیت اور حفاظت کی خاطر اس کی نازک سی گردن میں چاندی کی زنجیر ڈال دی، اسی زنجیر میں پہلے سے خلال اور کن کھرو تری کی سلائیاں بندھی ہوئی تھیں اور یہ عین سینے پہ دل کی جگہ لٹکتی رہتی تھی۔ اب رات کو لیٹتے ہی آنکھوں میں سلائی پھیرنا اس کا معمول بن چکا تھا...... آنکھوں میں جوت جگا کر رات بھر خوب مزے مزے کے سپنے دیکھتا رہتا اور اب تو آمنا سامنا کرنے والوں نے بھی اس کی آنکھوں کی کالک پہ بات کرنی چھوڑ دی تھی۔

ایک دوپہر کڑاکے کی گرمی اور لو چل رہی تھی۔ کوٹھے اور کوٹھڑیوں کے مکین دم سادھے اپنے اپنے ٹھکانوں میں دبکے پڑے تھے...... ویسے بھی پیشہ داروں میں، جن کی راتیں جاگتی ہیں وہ دن کے اجالے میں جاگنا مکروہ گردانتے ہیں...... ابابیلوں، چمگادڑوں، جھینگروں اور خون آشاموں کی طرح یہ جھٹپٹے اور رات کو ہی اپنی اونگھ توڑتے ہیں...... بازو دائیں گال کی نیچے دبائے وہ بھی اونگھ رہا تھا کہ تند لو کی ایک آتشیں لہر کی طرح لہراتی ہوئی ایک ملازمہ آئی اور پیغام دیا کہ بائی جی اس کو یاد کر رہی ہیں...... ہڑبڑا کر اٹھا پوچھنے لگا۔ اس وقت...... خیریت تو ہے؟ سوچنے لگا اس دوپہر سے پیشہ داروں میں فوتیدگی بھی ہو جائے تو میت کو شام تک ڈھانپ کر آنکھ میچے پڑے رہتے ہیں کہ آرام و قیلولہ میں کھنڈت نہ پڑے۔ وہ مزید جانکاری کے لئے پوچھنے لگا۔

"آخر پتہ چلے کہ ہُوا کیا......؟"

وہ نازک سی ناک سکیڑتے ہوئے بولی۔ "دشمنوں کی طبیعت ماندی ہے۔"

"کچھ مُنہ سے بھی تو پھوٹو ہُوا کیا ہے......؟" وہ اُٹھتے ہوئے دھاڑا۔

"خود چل کر دیکھ لو...... صبح سے چھپر کھٹ کی پٹی سے لگی پڑی ہیں۔"

بھاگم بھاگ پہنچا تو دیکھا سفیداں بائی چت پڑی ہے' ایک ملازمہ آنکھوں پہ برف کے پوٹلے سے ٹکور کر رہی تھی۔ آنکھوں کے پَٹ بِچے پڑے تھے۔ کالے خان کی آہٹ پا کر کہنے لگی۔

"کنپٹیوں کے پچھے کھنچے پڑے ہیں۔ آنکھوں کے ڈیلوں میں ڈگل مگل ہو رہی ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا چارہ کروں...... کچھ تم ہی اپنی اٹکل سے چارہ کرو۔"

کالے خان کیا کہتا...... علاج معالجہ تو توں تو تکوں سے اسے کیا واسطہ...... پہلے آنکھیں ٹکا ٹکر ٹکر دیکھتا رہا پھر کچھ ساعت لے کر بولا۔

"بولو تو [illegible] ہاتھ سے گدی ماتھا سہلا دوں......؟"

سفیداں بائی منگتے ہوئے کروٹ بدل کر بولی۔

"[illegible] یہ [illegible] سب جسم [illegible] پوری [illegible] سمجھاؤ [illegible] میری آنکھیں بھینچنے کو آ رہی ہیں۔"

وہ آنکھیں بند کر [illegible] کی مانند پٹپٹاتے کچھ یاد کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"سفیداں بائی! ہمارا جب [illegible] آنکھیں [illegible] کنپٹیاں اس طرح دُکھی پڑیں تو اماں میٹھے کڑوے تیل سے گردن کی رگیں کنپٹیاں پچر کر ہلکے ہاتھ سے مالش کر دیا کرتی تھیں' پھر گھڑی دو گھڑی آنکھیں مُوند لیتے تو سکون پڑ جاتا تھا...... اب پچھلے سنیچر وار کو میرے سر کا کدو پھٹنے کو آ لگا تھا۔ میا' جورو کہاں میٹھے تیل کا کھکھیڑ کرتیں۔ پس باوا کی سُرمہ دانی سے سُرمچو کھینچا اور آنکھوں سے چھوا لیا تھا۔"

"سُرمچو کا سُرمندے اور ڈیلے کی دُکھن سے کیسا سمبندھ...... کالے خان؟" سفیداں بائی نے آنکھیں میچے میچے اُوبتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"یہ کچھ تو میں نہ جانوں...... پر تو اتنا پتہ ہے کہ سُرمہ' سُرمہ دانی اور سُرمچو بھی سُر سے شروع ہوتے ہیں۔ جیسے طبیعت' تیوروں کی تکھت کو کوملُ سُروں کی کوملتا شانت کر دیتی ہے۔ ایسے ہی میرے بابا کی سُرمہ دانی بھی میری شوریدگی سُرگردانی کو سرد کر دیتی ہے۔"

آنکھیں جھپکتے ہوئے سفیداں بائی' تکیہ چھوڑ کر اُٹھ بیٹھی۔ عجیب عجیب نظروں سے اسے تولتے

ہوئے گویا ہوئی۔

''چہ خُوب! دکھاؤ تو سہی ذرا اپنی کرشماتی سُرمہ دانی...... بہت چرچا کیئے ہو تم اس کا...... ہم بھی دیکھیں اس کا سُرمچو پھیرنے سے کیسے جادو بولتے ہیں آنکھوں میں۔''

چُرمُر شلوکے کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال اس نے سُرمہ دانی باہر کی...... سفیدان بائی سُرمہ دانی کو یوں گھورنے لگی جیسے کالے خان نے اژدہا سانپ کا اَتھرا بچہ اپنی نیم کھلی مٹھی میں بھینچ رکھا ہو...... گہری سانولی رنگت یوں بانکی چھریری کہ بیکانیر کی سانڈل سانڈنی کی تھوتھن میں سے کسی نے بلاق نکیل گھسیٹ باہر کی ہو...... یوں بھی کہ لکھنؤ کے کسی پشتینی نواب کے خلوت خانے میں چھپرکھٹ کی بغل استادہ ڈیڑھ دونی مہاگنی کی منقش دیوارگیری کی محراب کلسی...... کسی بالک کے پنگھوڑے کی ٹوٹی میناری یا کسی کافرستانی دوشیزہ کے بالوں کے لڑو سے اترا ہوا موگرہ پھمّن...... حُسن کی کچھ ساخت و تجلّی سے محظوظ ہونے کی خاطر سفیدان بائی نے اُسے کالے خان کے ہاتھ سے اُچک لیا۔ کیا اس کا گھماؤ، بہاؤ اور پیٹ تھلا تھا۔ [illegible] کی گرن پہ کنول...... اور بیچوں بیچ اترا ہوا [illegible] مرغ زریں کی سی ستواں سی کلغی...... اس کا ملائم اور ملامت آگیں سا لمس [illegible] بڑا بھلا محسوس ہوا...... سُرمچو ہلکا سا گھما کر باہر کیا۔ آنکھ بھر لمبائی کا سُرمچو، کسی سُرمہ کاجل سے یکسر [illegible] تھا۔ حیرانی سے دوبار سُرمچو [illegible] نہائے دھوئے سُرمچو وہ اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ پھر اسی حیض بیض میں آنکھوں میں پھیر لیا تھا۔ پھر سُرمہ دانی مٹھی میں دبائی اور تکیئے پہ [illegible] کر پڑ گئی...... پھول ایسے بُوجھ کے سرے ابھی تکیئے پہ ٹکوٹ بھی نہ پڑی تھی کہ وہ اُچٹ سی سرشاری سے اُٹھ کر بیٹھ گئی...... کیف کی گرہ میں پڑی ہوئی ہرنی کی مانند پٹ پٹ آنکھیں پھیلانے سکیڑنے لگی...... اُسے یوں لگا آنکھوں میں کافوری دُھند سی اُترنے لگی ہے، برف کے ننھے ننھے پھولے گالے...... چھوٹے چھوٹے پھاہوں کی مانند چھونے لگے ہیں...... دیکھتے ہی دیکھتے یہ سلسلہ آنکھوں کے دریچوں سے پرے سر دماغ کے شوریدہ صحرا کی جانب دراز ہوتا ہوا محسوس ہوا...... سکون اور سکت کی ہلکی سی کپکپاہٹ کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں خود بخود مُندھ گئیں اور وہ تکیئے سے ٹیک لگا کر کہنے لگی۔

''سُبحان اللہ! کالے خان میرا سارا دُکھ درد جاتا رہا...... یہ کیسا چمتکار ہے اس سُرمہ دانی میں۔''

پھر چومتے ہوئے اپنے گال سے مس کرتے ہوئے کہا۔ ''بھئی! یہ تو اب ہماری ہو...... بولو کیا لیتے ہو؟''

کالے خان نے بچوں کی مانند خوش ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''سچے موتیوں کی مانند سُروں کی سرکار! تم نے اسے سویکار کر کے میرا مان بڑھا دیا ہے۔''

کالے خان ابھی اپنی بات پوری طرح کہہ بھی نہ پایا تھا کہ رام دلاری حیرت سے بولی۔

"اوئی بی بی! تمہاری آنکھوں پہ کیا بیتی؟"

"کیا ہوا......؟" کہتی ہوئی نسیم اس بگٹٹ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ پٹ پٹا کر جھانکا...... آنکھیں کاجل کوٹھڑیاں بنی ہوئی تھیں۔

"ہائیں! یہ کالک کہاں سے پُت گئی۔"

اردگرد سب ہونقے کھڑے دیکھنے لگے۔ آئینے کے سامنے کھڑے کھڑے ہی کئی رنگ اُبھرے، چھپے، ابھرے ڈوبے...... پھر دیکھتے ہی دیکھتے اِک نویلی سی رُت آنکھوں میں ٹھہر کر رہ گئی جو دیکھنے میں بڑی بھلی لگتی تھی۔ ایسی کجلی اور سرمئی رُتیں بیکانیر کے روہی سانبھروں کی وحشت بھری آنکھوں میں امڈ امڈ آیا کرتی ہیں۔

سُرمے اور کاجل کے بارے میں یہ جان پایا کہ ان دونوں میں بھلا چلا یا ہوتا ہے...... سُرمہ از قسم پتھر اور کاجل از نوع دھوئیں کی کالک ہوتا ہے۔ سنگ پہ سیاہی سُدھ سُدھ سے تو سنگ کٹھا، ورنہ بھار اُتارا...... سُرمہ تیر کا تحفہ...... اور کاجل دھار کی کٹار...... دیکھیں تو سُرمئی آنکھوں اور کجرائے نینوں میں قیامت کا [illegible] ہوتا ہے۔ ایک سُرمہ جو کھرل کی [illegible] میں پس [illegible] ہوتا ہے جبکہ کاجل [illegible] کاجل کوٹھڑی میں سب کی [illegible] ہوتا ہے [illegible] اور جبھی کہ سُرمہ سیہ سلائی کیا جاتا ہے جبکہ کاجل منت کش انگشت حنائی ہوتا ہے۔

- حضرت بلؒ اور بابا [illegible]

شری نگر کی ڈل کئی ایک لحاظ سے دنیا کی ایک منفرد جھیل ہے۔ اس کے پُرسکون پانیوں پہ تیرتے ہوئے کشتورا مچھلیوں کی مانند شکارے، چھوٹی بڑی بانکی چھبیلی چھبیلی بیڑیاں، شکارے، پہلوانوں کی ڈیل ڈول والے جہازی بجرے، کاغذی کشتیوں کی طرح دائیں بائیں ڈولتے ہوئے کا ہو کے ڈوبے اور پُرشکوہ بلند و بالا تیرتے ہوئے ہوٹل اپنی ایک الگ ہی دنیا بسائے ہوئے ہوتے ہیں، مرغابیوں کے پرے کے پرے...... خوش رنگ ہنسوں، بگلوں اور دریائی چڑیوں کی چہکاریں...... سرسبز گلپوش کنارے...... سیبوں، خوبانیوں، آلوچوں، باداموں اور آڑوؤں کے نظر نواز شاداب پیڑ، کنولوں کے تیرتے ہوئے بھیگے جادو...... سرو و سمن لالہ و گل کی مست بیز مستیاں...... یہاں کے نشیلے رسیلے موسم، گدرائی ہوئی رُتیں، آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے بادل، پھواروں کی جھڑیاں، سر بفلک برف پوش پہاڑوں پہ چناروں کے دلفریب نظارے۔ مترنم گنگناتی ہوئی فرحت بخش

ہوائیں، قوسِ قزح کے رنگ لہریے...... اور خوش نوا طیوروں کی نغمہ ریزیاں...... مرغزاروں میں بھیڑیں، جگنوؤں کے جھالے، رسالے۔ یوں لگتا ہے جیسے فطرت نے اپنے سارے رنگ ترنگ، نعمتیں، برکتیں، صباحتیں، ملاحتیں اس جنت نظیر کشمیر کو بخش دی ہیں۔ انسان قدرت کی اس صناعی، فیاضی، دلکشی، دلربائی کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا ہے اور پھر بھیگی رُتوں میں گوجریوں کے ”ٹپے“، بول بولیاں سُن کر اور ان کا سادہ مگر پرکار حُسن و جمال محسوس کر کے یہیں مرنے جینے کو جی چاہتا ہے۔

● کشمیر، ارضی جنت کا بل پیر......!

میں اس کشمیر جنت نظیر کا ایک دیوانہ ہوں۔ خاص طور پہ سری نگر، گلمرگ اپنے حُسن و جمال، محلِ وقوع اور موسمی اعتدال کی نسبت سے ہمیشہ میری ترجیح رہے ہیں...... پھر یہاں کی مساجد، مزارات اور خاص طور پہ حضرت بل شریف کی درگاہ و زیارات کی کشش میں نے اپنے دل میں ہمیشہ تر و تازہ سی محسوس کی ہے۔ مجھے جب بھی کوئی موقع گنجائش ملی میں جھٹ ادھر کا رُخ پکڑ لیتا۔ سری نگر پہنچنے کے راستے کئی ایک ہیں۔ مگر ان میں مظفر آباد اور [illegible] ہوائی جہاز سے بھی جھٹ سے وہاں پہنچا جا سکتا ہے لیکن میں اکثر براستہ جموں، وہاں پہنچنا پسند کرتا تھا۔ اس راستے میں جو لطف اور زندگی ہے وہ کسی اور طرح وہاں پہنچنے میں نہیں۔ غٹاغٹ چڑھانے اور جرعہ جرعہ پینے میں بڑا فرق ہے۔ جموں کے راستے سفر کرنے سے آپ بتدریج ”ٹو سری نگر“ نامی تند مگر نشاط انگیز مشروب قطرہ قطرہ سِپ کرتے ہیں اور بالآخر سری نگر پہنچتے پہنچتے آپ پوری طرح کشمیر جنت کی مستی مزے سے غٹ ہوتے ہیں۔ موسم موافق اور راستہ صاف ہو تو یہ سفر عموماً دس بارہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے دریں صورت پھر جنم جنم درکار ہوتے ہیں۔ پہلے دوسرے گیئر میں گاڑیاں چیونٹی کچھوے کی چال چلتی رہتی ہیں کہ آپ بلا شک چلتی گاڑی، بس سے اُتر کر بڑے سکون آرام سے حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر دوبارہ اُچک کر سوار ہو جائیں۔ راستے میں ایسے ایسے موڑوں، اترائیوں چڑھائیوں گھاٹ گھاٹیوں سے پالا پڑتا ہے کہ مسافر چکرا اور گھبرا سا جاتا ہے۔ گھنٹہ بھر کے سفر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف ایک آدھ کلومیٹر ہی آگے بڑھے ہیں...... دریائے نیلم اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے...... بس کی بجائے پیدل مارچ کرنے والے جلد پہنچ جاتے ہیں کہ وہ بھی چکردار سڑک کی بجائے شارٹ کٹ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ راستے کے نظارے، پیڑ پڑاؤ، ہوٹل ڈھابے...... چشمے، جھرنے، باغات وغیرہ سفر کے دورانیے کو طول سے طُول تر کرتے چلے جاتے ہیں۔ بہرحال

قیامت کی قامت کے سفر کے بعد شری نگر بس ٹرمینل پہنچ کر جو اک گونہ سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے ایک الگ ہی نشہ ہوتا ہے۔ شری نگر ڈل روڈ' گلمرگ' نشاط کیمپس' شری نگر مارگ' ویلی روڈ وغیرہ اور خاص طور میں پرائیویٹ اقامت گاہوں کے علاوہ ادنیٰ اور اعلیٰ اقسام کے ہوٹلوں' موٹلوں' ہٹوں اور فلیٹوں کی کمی نہیں۔ تھری' فور' فائیو سٹار ہوٹلوں' لگژری فلیٹس اور وی آئی پی ہٹس کی ایسی بہتات کم از کم ہندوستان میں کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ یہ پُرآسائش' شاہانہ اور انتہائی مہنگی قیام گاہیں مجھ ایسے عام سیر سپاٹے کے شوقین کے قیام کی جگہیں نہیں...... یہاں تو بڑے بڑے کاروباری لوگ' غیر ملکی سیاح' فلم سٹار' ہنی مون کے منانے والے نودولتیے جوڑے یا پھر وہ چنیدہ لوگ' جن کے ہاں کالے دھن کی کمی نہیں ہوتی...... میری حیثیت کے لوگ دھرم شالوں' سراؤں اور پرائیویٹ بھٹوں بازوں یعنی چارپائی ہوٹلوں میں آسرا لیتے ہیں جن کے کرائے مصارف نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔ یہاں کے مقامی غریب لوگ' اپنے گھروں کشتیوں اور کھیتوں کے فالتو حصے بھی کرائے پہ اُٹھا دیتے ہیں۔ ڈل کے پانیوں میں تیرتی ہوئی چھوٹی کشتیاں بھی چند دنوں یا پورے سیزن کے لئے بھی دستیاب ہو جاتی ہیں...... یعنی یہ سب کچھ بندے کی خوشی اور فرصت پہ موقوف ہوتا ہے۔

شری نگر میں اچھی خاصی واقفیت کے باوجود میں اپنے قیام کے لئے موسم اور استطاعت جیب کے مطابق کوئی فیصلہ کرتا ہوں۔ دوستوں کے ہاں اس لئے قیام نہیں کرتا کہ یہ خاصا مہنگا اور پُرآزار پڑتا ہے۔

شخصی آزادی کے آرزو مندوں کے لیے میدانی شہروں اور یورپ کی طرز رہائش کے عادی لوگوں کے لئے کشمیری طرز بودوباش اپنانا بڑا مشکل کام ہے۔ موسمی' جغرافیائی اور معاشی مجبوریوں کی بنا پہ کشمیری لوگ بڑے تنگ اور دھواں دھار قسم کے ماحول میں رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ان کے نعمت خانے' مال خانے' باورچی خانے اور شب بسری کی جگہیں کشادہ خاطری کی مظہر نہیں ہوتیں۔ خاص طور پہ موسم سرما' برف باری کے دنوں میں تو سانس لینے کے لئے بھی یہ منہ باہر نہیں نکالتے۔ کمروں دالانوں میں آگ کے الاؤ' فرغلوں کے نیچے دہکتی ہوئی انگیٹھیاں' گڑگڑ کرتے' تمباکو کی پھواریں چھوڑتے ہوئے حقے...... مکینوں کی آپس میں ٹکراتی سانسیں' چولہوں پہ چڑھے گوشتابوں اور چاولوں کے دیگچوں سے خارج ہوتی ہوئی بھاپیں' ایسا حبس دم پیدا کرتی ہیں کہ انسان جُھل مُرل سا ہو جاتا ہے۔

شری نگر میں خشکی کم اور تری زیادہ ہے۔ محنت کش لوگ اکثر چھوٹے چھوٹے گھونسلا نما لکڑی کے مکانوں میں ابابیلوں کی مانند رہتے ہیں۔ جبکہ دو تہائی آبادی کی سکونت ڈل کے پانیوں اور پہاڑوں کی اونچی

نچی گھاٹیوں ترائیوں میں خانہ بدوشی کی صورت میں ہوتی ہے...... امیر اور کاروباری لوگ ڈل کے شاداب کناروں، مرغزاروں اور گردونواح کے پُرتعیش علاقوں میں رہائش پذیر ہوتے ہیں اور دوسری طرف ڈل کے ساکت پانیوں پہ جنم جنم سے ڈولتی تیرتی ہوئی کشتیوں پہ مکین کشمیریوں کا رہن سہن دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ یہ دوپایہ زمینی جانور، کس طرح آبی مخلوق کی مانند ان گہرے پُرسکون پانیوں پہ اپنی ساری زندگی تمام کر دیتا ہے۔ ان کے شب و روز کے سب کار کاروبار یہیں شروع ہوتے ہیں اور یہیں ختم ہوتے ہیں۔ ان کا سونا جاگنا ہگنا موتنا، مرگ پیدائش، رسمیں، ہنگامے، شادیاں بیاہ، جلسے جلوس تہوار دن دیہاڑے غرضیکہ سب کچھ یہیں—— ساکت کھڑی، سرکتی ہوئی کشتیاں ہی ان کی محل ماڑیاں، حویلیاں بیٹھکیں۔ برآمدے، صحنچے، خواب گاہیں، کھیل کے میدان اور کھیت کھلیان ہیں۔

علی الصبح، سرشام یا شب کے ڈوبتے پہر نیم ملگجے میں ڈل کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کسی وسیع و عریض نخلستان کے سامنے استادہ ہیں اور آپ کے روبرو سینکڑوں قافلے اُترے پڑے ہیں...... جگنوؤں کی مانند نیم خوابیدہ سی ٹمٹماتی ہوئی لالٹینیں...... دودکشوں سے لہریے لیتے ہوئے دھوئیں۔ کشتیوں کے صحنوں، باغیچوں میں کھیلتے بچے، لمبی لمبی فرغلوں اور [illegible] میں ملبوس مرد و زن—— [illegible] منچلیاں—— الغوزے، مرلیوں کی تھرتھراتی ہوئی تانیں، پانی کے سینے پہ ہلکورے لیتی ہوئی نیم خوابیدہ مرغابیاں...... ڈل کے ڈھولو گھاس کی پھیکی سبز بیلیں اور شفاف شیتل کنول کے کٹورے پھول...... اور [illegible] کی بین بجاتے ہوئے موٹے مچھر اور کاکڑی [illegible] جو ڈھولو گھاس کی [illegible] سی ہوئی مردہ مچھلیوں، مینڈکوں، کچھوؤں کی تاک میں رہتی ہیں...... چیڑ چناروں کی شرمیلی شرمیلی سی مہک...... ارد گرد نگہ داروں کی مانند استادہ سبز و سپید جھنڈے کا پیرہن پہنے پہاڑ اور ان کی بغلوں سے پھوٹتی ہوئی دھنکی رُوئی ایسی دُھند...... مُرغابیوں، کونجوں، قازوں، بگلوں کی ڈاریں، کوکیں، کُرلاہٹیں...... بس ایسا ہی وہ سامانِ قیامت ہوتا ہے جو مجھ ایسے آوارہ منش، دیوانوں کو اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے۔

اس بار بھی میں ڈل میں کچھ فرصت کے روز و شب گزارنے کا فیصلہ کیئے ہوئے تھا۔ کلیار محلے میں اپنے ایک دیرینہ دوست گلزار احمد کلیار جو ایک اشاعتی ادارے میں تالیف و تصنیف کا جز وقتی کام بھی کرتا تھا کے ہاں اپنا فاضل سامان رکھا۔ دستی ایک آدھ جوڑا کپڑے، صابن تولیہ اور کچھ کتابیں رسالے، بسکٹ کافی وغیرہ لیئے میں ٹھیکیدار حافظ عطا محمد کے ہاں حضرت بل شریف پہنچ گیا۔ انہوں نے کمال شفقت و محبت سے ایک درمیانی سی کشتی کا انتظام کر دیا۔ ساتھ ہی کشتی کھینے کے لئے اپنا ایک حافظ شاگرد اور ایک سیانا سا بچہ بھی

[illegible] خدمت کی خاطر تفویض کر دیا۔

[illegible] کشتیاں اور شکارے بڑے شنگ اور ایک خاص وضع قطع کے ہوتے ہیں...... ایک خاص گوت کے ہنرمند کشمیری انہیں تیار کرتے ہیں۔ رواں پانیوں اور ٹھہرے پانیوں کے طریق تقاضے بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ [illegible] پہ چلنے والی کشتیاں اور اسی نوع کی دوسری چیزیں بھی وزن، ساخت، لکڑی اور طول وعرض کے لحاظ سے بہت مختلف ہوتی ہیں۔ جن کشتیوں پہ بڑے بڑے کشادہ ہوٹل ہوتے وہ کشتیاں ایک خاص کشمیری دیودار سے بنتی ہیں...... باربرداری کے بیڑے بھی ایک اور مخصوص لکڑی سے تعمیر ہوتے ہیں جو وزن اور مضبوطی میں [illegible] تانبے کی سی خاصیت رکھتے ہیں۔ رہائشی مقاصد کے لئے بنائی گئی کشتیاں بھی بڑی عجیب خصوصیات کی حامل لکڑی سے بنائی جاتی ہیں...... موسمی اثرات، نمی، آگ کی تپش اور وقت کی گردش بہت کم اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ سیر و تفریح، کنارے سے دوسرے کنارے تک کی آمد و رفت [illegible] کشتیوں کی دوڑ کے لئے کشتیاں ساخت و حجم، رنگ و روپ کی نوعیت سے جداگانہ ہوتی ہیں۔ کچھ مخصوص کشتیاں صرف نوبیاہتا جوڑوں کے لئے [illegible]...... جن کی زیبائش، روپ سروپ اور آسائش دیکھنے کے لائق ہوتی ہے۔ [illegible] شاہی حجرے [illegible] کسی نواب کے حجلۂ عروسی [illegible] و سائبان [illegible] کا طائف...... [illegible] حاضر باش، سرخ بانات کے انگرکھے سفید گاڑھے پاجامے اور [illegible] جو چھوری [illegible] عروسی [illegible] کے بیچوں بیچ سے نشیں پہ نقش گوشہ مدگیری جالیوں والا [illegible] اطلس کے چھپے [illegible] جھتیں محرابی ستونوں [illegible] منقش مطلا [illegible] کرتا ہوا بانسلا...... [illegible] کی تھوتھی کلیاں، سوسن و سنبل کے شگوفے، گلاب و گیندا کے پھولوں کی ڈالیاں...... ڈل کے فراخ [illegible] کی مانند تیرتی ہوئی یہ خلوت گاہیں کسی ایسے خواب کا اک دلنشیں منظر پیش کرتی ہوئی دکھائی [illegible] جسے بار بار دیکھنے کو جی چاہے۔

● کشتی اور رشتۂ نیستی......!

میں نے حافظ صاحب کی وساطت سے چند دنوں کے لئے جو کشتی کرائے پہ حاصل کی یہ شاید اٹھارہ [illegible] ہوئی ہوگی۔ بقول حافظ صاحب پچھلے چار مہینوں تک یہ کسی عامل کی سپرداری میں تھی...... جو رات دن [illegible] میں ہوائی جہاز کے ہینگر کی طرز پہ بنے ہوئے قبّے میں آسن جمائے پڑا رہتا تھا...... اس قبّے کا

واحد دروازہ اکثر بند ہی دکھائی پڑا...... دُنیا کے ہنگاموں سے دُور ہر چیز سے بیگانہ یہ دیوانہ نہ تو کسی سے بات چیت کرتا اور نہ ہی کسی سے کچھ مانگتا یا کھاتا پیتا دکھائی دیا...... کہاں سے آیا' کون ہے' اس کا دین دھرم کیا ہے یہ بھی کوئی نہیں جانتا تھا...... بس کہیں سے بھی اِدھر آیا...... کشتی کرائے پہ لی' لائسنس کی فیس جمع کرائی۔ ٹھیکیدار کا بھتہ بھرا اور مُنہ سر ڈال کر ڈل میں پڑ گیا۔

اس کشتی کا کوئی کھویا بھی تو نہ تھا...... ہوا کا جدھر رُخ ہوتا اُدھر کو ہو لیتی۔ جس ریوڑ کا کوئی رکھوالا اور جس عورت کا کوئی گھر والا اور جس پتنگ کی ڈور کسی کے ہاتھوں نہ ہو اور ایسی کشتی جس کا کوئی ناخدا نہ ہو اس کا شاید پھر خدا ہی حافظ ہوتا ہے' جدھر چل پڑی' اُدھر چل گئی اور جہاں رُک گئی وہیں اٹک پڑی۔ کبھی یہاں کبھی وہاں...... ڈل بھر میں یہ کستورا مچھلی کی مانند لہر لہر' موج موج سونگھتی پھرتی۔ سونا گھاٹ' مغل گارڈن' پولا ورش' حضرت بل' [illegible] غرضیکہ گھاٹ گھاٹ کا پانی اور مائی' پیتی اور چاٹتی رہتی...... نہ کبھی کسی نے اس کا لنگر لٹکایا نہ کسی نے اسے کہیں کھونٹے پہ بندھا دیکھا اور نہ کسی کھوجی یا جھانکو نے اندر جھانک کر یہ پتہ لگایا کہ اس کے اندر ریشم کیڑے کے خول کی مانند بند قبے میں کون بیٹھا ہے یا کوئی مَنش...... وہ زندہ ہے یا لُڑھک چکا ہے...... اسے منحوس' بھوت پریت کا مسکن سمجھتے ہوئے انسان تو انسان کوئی بگلا مُرغابی تک [illegible] اس کے کناروں ستونوں پہ مَنش سے بیٹھے دکھائی پڑتے۔ ان کی نشست اور اضطرابی کیفیت سے ایسا جان پڑتا جیسے اُدھر کشتی میں کوئی برگزیدہ سا فقیر مرا پڑا ہے اور یہ سب اس کی تعزیت پہ آئے ہوئے ہوں۔

یہ سب کچھ مجھے حافظ صاحب کشتیوں والوں کے مُنشی سے معلوم ہوا تھا۔

مُنشی' ڈیڑھ گھنٹے سے اس پُراسرار کشتی کے بارے میں مجھے معلومات بہم پہنچا رہا تھا اور میں اپنی بدعادت سے مجبور اس کی داستان طرازی پہ پُورے پُورے کان دھیان دھرے' آنکھیں پھیلائے سُن رہا تھا کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس وقت گزاری کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اس کے کارندے چھتر گام کے گھاٹ گودام سے یہ نادر روزگار کشتی لینے کے لئے گئے ہوئے تھے...... مُنشی کو ذرا دم دینے کی خاطر میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"شیخ جی! اُن عامل صاحب کا کیا ہوا' کیا انہوں نے یہ کشتی بیچ دی یا اُن کا دیہانت ہو گیا؟"

شیخ صاحب نے کشمیری سُوئی حقے کے ایک بھرپور کش کا دُھواں اُگلنے کے بعد کھانستے ہوئے بمشکل کہا۔

"خان صاحب! یہ سادھو سنت' عامل جاہل قبیل کی چیزیں دیہانت ویہانت سے پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ مرگ موت تو خود ان سے شکل چھپاتی پھرتی ہے۔ بس یہ لوگ اچانک کہیں ایسے گُم صُم ہو جاتے

[illegible] تک نہیں چھوڑتے۔ پاتال میں اُتر جاتے ہوں یا آکاش کی سیدھ اُڑ جاتے ہیں بس ایسا ہی کچھ [illegible] عامل صاحب کے ساتھ بھی ہوا۔ دو چار ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اس عامل صاحب کی صورت یا [illegible] بس سب یہی قیاس کریں کہ کوئی تپسوی ہے جو کسی تپسیا جو گھم میں جکڑا ہوا تھا۔ اسی کارن کوئی [illegible] نہیں دیتا تھا......" اتنا کہہ چکنے کے بعد شیخ صاحب اپنی حسبِ عادت یا ضرورت پھر نُختے پہ جھک گئے۔

پٹھانوں اور کشمیریوں میں یہ عادت یا علت ہے کہ وہ سُوٹی نُختے یا نسوار کے بغیر تھوک بھی نہیں [illegible] گے کی تو ضع ہو شادی مرگ یا گھریلو دربیلو مشاورت' جھگڑا فیصلہ یا مصالحت...... ان کی نُختے [illegible] نہیں بجتی۔

[illegible] کے غلیظ طوفان سے اماں طلب کرتے ہوئے میں نے پھر جرأت کرتے ہوئے پوچھ لیا۔

"شیخ صاحب پھر......؟"

شیخ صاحب نے اپنی ڈھیلی ڈھالی آستین سے آنکھیں اور ناک بیک وقت صاف کرتے ہوئے کہا۔

"[illegible] وہی پُھر یعنی چڑیا اُڑی ہوئی تھی [illegible] کئی دنوں سے لوگ دیکھ [illegible] کہ سینکڑوں [illegible] کشتی ایک [illegible] پکی پائی گئی اور کوؤں کے شور وغل اور تعداد میں بھی اضافہ محسوس ہوا تو جھکتے [illegible] سیکیورٹی [illegible] جانب دھکیلا۔ کشتی پہ ویرانی سی ویرانی تھی' دو چار مُردہ کوّے اِدھر پڑے [illegible] رہے تھے۔ جب کسی [illegible] کے آثار دکھائی نہ دیئے تو کشتی کے درمیان کے ڈھلوان قفے کے دروازے چلا چلا کر کھولے گئے تو [illegible] مڑی تڑی چٹائی بچھی تھی' پاس لکڑی کی کھڑاویں' مٹی کا بدھنا گھڑا' گیروے رنگ کی توشک اور [illegible] کمبل پڑا تھا...... دکھائی پڑتا تھا کہ کئی دنوں سے یہ سیاہ تاریک قبر نما قبہ کسی متنفس سے خالی ہے۔ [illegible] جتا ہو وہاں چاہے اور کچھ ہو نہ ہو' سانس مانس کی گرمی اور کوئی نہ کوئی حرکت برکت تو ضرور [illegible] یہاں تو خاک اُڑی ہوئی تھی اور نحوست بدبو الگ' اب ساری صورتِ حال سامنے تھی...... آخر [illegible] کہ عامل صاحب کہیں ڈوب ڈاب کر مر کھپ گئے ہیں یا پھر کسی بھوت پریت کے قہر و غضب کا [illegible] تب اس منحوس لاوارث کشتی کو کوئی دس روپے میں خریدنے پہ تیار نہ ہوا...... جلانے والے [illegible] حافظ صاحب نے اپنے ذمہ ڈال لیا۔"

تب سے اس دن تک یہ منحوس بے ننگ و نام کشتی' کشتیوں کے مرگھٹ پہ کھڑی یا پڑی تھی جہاں [illegible] عرصوں کے بعد حسبِ ضرورت اسے بھی کاٹ چیر کر ایندھن کے طور فروخت کر دیا جاتا۔

میری بد قسمتی کہ حافظ صاحب مجھے بھی کچھ اسی قبیل کی چیز سمجھتے تھے اور جانتے بھی تھے کہ میں بھی اللہ ماری قسم کی کوئی کشتی لے کر ہفتوں ڈل میں پڑا رہتا ہوں...... میری صورت میں انہیں اس بے ہودہ ناکارہ بے ننگ و نام کشتی کا ایک معقول کرایہ دار دوسرے لفظوں میں ایک کاٹھ کا الّو مل گیا۔ جو پلّے سے پیسے خرچ کر کے اس پاپن کے پاپ دھونے خود ہی پہنچ آیا تھا اور ادھر میں دل ہی دل میں خوش کہ قسمت سے مجھے ایک نادر روزگار کشتی مل گئی جس کے قریب کوئی نہیں پھٹکتا اور جو ٹوڈل کوؤں کا مسکن ہے...... جس کا قبر نما قبہ باہر سے کالا اور اندر کالا شا کالا ہے اور جس پہ کسی تپسوی کا انت ہوا ہے۔ سبحان اللہ ایسی بھاگوان کشتی! جس کے لئے مجھے اگر ہزار روپے روز بھی کرائے کی مد میں ادا کرنے پڑتے تو میں بخوشی ادا کرتا۔ لیکن یہ مجھے قریب قریب مفت پڑی تھی یعنی کل پچیس روپے چاہے میں دو دن استعمال میں لاؤں یا دو ہفتے۔

ان ہی باتوں میں دو ڈھائی گھنٹے گزر گئے تب کہیں جا کر اس کشتی کی صورت دکھائی دی۔ کشتی دیکھ کر میرا جی ماتم کرنے لگا۔ عجیب سوختہ سری سی کشتی تھی روح موجود ہو تو رونق روپ رہتا ہے نکل جائے تو پیچھے ہوئے کپڑے [illegible] کشتی کو اک نظر دیکھنے سے [illegible] تھے جیسے کسی مردہ وہیل کو ملاح [illegible] سے گھسیٹ کر سمندر سے باہر کرتے ہیں۔ وہ اسے کچھ فاصلے پر رکھے ہوئے تھے...... گویا اسے نہلا دھلا اور خوب [illegible] کرا لائے تھے لیکن اس کے باوجود وہ اس پہ سوار نہ ہوئے بلکہ اسے ایک پائلٹ کشتی کے پیچھے باندھ کر لائے تھے۔ [illegible] سکیورٹی کے جمع کرانے کے بعد مجھے اس کے نمبر [illegible] کی پرچی اور پرچم ملا۔ کانپتے ہاتھوں سامان اٹھائے جب میں اس پہ سوار ہونے لگا تو وہ دونوں بکریوں کی مانند منمنانے لگے۔ مجھے احساس ہوا کہ انہیں اس کشتی پہ سوار ہونے میں تامل ہے۔ کچے بچے تھے اندر سے سہم گئے ہیں۔ میں نے انہیں کچھ ریزگاری دے کر فارغ کر دیا۔ لنگر والی رسی کو کھینچ اور جھٹکتے ہوئے میں اس پہ سوار ہو گیا پھر بازو بڑھا کر گھاٹ کے چوبی ستون کو دھکا دے کشتی کو ڈل کے حوالے کر دیا۔ یونہی کنارے پہ نظر پڑی تو دیکھا کہ وہ تینوں مجھے رحم بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے کالے پانی جانے والوں کے جہاز کو بمبئی کی پورٹ پہ کبھی وہاں کے قلی خلاصی دیکھا کرتے تھے...... کنارے کی جانب سے لپکتی ہوئی لہروں نے جھٹ کی جھٹ مجھے خاصا دور کر دیا تھا۔ کنارا چھوڑنے والے کنارے کو اس وقت تک تکا کرتے ہیں جب تک وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے...... لاشعوری طور پہ پھر جو میری نگاہ کنارے کی جانب اٹھی تو شیخ صاحب اپنے پہلی منزل والے دفتر کی کھڑکی سے سوئی حقے کا دھواں باہر خارج کرتے

[illegible] دکھائی دیے۔ وہ شاید دُھویں اور ہاتھ کے الوداعی اشارے سے مجھے مزید ڈل اور کشتی کے سپرد کر رہے تھے۔

چند ایک کشتیاں اور شکارے مجھ سے ایک فاصلہ رکھ کر گزر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ہر کوئی [illegible] کشتی کی جانب آنکھیں پھاڑ پھاڑ دیکھنے لگتا ہے۔ بیک وقت ان کی آنکھوں میں رحم، خوف اور استعجاب [illegible] تھا۔ یقیناً میں ان کی دانست میں پہلے عامل جیسا کوئی نیم پاگل تھا جس کے انجام سے وہ باخبر تھے۔

خدا جانے کب اور کیسے میں نشاط باغ والے راستے پہ آ لگا تھا۔ جی ہاں! خشکی کی طرح فضاؤں، ہواؤں، [illegible] دریاؤں جھیلوں میں بھی باقاعدہ شاہراہیں اور راستے ہوتے ہیں۔ جن کی بظاہر نشاندہی نہیں ہوتی [illegible] ان پہ سفر کرنے والے ہر راہ راستے سے آشنا ہوتے ہیں اور وہ ادھر ادھر بھٹکنے کی بجائے آنے جانے کے [illegible] باقاعدہ متعین شدہ راستوں پہ ہی سفر کرتے ہیں...... ایک آدھ ڈل سکیورٹی فورسز کی کشتی بھی میرے [illegible] سے گزری اور بھونپو پہ مجھے کشتی سے محتاط رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے اپنی راہ لگی۔

ٹھہرے ہوئے گہرے پُرسکون پانیوں میں پہنچتے ہی [illegible] ہنگامہ ختم ہو گیا تب جیسے کشتی [illegible] سی اتری آئی [illegible] جسم میں جیسے اندرونی بیرونی خلجان اور سردی کی بناء پہ دھیما دھیما تپنے لگا تھا۔ کافی [illegible] تھا اس کھول کر [illegible] قبے کے چبوترے سے ٹیک لے لی۔ نگاہیں گلمرگ کے پہاڑی سلسلوں پہ ٹکی ہوئی تھیں۔ باہر کی چلبلی سی [illegible] سردی اور اندر کی گرم سی گھمبیر [illegible] نے ایسا رنگ جمایا کہ میں سدھ بدھ بھلائے دوپہر [illegible] تک وہیں ستون سے ٹیک لگائے [illegible] رہا تھا۔

آنکھ کھلی تو منظر ہی بدلا ہوا تھا...... آسمان پہ گھرے بادل، فضاء میں بوجھل سی خنکی...... نیچے ڈل کا [illegible] جیسے سرکنڈوں کی دلدل ہو...... بوڑھے بھاری بھاری کوّوں کا ایک پورا جرگہ کشتی پہ جمع...... یوں کہ کوئی [illegible] ان کے وجود سے خالی نہ تھا...... کوّے یوں خاموش، گردن اور بازو ڈالے ہوئے جیسے وہ سب کسی گہرے [illegible] مراقبے کے جلسے میں بصد اہتمام و احترام شریک ہوں...... اس سے پیشتر کہ میں پوری طرح [illegible] صورتحال کو سمجھنے کے لائق ہوتا کسی کوّے کی گھمبیر اور ڈراؤنی سی چیخ نما آواز نے مجھے دہلا دیا...... میں نے [illegible] ہیبت ناک سی آواز میرے اوپر یعنی قبے کی چھت سے آئی ہے...... عجلت سے اٹھ کر اوپر دیکھا تو ایک [illegible] ایک چھوٹے گدھ کے برابر تھا۔ گز گز بھر لمبے بازو پھیلائے اوپر بیٹھا نم نم آنکھوں سے

میری جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز پہ لبیک کہتے ہوئے باقی کوؤں نے بھی کائیں کائیں کا شور شروع کر دیا تھا۔ کانوں کے پردے پھٹنے لگے تو میں نے اپنا تھیلا گھسیٹتے ہوئے' بھیڑے پٹ کو دھکیل کر قبے کے اندر چھلانگ لگا دی۔ گھُپ اندھیرے میں میں نے ہاتھوں سے اپنے اردگرد ٹٹولنا شروع کیا۔ کھُردرے پھٹوں کی چٹائی میرے نیچے تھی یا پھر چوبی پھٹے جن پہ نمی اور گھٹن کی وجہ سے نرم نرم بدبودار پھپھوندی سی جمی محسوس ہوئی۔ قبر نما یہ چھوٹا سا قبہ عین کشتی کے درمیان بنا ہوا تھا۔ اونچائی ایسی کہ عام قد کا آدمی بھی سیدھا کھڑا نہ ہو پائے۔ لیٹے تو پورے پاؤں پسارے نہ جاویں' روزن اور نہ کوئی دریچہ کھڑکی ...... ہاں اُوپر قبے کے ایک درز سا ہوا تھا ایسا کہ قدرے ہوا داخل ہونا چاہے تو داخل ہو جائے پر روشنی کی کوئی کرن گھسنے نہ پائے۔

پٹ اچھی طرح بھیڑنے سے کوؤں کی کاں کاں سے قدرے نجات ملی ...... میں بھی آنکھیں موندھے پڑ سا گیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا ...... طبیعت بوجھل' پیٹ خالی' باہر باد و باراں' خوفناک قسم کے پُراسرار کوؤں کی یلغار ...... اور پھر رات سر پہ' آس پاس بندہ نہ بندے کی ذات' [illegible] بلائے ستم کہ باہر اردگرد کا منظر اور جگہ [illegible] ایسی کہ جو پہلے ڈل کے حوالے سے کبھی دیکھی نہ تھی۔ جیسے کشتی خود بخود بہتے بہتے کسی الگ پُراسرار جگہ آ لگی ہو جو کسی کی نظر میں نہیں تھی۔

جنگ کے زمانے میں فوجیوں کی کمر پہ جو پٹھو ہوتے ہیں۔ ان میں جنگ کے دوران پیش آنے والے ہنگامی حالات میں اشد ضرورت کی ہر نمائندہ چیز مناسب مقدار میں موجود ہوتی ہے ویسے ہی حال مست سیلانی' آوارہ گرد جن کی زندگی صبح کہیں [illegible] ہوتی ہے' ان کے کاندھوں کی بجائے اندر ایک پٹھو ہوتا ہے ...... جس میں خوراک' دواؤں اور الم غلم کی بجائے ...... صبر' برداشت' بے خوفی' معاملات و حالات سے نمٹنے کا ادراک' خیال' سوچ اور عمل میں توانائی و توازن اور یہ جزو ایمان کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ...... آگ ہو یا پانی' تخت ہو تختہ' تاریکی ہو یا روشنی' دشمن ہو یا دوست' امن ہو یا جنگ ...... درویش تنگ نہیں ہوتا۔ گھٹاؤں' آزردگیوں' بیماریوں' تکلیفوں' مخالفتوں میں وہ اور سوا ہو جاتا ہے ...... بدتر سے بدترین حالات میں بھی آسودہ نظر اور کشادہ خاطر رہتا ہے۔ گھٹا ٹوپ اندھیرا ہو تو اس کی پیشانی کا چراغ لو دینے لگتا ہے' اس کی آنکھوں سے خیرگی کی جوالا پھوٹ پڑتی ہے۔ درویش کے پاس شش جہت کی مانند چھ حسیّں تو ہوتی ہی ہیں مگر ایک ساتویں بھی ہوتی ہے۔ صحراؤں' دشوار گزار پہاڑوں کے لئے خصوصی طور پہ تیار کی گئی گاڑیاں فور وہیل ڈرائیو ہوتی ہیں ...... ان کے پہیئے بھاری' ٹائر مضبوط چوڑے اور گہرے کھانچوں والے ہوتے ہیں ...... گاڑیوں میں ریورس اور فارورڈ کے لئے سپیشل گیئر ہوتے ہیں۔ ان کے آگے پیچھے فاضل پانی اور ایندھن کی

کھونٹیوں، سرچ لائٹیں اور آہنی رسّوں کی چرخیاں لگی ہوتی ہیں۔

سفینۂ درویش کے ساتھ بھی اسی نوع کا بہت سا سامان لگا ہوتا ہے...... یہ بھی فور وہیل ڈرائیو کی طرح چھ پہیوں سے ڈرائیو ہوتا ہے۔ اس کے بھی پاؤں پکّے مضبوط اور پنجے کی مٹی نہ چھوڑنے والے ہوتے ہیں۔ آگے پیچھے دیکھنے کی تیز نگاہ، آنکھوں میں فاضل پانی کی ٹنکیاں، اللہ کے خوف کا ایندھن اور ازل و ابد کی جانب سفر کے سپیشل گیئر ہوتے ہیں۔ انہیں بھی صبر و جبر کے دشت، تحمل و بردباری کے صحراؤں، حق و حقانیت کے اونچے اونچے پہاڑوں اور غم و اندوہ، مصائب و آلام، طعنے و تشنیع کی دلدلوں سے سُرخروئی کے ساتھ گزرنے کے لیے خصوصی طور پہ تیار کیا جاتا ہے۔

بات زُلفِ یار کی مانند لہرا کر رہ گئی ہے...... کہنا مقصود تھا کہ اس تنگ و تاریک قبّے سے سردست نجات کا کوئی راستہ سامنے نہیں تھا۔ مگر ایسے موقعوں پہ لگانے کے لئے میرے پاس ایک سپیشل گیئر موجود ہوتا ہے۔ سفر کا کلچ دبا کر میں نے اندر کی چکّی کا گیئر بدل دیا۔

● وقت کا وقوف اور وقوف کا وقت......!

اب میں وقت اور وقوف کی زد پہ تھا۔

پانی اور دہی کو رگڑ میں لایا جائے تو لسّی کی شکل بن جاتی ہے۔ آنکھ کا [illegible] ڈھانپے سے دھرتی کی چھاتی پہ دھرے ہوئے سر بفلک پہاڑ منظر سے کافور کی مانند غائب ہو جاتے ہیں۔ مراقبہ، تہلیل، تسبیح، توجہ، تصور اور غنودگی و سکر کی ساعتوں میں...... وقت، احساس، خوف و تذبذب کے تقاضے سر اُٹھانے سے گریز کرتے ہیں۔ جب انسان خالی الذہن ہوتا ہے تو وہ خامشی کی خلاؤں میں دھنکی ہوئی روئی کے پھوؤں کی مانند سپید سا تیرتا رہتا ہے۔

ایسے ہی سکون کے سرد سمندر میں سکت در آیا تو تیز زمستانی ہوا، نیم باراں کے چھینٹے، ہلکے ہلکے جھولے لیتی ہوئی کشتی، پرندوں کی چیخیں، سیٹیاں، کُرلاہٹیں سب کچھ معدوم ہو گیا...... اتھاہ خامشی کے خیمے اور بےخبری کی بانات قنات نے مجھے چاروں اور اپنی ڈھانپ میں لے لیا تھا...... بے خبری کی ایک ساعت ہو، سال یا صدی فی الجملہ ایک ہی معنوں میں ہی ہے۔ میں نے کچھ انگڑائیاں توڑی ہوں گی کہ دھپ سے کوئی [illegible] پتھر نما سی چیز ٹانگوں سے چھوتی ہوئی میرے قریب آ گری...... لگی آنکھ الگ ہو گئی جبکہ کچھ اندھیرے سے بھی شناسائی بڑھ گئی تھی۔ نیم اندھیرے میں ہاتھ بڑھا کر ٹٹولا تو ڈیڑھ ہاتھ لمبائی چوڑائی میں لکڑی کا کوئی

دو اڑھائی انچ موٹا ٹکڑا جس کے درمیان ابھار والا ملائم سا پتھر سمجھائی پڑا۔ کچھ سمجھ نہ آیا تو مزید جاننے کی خاطر اُٹھا کر چہرے کے قریب کرنا چاہا تو کھٹ سے میرے گلے میں پڑی ہوئی پتھروں کی مالا اس سے چپٹ گئی۔ وہ بھی یوں کہ علیحدہ کرتے ہوئے بھی نہ بنی...... فوراً جو بات سمجھ میں آئی کہ مالا میں سنگِ حدید کا لاکٹ' لکڑی کے بڑے پتھر سے متوجہ ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہوا کہ یہ پتھر بھی آہن ربا نوع ہے اس کی قسم معلوم کرنے کے لئے میں نے اس سے مزید زور آزمائی کی اس سے ظاہر ہوا کہ یہ طوبیٰ سنگِ حدید ہے جو دُنیا کا سب سے معتبر اور زبردست توجہ کی کشش رکھنے والا پتھر ہوتا ہے اور جس کو آپ از قسم آہن بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اپنے حجم کے مطابق قریب اور بہت دُور تک اپنی جانب کھینچنے اور متوجہ کرنے کی قوت رکھتا ہے...... اس بات کو اس طرح سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رات کے وقت کسی تالاب کے کنارے طوبیٰ سنگِ حدید کا ایک ٹکڑا رکھ دیں اور دوسرے کنارے ایک خالی ماچس کی ڈبیا پر اسی طرح کے پتھر کا ایک چھوٹا نگینہ چپکا کر پانی میں چھوڑ دیں صبح دیکھیں گے وہ ڈبیا دوسرے کنارے طوبیٰ سنگِ حدید کے سامنے کھڑی ہوگی۔ میرا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ اس طلسماتی پتھر کے متعدد [illegible] سمت کی ترتیب و تعین سے آپ بڑے عجیب و غریب کام لے سکتے ہیں۔ اساطیر الاوّلین میں اس کی قوتِ کشش کے بارے میں واقعات درج [illegible] مصریوں اور چند عالموں کیمیا [illegible] بڑے محیر العقول کارنامے انجام دیے کہ آج کی سائنس' ٹیکنالوجی بھی اسے صحیح طرح سے سمجھنے سے قاصر ہے۔

یہ پتھر ابھی تک میرے [illegible] گلے کی مالا کے [illegible] چپٹا ہوا تھا۔ جنہیں میں کوشش کے باوجود بھی آپس سے علیحدہ نہ کر سکا تھا۔ اسی دوران دُور کہیں بجلی کی کڑک سنائی دی۔ قُبے کے پٹ کو ہلکا سا وا کر باہر جھانکا تو ہلکی ہلکی بارش بھی شروع ہو چکی تھی' ساتھ ہی اچانک خیال آیا کہ بجلی کی کڑک کے دوران اگر میں مالا کے لاکٹ کو پتھر سے الگ کرنا چاہوں تو کر سکتا ہوں' چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا' اُدھر بجلی کڑ کڑ کڑکی اِدھر میں نے ہلکے سے ہاتھ سے لاکٹ کو سنگِ آہن ربا سے الگ کر دیا۔ جمادات ارضی' بالخصوص سنگِ آہن کا آسمانی رعد سے وہی بنیادی تعلق ہے جو ماہتاب کی گھٹائی بڑھائی کا سمندر کی بالیدگی' شوریدگی اور آفتاب کی تمازت کا معدنیات و نباتات سے ہے۔

فلکیات' ارضیات سے دلچسپی رکھنے والے اور پُر اسرار نہفتہ علوم کے عالم جانتے ہیں کہ صاعقہ کے کڑکنے' چاند سورج گرہن' ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے کے وقت...... زلزلے کے دوران...... دُمدار ستارے

تھی ستارے کے ظہور سے ...... نوچندی رات کے اختتام پہ اور پورے چاند کو کسی باؤلی کے پانی میں دکھائی دینے کے لمحوں میں کیا کچھ کیا جا سکتا ہے اور کیا کیا نہیں ہوتا۔

کٹ کو سنگِ آہن رُبا سے علیحدہ کرنے کے بعد میں نے پتھر کو چادر میں لپیٹ کر اپنے تھیلا میں ڈال دیا تھا۔ اب باہر خوب رم جھم شروع ہو چکی تھی۔ میں ایک بار پھر نچنت ہو کر پاؤں پسارے پڑ گیا تھا مگر دماغ کی گراریاں برابر گر گر چل رہی تھیں۔ قبّے کے اندر چھت سے پتھر کا گرنا، کشتی کا اس نامانوس اور عجیب سے ماحول میں پہنچ جانا، بڑے بڑے ڈراؤنی شکلوں والے کوّوں کی یلغار، موسم کی عجیب و غریب صورتِ حال، اس نوع کے اور بھی کئی سوالات آپس میں گندھے تھے۔ میں نے باری باری ان پہ بچار کرنے کی ٹھانی ...... یہ لکڑی کے مضبوط چوکھٹے میں جکڑا طولی سنگِ حدید کہاں تھا اور میرے اوپر کیسے آ گرا؟ ......
یہی سوچ نکال کر میں نے قبّے کی چھت کا جائزہ لینا چاہا میں بمشکل کھڑا ہو سکا قریب ساڑھے پانچ فٹ اوپر درمیان میں دودکش نظر آیا۔

- [illegible]

کشمیر میں ہر گھر کمرے کُٹیا کی چھت پہ دھوئیں کے نکاس کے لئے یہ سوراخ بہ اہتمام رکھے جاتے ہیں۔ یہ گھٹن اور زہریلی گیس پیدا نہیں ہونے دیتے ...... حتیٰ کہ کشتیوں، شکاروں، بجروں وغیرہ میں بھی یہ ہوتے ہیں۔ صرف ان کی شکلیں اور [illegible] مطابق مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ تو بالکل سیدھے کہ بارش ہو تو اندر چھینٹے بھی پڑتے ہیں۔ کچھ افقی اور ترچھے سے اور کچھ اطراف میں کھلنے والے اور اوپر سے بند ...... قبّہ چونکہ ڈھلواں بانسوں کی بلیوں پہ موٹے ترپال کا بنا ہوا تھا جبکہ ترپال کے درمیان سوراخ میں [illegible] جیسا ٹین کا کھلا گول ڈبا لگا ہوا تھا جو دودکش کا کام دیتا تھا۔ اس کے اوپر یا اندر شاید یہ پتھر بھی کسی طرح سے باندھ دیا گیا تھا ...... باد و باراں یا جو بھی وجہ تھی یہ اپنی جگہ سے علیحدہ ہو کر مجھ پہ آ گرا تھا۔

اسی دوران میرے نیچے پاؤں تلے جیسے کچھ ہلچل سی ہوئی ...... کشتی پہ کھڑے ہوں تو پاؤں کے نیچے کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔ پانی جو ہوا، کبھی کوئی موج میں آئی ہوئی موج اور اپنی لہر میں لہراتی ہوئی کوئی لہر یا کوئی منچلی سی مچھلی ...... کچھوے کے پیٹ پہ جمی ہوئی موگی کائی میں چھپے ہوئے آبی جھینگر پہ منہ مارتے ہوئے گزر گئی [illegible] تہہ آب سے اُٹھتے منہ بسورتے ہوائی حباب، پیندے تلے مہوے کے غنچوں کی مانند چٹکے لیتے رہتے ہیں ...... بحر میں کشتی پہ ہاتھی کا بوجھ ہو یا گلِ تسبیح کی کلیوں کا کُلیا بھر بھار، یہ بحر اور کشتی دونوں کے لئے رنگِ حنا کی

حیا کے تلاو چلاو کی مانند ہوتا ہے...... بات ساری اپنے اپنے ظرف اور اپنے عزم و عجز کی ہوتی ہے۔

چند ثانیے خامشی رہی پھر پاؤں تلے کھردری سی چٹائی نیچے جیسے کوئی کروٹ بدل رہا ہو...... میں نے اب واضح طور پر محسوس کر لیا تھا...... نیچے یا تو کوئی بڑی سی مچھلی چھیڑ خانی کر رہی ہے یا پھر کوئی بڑا سا کچھوا جو کشتی کے پیندے سے قبہ رگڑتے ہوئے اپنی خارشت مٹا رہا ہے...... جو بھی تھا مگر کچھ تھا ضرور...... اب میں نے اپنی پوری توجہ پاؤں تلے مرکوز کر دی۔ چند لمحے چین سے گزرے ہوں گے کہ پھر وہی حرکت ہوئی...... ٹارچ روشن کرتے ہوئے فرش کی چٹائی پاؤں سے کھسکا کر پرے کر دی۔ نیچے چوبی تختے تھے جنہیں غور سے دیکھنے پہ معلوم ہوا کہ آٹھ آٹھ ہاتھ لمبے ہاتھ بھر چوڑائی کے کچھ تختوں سے بنا ہوا ایک پٹ سا کشتی کے فرش پہ برابر سا لگا ہوا ہے جس کو اٹھانے کے لئے اس کے کونے میں پیتل کا ایک کنڈا ابھی موجود ہے۔ بڑی کشتیوں میں یہ دوہرا پیٹ ہوتا ہے...... سفر کے دوران ہلکا پھلکا پانی رس کر اندر جمع ہوتا رہتا ہے جسے ایک مقررہ وقفے کے بعد پمپ یا ڈبوں کے ذریعے نکال دیا جاتا ہے یا پھر یہاں فاضل سامان اوزار ایندھن وغیرہ رکھا جاتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے کہ جو کچھ بھی ہو [illegible] تو اندر کیا بلا پلسیٹے کھا رہی ہے۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر میں نے پٹ کے کنڈے پہ ہاتھ ڈال کر اسے اوپر اٹھا لیا۔

میرے [illegible]...... اندر [illegible] ایک سادھو [illegible] پیٹے میں ہر طرف شاید [illegible] پھری ہوئی تھی۔ پن ٹارچ کی معدوم سی روشنی میں کچھ بھی تو نظر نہیں آ رہا تھا...... سادھو کے ڈیلوں کی دھواں سپیدی [illegible] بے بال پپوٹوں پہ سوجن اور سرخی سے وہ کوئی اود بلاؤ جان پڑتا تھا...... اچانک مجھے سامنے پا کر اس کا بے ہنگم [illegible] کی طرح [illegible] سی زبان باہر نکل آئی تھی یا پھر اس کے ماتھے پہ سرخ سفید تین لکیروں میں کھنچا ہوا قشقہ نظر آیا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کوئی دھور یا دیتی یا کوئی یوگی بھوگی ملنگ ہے...... ان دھرم دھیا کے دھنوا اکثر بیشتر ایسے چلے چوکوں میں دلچسپی لیتے ہیں...... پران کریا پران کی کوشش اور پران بدیا والے بھی ایسے عجیب و غریب کام کرتے رہتے ہیں۔ جس دم کی جو آخری اور مشکل ترین مشق تپیا ہے...... وہ اک مدت کے لئے زندہ قبر میں دفن ہونا ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ایک اور مشق ہوتی ہے جو پانی میں ناک تک اتر کر اور پھر آنکھوں تک غرق ہو کر کی جاتی ہے۔ کچھ تپسیائیں مکمل طور پہ غرق آب ہو کر بھی کی جاتی ہیں جو وقفہ بڑھاتے بڑھاتے دنوں ہفتوں عشروں بلکہ مہینوں سالوں تک بھی محیط ہوتی ہیں۔ اسی طرح کچھ منزلیں خشک تر کنوؤں باولیوں وغیرہ میں بھی طے ہوتی ہیں۔ آگ اگنتاری کے کچھ چلے بھی ہوتے ہیں جو دہکتے الاؤ...... بھڑکتے شعلوں اور انگاروں کے ڈھیر میں ڈھئے کر اٹنت کرنے پڑتے ہیں۔ ایک پرانا یام نام کی تپسیا بھی ہوتی ہے۔ جس دم جیسی اس مشق میں سانس کو دماغ میں لے جا کر روک دیتا

ہوتے ہیں۔ ایسے میں پھر خدا کا تصور باندھ کر عبادت کی جاتی ہے۔ یہ تپسیا اور دھیان گیان کے سلسلے کبھی ختم نہیں ہوتے...... جنگلوں کی ویرانیوں' تنہائیوں اور پہاڑوں غاروں کی گپھاؤں' صدیوں پرانے درختوں کی کھوؤں' تنگ جھاڑوں میں' دُنیا جہاں سے بے خبر و بے سُدھ پڑے ہوئے گیانی دھیانی' سادھو سنت بڑے بڑے جوکھم جھیلنے پہ آمادہ خاطر ہوتے ہیں۔ یوں کشٹ اُٹھا کر ہی انہیں کوئی شکتی حاصل ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک تپسیا کشٹ کے ذریعے سے ہی پرتاپ و پرادھ حاصل کیا جا سکتا ہے...... اس طرح جیون و جوبن کا ایک خاصا حصّہ تپ و نفس کی ریاضت و تپسیا میں بتانے کے بعد اس اہل ہو جاتے ہیں کہ وہ زمین' پانی' ہوا' آگ میں جو چاہیں شعبدے دکھاتے پھریں' انہیں کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

ہمارے آسمانی صحیفوں' مختلف قدیمی کتابوں' اساطیر الاوّلین و متاخرین میں جادوگروں اور خارق الفطرت قوتوں کا اظہار کرنے والے جن ساحروں کے محیر العقول واقعات پڑھنے سننے کو ملتے ہیں وہ یقیناً اسی قسم کے عملیات اور مشاغل و ریاضت کی منزلوں سے ہو کر گزرے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے شعبدے عملیات و مجاہدات کا علم سلیم یا رُوحانیت سے قطعی کوئی تعلق نہیں۔ یہ سب محض قوت برداشت' قوت متخیلہ [illegible] کی [illegible]...... نفس [illegible] کنٹرول اور [illegible] جب کہ مذہب [illegible] دین و دھرم کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ سب جسمانی' ذہنی اور قوت ارادہ و خیال کی لایعنی شعبدہ بازیاں ہیں۔

کشٹی کی قبر میں پڑا ہوا یہ [illegible] مجھے کوئی [illegible] جل پڑا' وہ سُرخ ہوئی متورم آنکھوں سے مجھے بجّو کی مانند گھور رہا تھا۔ اس سے پیشتر کہ میں وہ پٹا دوبارہ اوپر رکھ کر وہاں سے نکلنے کی سبیل کرتا' اس کے سیاہ نیلے بھنچے ہوئے ہونٹوں میں حرکت پیدا ہوئی۔

"میرے دھیان گیان میں کھنڈت ڈال کر تم نے کوئی پُن کا رنہیں کیا۔"

میں نے فوراً سنبھلتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے چھما کر دیں' مہاراج!...... میں نہیں جانتا تھا کہ آپ یہاں براجمان ہیں اور پھر آپ اگر میرے پاؤں کے نیچے کچھ کھُد بُھد نہ کرتے تو میں یہ پٹ ہرگز نہ اٹھاتا...... ویسے آپ یہاں لیٹے ہوئے کیا کر رہے ہیں؟ جان پڑتا ہے جیسے کسی نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر یہاں قید کر دیا ہوا ہے۔"

وہ یوں ہُوں ہُوں کرتے ہوئے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش کرنے لگا...... لیکن میں نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر کہا۔

"مہاراج! باہر نکلنا چاہو تو میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

یوگی خشمگیں نگاہوں سے دیکھتے ہوئے تھوڑا سا اپنے پاؤں کی جانب کھسک لیا۔ اب ہاتھ اُوپر کرتے ہوئے شاید باہر نکلنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ میں نے اس کا استخوانی ہاتھ تھام کر اُٹھانا چاہا۔

میرے مالک! ایسے ٹھنڈے ہاتھ' جیسے برف میں لگے ہوئے ہوں...... میرے ہاتھوں پہ اُس کی گرفت ایسی پڑی کہ مجھے اپنے ہاتھ چٹختے ہوئے محسوس ہوئے۔ سوکھے سڑے ہاتھ جیسے آہنی پنجے ہوں...... میں انہیں چھڑوانا بھی چاہتا تو شاید ایسا نہ کر سکتا۔ اپنی ٹانگوں اور کمر پہ زور ڈالتے ہوئے میں نے اُسے باہر یوں کھینچ نکالا جیسے کفن چور پوری قبر کھولے بغیر تنوز کی گردن جتنے سوراخ سے مُردے کا پورا کفن کھینچ باہر کرتے ہیں...... اس دوران باہر کا موسم بھی جیسے کچھ معتدل سا ہو گیا تھا...... صبح کے ملگجے سے اُجالے میں اَب اندر باہر کچھ کچھ واضح غیر واضح سا دکھائی دینے لگا تھا۔

میرے اللہ یہ کیا؟ کالا بھجنگ مریل سا یوگی' سرتاپا الف ننگا' آگے پیچھے کے ستر پہ پرانے چیتھڑے سے بنی ہوئی پگڑی کے بالشت بھر کپڑے کی تھگلی...... پورا جسم بدبودار کالے چپکتے کیچڑ سے لتھڑا ہوا...... یوں لگا جیسے پانڈوں کے وقتوں کے دریافت ہونے والے [illegible] میں نے کسی چوہے کو دُم سے پکڑ کر باہر نکال دیا ہو۔ بدبو اور سیاہ رنگ [illegible] کا اندرونی فرش چپڑ چپڑ [illegible] اپنے کپڑے اور تھیلا محفوظ نہ رہ سکے...... بابا نے سُرت لیتے ہوئے مجھے بڑی رسان سے کہا۔

"بچہ! اپنے چھاگل میں گنگا جل پڑا ہے' کچھ بوندیں میرے منہ میں ٹپکا دو۔"

پن ٹارچ سے نیچے جھانکا تو دیکھا اندر تو بڑا غلیظ پانی بھرا ہوا ہے جو شاید اندر رس رس کر جمع ہوتا رہا۔ چھاگل اسی پانی میں تیرتی ہوئی نظر آئی۔ ہاتھ بڑھا کر باہر نکالی' خشک لونیا کدو کی چھاگل کا منہ مکی کے تکلے سے بند تھا...... ڈاٹ نکال کر چند قطرے پانی یوگی کے منہ میں ٹپکاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ اب مجھے ادھر سے نکل لینا چاہیے...... بدبو سے میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ پانی پی کر یوگی نے جیسے آنند سے آنکھیں میچ لیں...... اَب میں نے تھیلا جس میں طوبیٰ مقناطیس کا ٹکڑا موجود تھا اُٹھا کر باہر نکلنے کا سوچا ہی تھا کہ یوگی نے جیسے ارادہ بھانپ لیا...... بن آنکھیں کھولے اس نے میرے پاؤں پہ اپنا ڈراؤنا سا ہاتھ دھر دیا۔

"بچہ! اب جب تم نے میری تپسیا میں کھنڈت ڈال دیا ہے تو اب مجھے یہاں سے نکال کر باہر پہنچانا بھی تیرا کام ہے...... ڈل جل سے مجھے اشنان کراؤ' پھر جل پان کراؤ...... یہی سمے کا سمان ہے۔"

مرتا کیا نہ کرتا...... اُلٹم پلٹم بابا کے کیلجے سریر کو چٹائی پہ کروٹ کے بل ڈال کر گھسیٹ باہر ٹبے کے چبوترے پہ رکھ دیا...... موسم اچھا خاصا کُھل چکا تھا' ہلکے ہلکے اُجالے میں قریب و جوار کچھ دیکھا جا سکتا تھا......

پیتی وادی میں بالخصوص صبح سے اور بالعموم سرِشام چھدری یا گہری دُھند کا ہونا یہاں کے معمولات میں شامل ہے۔۔۔۔ دُھند کے عالم میں ڈل جھیل کا ماحول بڑا خوابناک اور سحر آگیں سا ہوتا ہے۔

فنونِ لطیفہ سے متعلق افراد' سیاح' رومان اور یاسیت پسند لوگ خاص طور پہ یہاں فطرت کے ایسے ہی نظاروں سے حظ حاصل کرنے کی خاطر دُور دُور سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ وادی میں گھر گھر دستک دیتے ہوئے خنک سے بادل' کشمیری گھروں کی چمنیوں اور جھیل میں جھولتے مست خرام بجروں' مچھوؤں اور کشتیوں کے دودکشوں سے لہریے لیتے بل کھاتے دھوئیں۔ جھیل کی سطح سے اُٹھنے والے موسمی گرم و سرد بخارات کا دھندلا دُھندلا غبار۔ یہ سب مل کر ایک ایسا ملکوتی سا ماحول پیدا کر دیتے ہیں کہ انسان مبہوت سا ہو کر محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ بعد از مرگ ہر لین دین سے فارغ ہو کر جنت میں اُتر آیا ہے' لگتا ہے یہاں وقت' انتظار اور گردش سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ گناہ و ثواب' سزا و جزا' زندگی موت' علم و حکمت' منطق فلسفہ' غرضیکہ سب کچھ اپنے اپنے مطالب' مفہوم اور اصول کھو چکے ہیں۔ یہاں صرف مظاہرِ فطرت میں کھوئے رہنا ہی ابد لگتا ہے۔

کشتی کے باہر بھی کچھ ایسا ہی ماحول تھا۔۔۔ اچانک دُور کہیں دُھند میں اور دُھند کے بادلوں سے کوئی موہوم سی کشتی [illegible] دیکھ کر یوگی نے کشتی کی دُم کے پاس پڑے ہوئے ایک ٹین کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا جس کے ساتھ ایک رسی کا ٹکڑا بندھا ہوا تھا۔۔۔۔ میں بابا کا مطلب سمجھ گیا۔۔۔۔۔ ٹین کا ڈبا لے کر میں آگے بڑھا تو بابا نے کہا۔

"بچہ! میرا مطلب ہے کہ ادھر کنارے پہ مجھے اُتار دو۔"

ادھر دُھند میں ذرا غور سے دیکھا کہ کشتی تو کنارے لگی کھڑی ہے۔ ایسا سرسبز و شاداب کنارا' آلوچے اور سیبوں کے جھاڑ۔۔۔۔ پھولوں کے قطعے' چھوٹی چھوٹی روشیں اور مخملی گھاس کے تختے۔۔۔۔ صبح گاہی میں جگنوؤں اور جھیل کی چنگلی مکڑیوں پہ لپکنے والی چہچہاتی ہوئی تیز پرواز پہاڑی چڑیاں۔۔۔۔ سطحِ آب پر نیچے پرواز کرتے' لپکتے جھپٹتے ہوئے بگلے' ڈل گلز' چندور' آڑیاں اور مرغابیاں۔۔۔۔ چھوٹی بڑی بطخوں کے غول کے غول۔ سطحِ آب پہ تیرنے والے خس و خصوب پہ شب بسر مچھروں اور ٹڈیوں کا ناشتہ کرنے والی مچھلیوں کی اُچھل کود۔۔۔۔ یہ سب یوں دکھائی دیتا تھا کہ جیسے یہ سب کچھ باغِ عدن کا کوئی حصہ ہو۔

میں بڑی آسانی سے قدم اُتار کنارے پہ پہنچ گیا۔۔۔۔ پھر گرد و پیش کا ہلکا سا جائزہ لیتے ہوئے کشتی کو دُم کی جانب سے کھینچ کر کنارے سے لگا دیا۔۔۔۔ اب میں دوبارہ کشتی پہ چڑھ آیا تھا۔۔۔۔ سیخ سلائی یوگی کو اسی چٹائی میں لپیٹا گھسیٹتے ہوئے کنارے پہ دوبارہ اُتر آیا۔۔۔۔ یہاں ایک بڑے سے ہموار پتھر پہ جو آدھے سے زیادہ

پانی میں ڈوبا ہوا تھا اٹھا دیا...... اب میں وہی ٹین کا ڈبا اٹھانے پھر کشتی میں کود گیا...... جہاں ناس وہاں ستیاناس میں نے ذہنی طور پہ خود کو لیڑے ہوئے یوگی کے اشنان کے لئے تیار کر لیا تھا...... مُردوں کو غسلانے کفنانے اور قبر میں دبانے کا مجھے ویسے بھی بڑا تجربہ تھا، کئی قبریں کھودیں، تیار کیا...... اندر لیٹ کر اوپر دُور دکھائی دینے والے آسمان کو دیکھا...... خود کو مُردہ تصور کر کے قبر میں فرشتوں سے سوال و جواب کے لئے یعنی مراقبۃ الموت اور مراقبۃ القبر کے بہت سے تجربے مشاہدے کئے...... بھوتوں سانپوں نیولوں خارپشتوں اور اُلوؤں سے کئی بار واسطہ پڑا...... یہ یوگی کیا چیز تھا جو میں کسی تذبذب میں پڑتا، باقی رہی گندگی، بدبو اور کراہت تو یہ سب کچھ انسان کے اندر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ فرق صرف ایسا کہ یہ کچھ دوسرے کا تو دکھائی دیتا ہے، خود میں نظر نہیں آتا۔ اگر نظر آتا بھی ہے تو اس پہ دھیان نہیں دیا جاتا۔

صبح کا اُجالا پھیلا اور اُٹھ آیا تھا۔ یوگی [illegible] میرے سامنے ملائم سے پتھر پہ پڑا تھا کہ جیسے ارتھی سجانے سے پہلے ہندو اپنے مُردوں کو مرن تختے پہ رکھ کر ہوم کرتے ہیں...... اب میں ڈبے میں پانی بھر بھر لا رہا ہوں، یوگی آنکھیں میچے خوب اشنان کے مزے لوٹ رہا ہے...... یہیں نہلاتے ہوئے جب کیچڑ صاف ہوا تو انکشاف ہوا کہ اس کی کمر پیٹھ، پنڈلیاں اور بازو ہاتھ کشتی کے کیچڑ میں پڑے پڑے [illegible] ہیں۔ کھال پہ برص کی مانند [illegible] ایک ہلکی سی چادر یوگی پہ ڈالی تو [illegible] نے آنکھیں کھول کر مجھے دھنیاد کہتے ہوئے اُٹھنے میں مدد دینے کا اشارہ کیا...... جب وہ تسلی سے بیٹھ چکا اور قدرے کچھ سننے کے قابل ہوا تو میں نے کہا۔

''مہاراج! اگر چاہو تو گرم گرم کافی اور خستہ نمکین یا میٹھے بسکٹ پیش کروں۔''

یوگی نے منہ کھولنے کی بجائے گھٹا ہوا گنجا سر اثبات میں ہلا دیا...... بغیر دودھ چینی کی تلخ کافی نے کچھ مزہ دیا ہو یا نہیں لیکن اس کے ساتھ نمکین بسکٹوں نے اس کے اندر جیسے زندگی کی حرارت پیدا کر دی تھی۔ جل پان کے بعد یوگی نے تشکر بھری نظروں سے مجھے تولتے ہوئے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ دیا...... جب میں پاس پتھر پہ بیٹھ چکا تو کہنے لگا۔

''بچہ! تُو نے میرے دھیان گیان میں اودیشہ کھنڈت ڈالی۔ پرنتو تُو اودوش ہے، تیرا کوئی دوش نہیں...... تیرا دھرم دھیان کچھ بھی ہو پرنتو تیرے کام کرم میں دھیرج اور دم ہے...... پھر آشیرباد کے لئے میرے سر پہ ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے بولا۔

''کلیان ہو بچہ...... اپنا شبھ نام بولو......؟''

''مہاراج! میرا نام محمد یحییٰ خان ہے۔ میں بہت دُور سے یہاں کچھ کھوجنے اور بُوجھنے آتا ہوں......

[illegible] وش کرو مہاراج! اگر مجھے پتہ ہوتا کہ اس مچھوڑے پہ آپ بدھوان براجت ہیں تو میں کبھی اس پہ نہ آتے۔ مجھے چھما کر دیجیے......!"

یوگی نے میرے سر پہ پیار سے ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

"بالک! مالک کے کام نرالے ہوتے ہیں...... نراش نہ ہو اور نا ہیں من پہ لگا بیٹھنا...... تو نردوش ہے۔ تیرا میرا ملن ایسے ہی پرالبدھ تھا۔ اسی کارن تو میرے مچھوڑے پہ پہنچا۔ اچھا اب بول تو یہ سیام برن چولا کاہے دھارت ہو؟"

اس نے میرے کالے لباس کی جانب اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ میرے بابا نے پہنایا۔ تم تو جانت ہو پھر کاہے کو پوچھت ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"کلیان ہو کلیان ہو...... [illegible] ہوئے اس نے پھر آنکھیں موند لیں تھیں۔

● بابے پیارے موہن پیارے......!

[illegible] کرتے کرتے آنکھیں بھینچ کر کسی کوئیں، باؤلی میں اتر جاتے ہیں جیسے جگہ خالی کر گئے ہوں۔ پاس بیٹھے ہوؤں کے دل میں وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں۔ وہ ان کے ہونٹوں نتھنوں کی پھڑپھڑاہٹ پہ نگاہ رکھتے ہیں ان کے سینے پسلی میں آتے جاتے سانس کے زیر و بم [illegible] کی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں ساتھ ساتھ دل میں ان کی آسانی کے لئے دعائیں بھی مانگتے رہتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عموماً بابے اسی قسم کی اونگھ میں کہیں لمبا ہی خفتہ پیچھے نکل جاتے ہیں کہ پھر واپس بھی نہیں آتے مگر یہ بابے گلی محلوں والے ہوتے ہیں...... جبکہ جنگل بیلوں والے اصلی بابے جب آنکھیں میچ لیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کہیں خفتہ پیچھے نکل گئے ہیں۔ بلکہ یہ تو بس [illegible] ٹھوڑی میں سلائے ہوئے موہن پیارے کو ذرا کی ذرا دیکھنے کے لئے جھانکا لگاتے ہیں۔

جس جگہ کنارے ہمارا پڑاؤ تھا...... خدا جانے یہ کون سا مقام تھا۔ میں جھیل کے چپے چپے سے واقف مگر یہ جگہ پہلی بار ہی دیکھی تھی۔ کنارے پہ دور دور تک تو کوئی ہٹ جھونپڑا نظر آیا اور نہ ہی کوئی سرکاری ملازم والوں کا امتناعی بورڈ یا نوٹس دکھائی دیا اور تو اور آس پاس کوئی کشتی بیڑی بھی تو دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہر شے [illegible] اور ہر چیز جیسے کسی اور خطے سے تعلق رکھتی ہو...... اب میری نظریں ادھر ادھر بھیڑ بکریوں اور ان کے [illegible] میمنوں کو کھوجنے لگیں جو کشمیریوں کا شغل شوق اور ان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے

ہیں۔ جن کے بغیر ان کی مرغزار، کھیت میدان، گھر آنگن ادھورے ہیں۔ مگر یہاں ان کا وجود تک نہ تھا۔ یعنی ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی بظاہر موجود نہیں تھا۔

اپنی ان سوچوں سے دامن چھڑا کر میں نے پلٹ کر یوگی کی طرف دھیان دیا۔ اَب یہ آنکھیں کھولے میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

’’کیا سوچ رہے ہو، اوکھلی میں سر دے کر موسلوں سے ڈرتے ہو؟‘‘

’’بچے! یہ سنسار مایا ہے، سب مالک کے چمتکار ہیں۔ تو منش کایا، پرنتو کاگا چھایا ہے...... مجھوے والے شکتی مان شلے کو جھولے سے نکال کے اپنے ہاتھ میں تھام اور مجھے یہیں چھوڑ کر آگے بڑھ، جدھر تیرا من چاہے نکل...... پرنتو شلے (سنگِ آہن رُبا) پہ نظر رکھ...... جدھر کاگا اُڑتے دکھائی پڑیں اُدھر چل پڑ......‘‘

یہ کچھ کہنے کے بعد وہ پھر کسی کنوئیں یا باؤلی میں اُتر چکا تھا...... اس کی بات کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے میں نے ہلکے سے ایک دوبار ’’مہاراج، مہاراج‘‘ کہتے ہوئے کچھ پوچھنا چاہا...... مگر وہ تو جیسے پران چھوڑ چکا تھا...... ناچار کچھ چارہ کرنے کے لئے وہاں سے کہیں ادھر اُدھر ہونا ہی مناسب لگ رہا تھا۔

زر [illegible] شنی کے جھالے پھوٹ رہے تھے...... جھیل ڈل کی سونامکھیاں اور روپہلی تتلیاں سبزہ و لالہ سے چھیڑ خانی کر رہی تھیں۔ کناروں پہ قدرتی پھیلنے والی جھاڑیوں کے سُرخ پھولوں کے بیجوں کا رُوئیں اُڑ اُڑ قدرے پراگندگی کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس سے مجھے الرجی ہے۔ ناک منہ نہ ڈھانپوں تو زکام کی شکایت ہو جاتی ہے، پھر دھوپ کے پہلے ڈھلنے سے ہی یہ کہیں رفع ہو جاتی ہے۔

مگر ابھی تو سورج نے منہ ہاتھ بھی نہیں دھویا تھا...... میں منہ ناک ڈھانپتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق دائیں جانب چل دیا...... شلا یعنی وہ مقناطیسی پتھر جو لکڑی کے فریم میں جڑا ہوا تھا، تھیلے سے نکال کر اپنے سیدھے ہاتھ میں لے لیا۔ بس اسی لمحہ مجھے یاد آیا کہ یوگی نے شاید کسی کاگوں واگوں کا ذکر بھی کیا تھا کہ جدھر وہ اُڑتے ہوئے دکھائی دیں اُدھر کو ہو لینا۔ یونہی اچٹتی سی نگاہ اُوپر آسمان کی طرف ڈالی...... دُور اُونچائی پہ اُڑتی ہوئی قازوں کی ایک آدھ قطار دِکھائی پڑی، کوؤں کا کوئی کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ چل سو چل، آگے سامنے ایک اُٹھی ہوئی پہاڑی پڑ گئی...... چند ثانیے سکت لینے کے بعد پھر میں حسبِ عادت دائیں طرف ہو لیا...... جبکہ بائیں جانب راہ راستہ بہتر دکھائی دے رہا تھا۔

یہ دائیں طرف والی میری عادت یا میرا طریق بھی اک عجیب سی منطق پہ مبنی ہے...... ویسے بھی تو

تقدیر سعید وسلیم بھی دائیں جانب ہوتی ہے۔ کھانا پینا' علیک سلیک مصافحہ' انگشتِ شہادت' لکھنا لکھانا' پڑھنے سیکھنے کے لئے کتاب کے اوراق کھولنا' رزق حلال کمانے کے لئے اسی دائیں ہاتھ کا زیادہ استعمال...... دایاں قدم پہلے بڑھانا' نماز میں دائیں جانب اسلام علیکم کہنا...... نیکیوں لکھنے والا دائیں طرف والا فرشتہ۔ انسانی جسم میں دائیں جانب کے اعضا و اعصاب کو بائیں جانب سے بدرجہ فوقیت حاصل ہے۔ جو دائیں ہاتھ بازو اور دائیں پاؤں میں طاقت ہوتی ہے وہ بائیں جانب کو نصیب تک نہیں۔ جو دائیں آنکھ دیکھ سکتی ہے وہ کچھ دوسری آنکھ کے بس میں نہیں۔ بہشت بھی یہی آنکھ باندھتی ہے۔ تجمل و تجلی کی برداشت کی اہل بھی یہی آنکھ ہو سکتی ہے۔ جنت کو بھی پہلے یہی آنکھ دیکھے گی...... اس کا پھڑکنا بھی سعد و برکت ہوتا ہے۔ تاریکی میں سب سے پہلے دائیں آنکھ فوکس ہوتی ہے۔ سوتے سے بند بائیں اور بیدار ہوتے ہوئے پہلے وا بھی یہی دائیں آنکھ ہوتی ہے...... عدو کے لئے قہر و کراہت بائیں عدسے سے اوبھی ہے اور محبوب کے لئے مہر و محبت دائیں عین نین کے گوشے میں ہیرے کی کنی کی مانند جھلکیں مارتی ہے۔ دلہن کے دائیں پاؤں کا کنگن اور دولہا کے دائیں ہاتھ کا [illegible] سیاست میں دائیں اور بائیں بازو...... دائیں پیر کی منتی...... غور سے دیکھیں ہر ذی نفس جو حرکت کرسکتا ہے فطری طور پہ دائیں جانب جھکاؤ رکھتا ہے۔ فاتحوں اور [illegible] کے ہاں دائیں جانب [illegible] وہ مقربین نشست بردار [illegible] حامل ہوتے ہیں۔ دائیں سمت کو ہمیشہ سیدھی طرف کہا جاتا ہے۔ گھڑی کی سوئیاں دائیں جانب سرکتی ہیں۔ نومولود کے دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے۔ یوم حساب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست مبارک رب العالمین کی سیدھی جانب ہو گی...... پل صراط کے دائیں جانب باب جنت ہو گا علیٰ ہذا القیاس...... دائیں جانب حیثیت راستی اور سلامتی ہونے کا ایک قدرتی تصور ہے۔

میں نے اپنے بزرگوں کے ہاں بھی یہی طریقہ دیکھا...... خصوصی طور پہ میرے بابا جی نے کمال شفقت سے مجھے ایک بار نصیحت کی تھی کہ کسی بھی شدید و عجیب' دارو گیر' الجھت معاملہ یا کسی دوراہے پہ وقوف کرنے کے مخمصہ آڑے آ جائے تو دائیں راہ پہ اللہ پہ بھروسہ کرتے ہوئے چل پڑو...... اسی لئے شاید دائیں جانب کو سیدھا ہاتھ کہتے ہیں...... پھر مجھے میرے تجربے نے بتایا کہ راستی یعنی دائیں جانب چلنے والے سرخروئی کے ساتھ منزل پہ پہنچ ہی جاتے ہیں...... میں نے لق و دق صحراؤں' پہاڑوں بیابانوں ویرانوں اور ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیروں میں یہی طریقہ استعمال کیا...... شرط یہ ہے کہ انسان دائیں جانب بڑھنے سے پہلے خود [illegible] کی پہرداری میں بھی دے دے۔

سامنے والی چھوٹی سی سرسبز پہاڑی کے نیچے پہنچ کر میں رکا' آنکھیں میچ کر خالی الذہن ہو گیا......

چند ثانیے گزرے ہوں گے کہ دماغ میں دائیں جانب مراجعت کرنے کا انڈی کیٹر جلنے بجھنے لگا...... دائیں جانب کچھ قدم ہی بڑھائے ہوں گے کہ دو پہاڑی کوّے "کہاں کہاں؟؟" کہتے ہوئے میرے سر پہ سے گزر گئے...... اس کا مطلب تھا کہ میں صحیح سمت پہ ہوں...... ٹیڑھی میڑھی راہ والے اس نیم پہاڑی میدان میں چہار جانب گلزار کھلے ہوئے تھے۔ صبح کی البڑ خوشبوؤں اور البیلی نکہتوں نے دھوم مچائی ہوئی تھیں...... مخملیں گھاس میں جابجا خودرو بنفشے اور سنبل کے مسکراتے ہوئے پھول جنہوں نے ابھی ابھی شبنم سے نکھرے دھوئے تھے لہلہاتے شرماتے مجھ سے چہلیں کرنے لگے۔ اسی مست خرامی میں میں بہکتا بہکتا کافی آگے نکل گیا راہ پگڈنڈی جیسے تھیلے کی زپ کی مانند خود بہ خود کھلتی جا رہی تھی۔ اب سامنے ایک سیب کا جھاڑ کھڑا تھا...... دو منٹ دم لینے رُک لیا...... "کہاں کہاں" کی آواز پہ کان کی لوئیں تھرتھرائیں...... جھیل کی جانب سے تین چار جھوٹے کوّے میری جانب پرواز کرتے ہوئے دکھائی دیئے...... پھر وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اوپر سے گزر گئے تھیلے اور ٹیلے پتھر کو [illegible] میں بھی اسی جانب چل دیا...... ایک دو کوّوں کی ٹکڑیاں اور بھی میرے اوپر سے گزر گئیں بالکل وہی صورت تھی جیسے صبح صبح کاریگر مزدور کسی کارخانے میں آگے پیچھے جا رہے ہوتے ہیں...... دُور دُور سامنے کوئی کارخانہ یا فیکٹری تو نہ تھی البتہ [illegible] دور ایک عمودی سی چٹان دکھائی دی جو کسی پہاڑ کا حصہ لگتا تھا [illegible] مجھے جھنڈ سے [illegible] غرض میں تو کھلتی ہوئی زپ کے کھلنے کے ساتھ ساتھ آگے کھسک رہا تھا...... ایسے راستے اور ایسی منزلیں بھی کیسے راستے اور منزلیں ہوتی ہیں جنہیں نہ تو اختیار کیا جاتا ہے اور نہ ہی طلب کیا جاتا ہے۔ زمان و مکان کی قید نہ اندیشہ سود و زیاں...... [illegible] کار کا برزخ نہ اختیار کی خدائی...... [illegible] کی طرح بے بال و پر...... خوشبو کی مانند بے دیوار و در...... جگنوؤں کی طرح یک شام و سحر......!

ایسے بے اختیار راستوں اور بے طلب منزلوں کے درمیاں رواں مجھ ایسے آشفتہ سر ہی کچھ اوٹ پٹانگیاں سوچ سکتے ہیں۔

دائیں کاندھے پہ اونگھتے جاگتے سورج کی چنچل نگاہ نے مجھے ہوشیار کیا...... مشرق کی پہاڑیوں سے نور کے تڑکے کا ایک دھارا سا پھوٹ پڑا تھا۔ چشم زدن میں سارا منظر یکسر بدل گیا...... یوں لگا جیسے ماحول کی بانکی سی ریشماں دیکھتے ہی دیکھتے البڑ مٹیار بن گئی ہے...... آسمان کے نیلے دوپٹے پہ بادلوں کی اُجلی گوٹ دھنک چمک نے نظاروں کے سارے انگ رنگ اُجال دیئے تھے۔ دھرتی کوار گندل کی سی خوشبو میں بس رچ گئی تھی۔ کوّوں کی ایک اور ٹکڑی "کہاں کہاں کُراں کُراں" کی کہانی کہتی میرے اوپر سے گزر رہی تھی۔ ان کی پرواز کے رُخ پہ دیکھا تو ستواں چٹان کے نیچے جھاڑ جھنڈ دکھائی دیئے جس کا درمیانی فاصلہ اب کچھ زیادہ نہیں

گیا تھا...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوے اس جھنڈ میں کہیں غائب ہو گئے...... یہیں میری لاشعوری طور پہ تیز ہو گئی...... میں جلد سے جلد جھنڈ تک پہنچ جانا چاہتا تھا...... مجھے یقین ہو گیا کہ یہی وہ استھان ہے جہاں والے یوگی نے مجھے پہنچنے کا اشارہ دیا تھا۔ کوے بھی یہیں کہیں پہنچ کر غائب ہو رہے تھے...... اس جھنڈ میں کوئی سا اسرار ہے' اسی تجسس نے جہاں میری رفتار بڑھا دی وہیں میرے دل کی دھڑکن بھی تیز ہو گئی تھی۔ اسی تیز رفتاری میں میں جھنڈ تک آ لگا تھا۔ یہ چند نئے پرانے درختوں کا جھنڈ تھا' آلوچے' خوبانی اور چند چھدرے سے سیبوں کے جھاڑ...... آگے بڑھا تو دیکھا کہ درختوں کے درمیان اچھی خاصی کھلی جگہ تھی۔ سامنے کھڑی چٹان جیسے وہ زمین سے اُگی ہو۔ چٹیل چکنے خوبصورت پتھروں والی اور ایسی سیدھی کہ سر اٹھا کر اوپر دیکھنا پڑے...... میں اسے دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ حیرانی یہ تھی کہ اس گلگشت میں اس کا وجود کچھ علیحدہ سا ہی دکھائی دیتا تھا...... میں اس کے اردگرد گھوم کے دیکھنا چاہتا تھا لیکن تھکن اور تیز رفتاری کی وجہ سے ایک پتھر پہ بیٹھ گیا۔ پھر دھندلے ماحول میں نظر دوڑائی تو ادھر اُدھر کچھ چیزیں دکھائی دیں' کسی بستی کا سامان...... پانی کے لئے ایک دو ٹوٹی پھوٹی صراحیاں' مچھلیاں پکڑنے کا پھٹا ہوا جال' ٹوٹے ہوئے چپو' اُجڑا ہوا کھیت وغیرہ...... اور میں خوشگوار حیرت سے اس لمحہ دوچار ہوا جب ناگاہ میری نگاہوں میں سے ایک اینٹ آ گئی [illegible] سلے برابر مٹی [illegible] گڑی تھی۔ [illegible] نماز ادا کرنے کے لئے حسب ضرورت یہ جگہ بنائی گئی تھی...... میں ذرا مزید قریب ہوا...... پہلا خیال دل میں آیا وہ یہی تھا کہ یہاں سر جھکا لیا جائے...... پانی کی تلاش ہوئی' یہاں سے ذرا پرے زمین پہ بارش کا پانی جمع کرنے کی ایک چھوٹی سی جگہ بنی ہوئی تھی۔ لوٹا بھی پڑا دکھائی دیا' تھیلا اور شلوار وہیں دھرا اور لوٹا اٹھا کے میں نسبتاً ایک نیچی جگہ پہ اتر گیا۔ وضو کیا' دل میں آئی کہ اذان دوں...... خوب مزے لے لے کر اذان دی۔ پھر نماز کے لئے کھڑا ہو گیا...... اک عجیب سا سرمدی ناقابل بیان سا سُرور حاصل ہوا۔

صحرا بیابان' جنگل منگل میں بے سروسامانی' عجلت و فرصت' تنہائی و تردد کے عالم میں سر جھکانے کا اک الگ ہی سواد ہوتا ہے...... صرف بندہ اور معبود...... جیسے اک دوجے آمنے سامنے براہ راست معاملات طے ہوتے ہیں۔

فراغت کے بعد میں وہیں سجدہ گاہ میں قبلہ رو بیٹھا اپنی معمول کی گٹ مٹ میں مصروف ہو گیا...... ایسے موقع پہ میرے ساتھ قباحت یہ ہوتی ہے کہ پہلے ہلکی سی غنودگی در آتی ہے...... آنکھوں کے پپوٹے بوجھل ہونے لگتے ہیں...... دماغ میں غبار اور دھواں سا اٹھنے لگتا ہے اور پھر میں وہیں اوندھا منہ جا ڈھے جاتا ہوں...... گھر میں ہوں تو کوئی فرد' مسجد میں ہوں تو کوئی نمازی...... باقی ادھر اُدھر کی مسافت و مہاجرت'

گدھے سواری اور اونٹ اُتاری' ریل' گاڑی' جہاز' ٹمٹم وغیرہ پہ کوئی مسافر' راہگیر' جانور' جن' ہوا' صبا' دھوپ' بھوک وغیرہ مجھے ہلا جلا کر اُٹھا جگا دیتے ہیں...... یہاں تو میں پچھلی رات کا جگا ہوا تھا...... گٹ مٹ میں ایسا لُڑھکا کہ کچھ خبر نہ رہی۔ کشمیر کی ڈل میں ہوں یا بیکانیر کے تھل میں...... خوب گھوڑے بیچ کر سویا اور آپ جانتے ہیں کہ سویا مرا برابر ہوتا ہے۔

جب دیدوں کے دَر وَا ہوئے تو دریائے جہلم میں ڈل جھیل کا بہت سا وافر پانی بہہ چکا تھا۔

"جاگو موہن پیارے' بہت سو لیئے......"

آواز کی سمت گھومتے ہوئے اُٹھ کر دیکھا تو اِک رجالِ سیاہ پوش' کشمیری عبا پہنے یُوں کھڑا تھا جیسے وقت کے سینے پہ گڑا ہُوا اَمر ہو۔ جھکا واں شانوں پہ تسلیم کی تعلیم سے آراستہ دراز گیسو...... کسی اعلیٰ ظرف کی مانند کشادہ پیشانی...... جس پہ بندگی کی مُہر مہرِ تاباں کی مانند ضو...... روشن رمزیدہ آنکھیں...... لب مثلِ دُرِ شہوار برنگِ لعلِ بدخشاں یوں احمریں گل گوں کہ خونِ کبک کے چھینٹے پڑے ہوں...... یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ اکثر شب زندہ دار بزرگ نیند وغنودے سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے ایک خاص کاجل استعمال کرتے ہیں جس کے مسلسل استعمال سے آنکھ کے پپوٹے کنارے [illegible] سُرخ رنگت اختیار کر لیتے ہیں۔ دیکھنے والے کو محسوس ہوتا ہے [illegible] ہیں۔

ان سے نظریں ہٹائے بغیر میں اُٹھ کھڑا ہُوا...... ہاتھ کے اشارے سے سلام عرض کیا۔ ابھی تک میری حیرت اور جلے ادھ جگے حواس پوری طرح بیدار نہیں ہوئے تھے۔ میں خرگوش کی مانند آنکھیں پھاڑے منہ کھولے "تک تک دیدم" بنا ہوا تھا...... مجھے [illegible] دیکھ کر وہ مسکراتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔

"خوب سوئے...... ہاتھ منہ دھو لو...... میں نے تمہارے لئے ناشتہ تیار کیا ہے۔" کہتے ہوئے چٹان کی ایک جانب ہو لیئے۔

میں وہیں کھڑا انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ مجھے اپنے اُوپر سے کیوں کیوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اُوپر دیکھا تو جھاڑوں پہ بہت سے سراوگ کوّے دکھائی دیئے۔ جھکے جھکے بے دم سے جیسے بھنگ پیئے پڑے ہوں...... مجھے اپنی موجودگی کا احساس دلا کر وہ پھر جیسے کسی مراقبے میں اُتر گئے ہوں...... یہاں قمریاں' عندلیب' کونجیں' اُفن یا چکوّے چرند و پرند ہوں تو ہوں' یہ کالے کلوٹوں بے ڈھبوں بے سُروں کا کیا مقام...... پہلے کشتی کے گرد بھی یہی جنسِ سیاہ رَد و زاغ اب اِدھر بھی یہ بابائے بوم وسگ...... نگاہ کا ایک استہزا سا پھینک کر میں پانی کی ڈاب کی جانب بڑھ آیا...... حاجات سے فارغ ہو کر واپس پہنچا تو سیاہ پوش بزرگ نماز والے چبوترے پہ ناشتہ رکھے میرے انتظار میں تھے...... سلام کر کے اَدب سے پاس بیٹھ گیا۔

اُبلے ہوئے چاول اور شوربے والی کوئی ترکاری تھی۔ جو کچھ بھی تھا لذیذ تھا...... بزرگوں نے کہا ہے کہ کھانا وہ جو سچی تسلی اور تسکین و تاب دے، پہناوا وہ جو تن ڈھانپنے کے ساتھ عزت و وقار دے...... بابا جی میرے ساتھ شامل تھے میں اُن کے کھانے کے درویشانہ انداز کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود تو برائے نام مگر مجھے خوب کھانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ کھانے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں نے دُنیا جہاں کی نعمتوں سے پیٹ بھر لیا ہے۔ کہیں بھی ایسا نہیں لگا کہ یہ محض تام چینی کی چنبل زدہ پلیٹ میں دو مٹھی باسی چاول اور ملیے شوربے والی کسی ترکاری پہ مشتمل طعام جسے نُون مرچ مصالحے اور گھی تیل کے تکلف کے علاوہ گرم کرنے کے تکلف سے بھی محفوظ رکھا گیا ہے...... فارغ ہوئے تو بابا برتن سمیٹ کر فرغل سے ایک خوش رنگ سا سیب نکالتے ہوئے بولے۔

"کشمیر کی مٹھائی کھاؤ...... میں اتنی دیر میں تمہارے لئے قہوہ بنا لاتا ہوں۔"

میرے کسی جواب سے پہلے ہی وہ اُٹھ چکے تھے۔

"کیں کیوں" کی ہلکی آواز نے مجھے پھر متوجہ کر لیا تھا...... جھاڑوں پہ پہاڑ کا [illegible] بے سرا وگ [illegible] یوں [illegible] ہے اور بے جان سے بیٹھے تھے جیسے کسی کے گھر آئے ہوئے ہوں [illegible] کووں' کا 'گوں' [illegible] پہچانتے [illegible] سمجھتے ہیں...... کبھی کبھی [illegible] میرے استقبال و ملاقات کے لئے ضرور پہنچتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ ان کا وجود اس خطے میں ہو۔ جس طرح میٹھے یا غلاظت کو مکھی مچھر وغیرہ سات تہوں میں بھی کھوج لیتے ہیں بالکل ایسے میں بھی شاید ان کالے کرتوں والوں کے لئے بھی کچھ ہوں۔ بسا اوقات مجھے خود حیرانی ہوتی ہے کہ میں ان کی بولی ٹھولی اور کاں کائیں کہاں سے کیونکر واقف ہوں...... کتے بلی کی بھوں بھوں اور میاؤں میاؤں کی طرح کوّے کی بھی کائیں کائیں ہی ہوتی ہے۔ اس کا ہر موقع حال کی ہر کیفیت کا اظہار کائیں کائیں کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ لیکن میری سمجھ میں آتا ہے کہ بظاہر کائیں کائیں کے صوت میں اظہار و جذبات کی کیا کیا [illegible] منظم ہو رہی ہوتی ہیں جیسے کلاسیکی موسیقی کو کوئی بے سمجھ صرف 'ہا ہا ہو ہو' کی گردان ہی گردانتا ہے۔ جبکہ سمجھنے والے ان کی 'پا دھا' میں چھپی ہوئی سُروں کی خوبصورت جگہیں' شکلیں' تانیں 'مُرکیاں' بہلاویں اور [illegible] ندرتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ایک ایک سُر سرتی کو سمجھ محسوس کر کے سنتے ہیں۔ یہ کوّوں کی بولی بھاشا میں نے کہیں سیکھی پڑھی نہیں...... اگر میں پرندوں' جانوروں کی بولیاں سمجھتا جانتا تو سب سے پہلے چکور' مور' بلبل' کوئل کی بولیاں ٹھولیاں سمجھ بوجھ کر ان کے ترنم و ترانگ ہجر و فراق اور نغمہ و نوا کے درد و کرب سے تو یقیناً کچھ آشنائی حاصل کرتا...... یہ کمبخت کوّے اور میری سانجھ شاید ایک ہی رُخ پہ ہے

اسی لئے میں ان سے اور یہ مجھ سے بہت قریب ہیں...... کُتا چوپایوں کا درویش اور کوا پرندوں کا درویش۔

بابا تام چینی کی کلونسی ہوئی کیتلی میں گرم گرم قہوہ بھر کر لائے تھے...... قہوہ کافی اور چائے ہیں تو تینوں گرم گرم سکون آور مشروب مگر مزاجاً اور مزے ذائقے میں قطعی ایک دوسرے سے مختلف...... ان تینوں میں سے محض قہوے کو یہ تشرف حاصل ہے کہ اس کے حصول' تیاری اور مابعد باقیات سے لطف اندوز ہونے کے لئے کسی تردد یا تکلف سے واسطہ نہیں پڑتا جبکہ دیگر مشروبات کی تیاری اور دیگر لوازموں کے لئے دودھ' شکر' شہد' نمک' بالائی' مکھن اور علیٰ حسبِ ضرورت و مذاق' الائچی' بادیہ خطائی' سونٹھ' سونف' برانڈی' بادام' پستہ' کاجو وغیرہ کا تکلف بھی برتا جاتا ہے...... قہوہ کشمیری ہو یا قندھاری' مراکشی ہو یا مصری...... عربی ہو یا ومانی' پشاوری ہو یا پوٹھواری' چینی ہو چینی...... حبشی ہو یا یمنی' ایرانی یا عراقی...... سوڈانی یا سومالی سب قہوے معمولی سی افراط و تفریط کے ساتھ ایک سے ہی ہیں...... شکر کی ضرورت نہ دودھ کریم کی اور نہ ہی اس کی تیاری یا استعمال کے لئے کسی مخصوص آلات و ظروف کی ضرورت ہوتی ہے...... یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گرما گرم سکون آور مشروبات میں صرف یہی [illegible] ل ہوتا ہے جو حتی لحاظ سے بھی بے پناہ افادیت کا حامل ہے۔

بابا نے جو کشمیری قہوہ پلایا ایسا منفرد اور پُرلطف قہوہ پھر ایک بار [illegible] کے ایک درویش کے ہاں پینے کو ملا یا پھر شری نگر کے ایک عالم دین کے ہاں ایک دعوتِ شیراز میں ایسا ہی پُرلطف و نفیس زعفرانی قہوہ چکھنے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔ میرے تجسس اور قہوے کے شوق کو دیکھتے ہوئے انہوں نے بتایا یہ مخصوص قہوہ کسی کسی خوش نصیب ہی کو پینا نصیب ہوتا ہے...... شری نگر کے نواح سو پور' جہاں دنیا کے سب سے اعلیٰ اور قیمتی زعفران کے کھیت ہیں۔ وہیں کہیں قریب ہی ایک مخصوص قطعے میں اس نادر قہوہ کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ یہاں کے زعفران کی طرح یہ مخصوص زعفرانی قہوہ بھی دنیا میں کہیں اور کاشت نہیں ہوتا...... یہاں سے یہ چند مخصوص ہاتھوں تک پہنچتا ہے۔ نہ تو یہ کہیں بیچا جاتا ہے اور نہ ہی کہیں دستیاب ہوتا ہے' اسے سونے سے بھی زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے...... اس کی نشاط انگیز زعفرانی مہک اور اس کے سرمدی مزے سے ایک بار جو شاد کام ہو جاتا ہے کبھی بھی اسے فراموش نہیں کر سکتا...... اک بار چکھا ہے پھر چکھنے کی ہوس ہے کہتا ہوا اس کی جستجو میں رہتا ہے مگر یہ آرزوئے وصلِ یار کی طرح ہی رہتا ہے۔

[illegible] نے کمال محبت سے تین چار گھونٹ قہوے کے عنایت کیے تھے۔ قہوے کی کیتلی دیکھ کر پہلے تو یہی [illegible] کہ یہ بھی کوئی روایتی عام قسم کی چائے یا قہوہ ہوگا...... چودہ طبق تو تب روشن اور بیدار ہوئے جب [illegible] چسکی لی...... قہوے کی روایتی تلخی کے ساتھ جس چیز نے میری روح کو مشکبار کر دیا تھا وہ اس کی [illegible] بھینی بھینی زعفرانی مہک تھی جس میں قدرتی طور پہ شامل روغن نیموں کا ایک الگ تیکھا سا ذائقہ اپنی [illegible] رہا تھا...... کسی بھی اچھے مشروب میں تین خصوصیات ہونی چاہئیں۔ رنگ نفیس' سیال ہلکا معتدل اور [illegible] خوشبو مشام جاں کو معطر کرنے والی' جو طبیعت میں طراری' بشاشت لائے اور روح کو پُرنور [illegible] قطع نظر قہوے کی یہ تمام خصوصیات صرف اور صرف اللہ کی بے مثال نعمت دودھ میں موجود ہیں...... [illegible] مشروبات مثلاً دودھ' پھلوں کے رس' پانی وغیرہ کے علاوہ جو مشروبات جنہیں انسانی ہاتھوں نے [illegible] موسم اور علاقائی ضرورت و تہذیب کے مطابق اختراع کیا ہے ان کے بنیادی عناصر میں پانی' [illegible] دو آگ بھی ہے...... بس آگ کی آنچ تپش سے پیدا ہونے والے تغیر [illegible] کے نتیجے میں جو کیمیائی [illegible] ذوق و سیال حاصل ہوئے وہ اس کے پسندیدہ مشروب ٹھہرے...... جس [illegible] طرح طرح [illegible] چائے' قہوے' کافی' شوربے [illegible] ہیں۔ اب [illegible] حدت [illegible] سکتے ہیں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ جب سے انسان نے اپنی غذا کی تیاری میں آگ کو [illegible] اس نے اپنی فطری قوت مدافعت کمزور کر دی ہے۔ دیکھیں اگر تو آگ کو لگانا' بجھانا' سنبھالنا' [illegible] بچانا بھی اک سر درد [illegible]

- [illegible] کو تھا' وحانس کی موتھا......!

[illegible] دیے ہوئے بمشکل تین جرعے قہوہ...... شاید لڑکپن' جوانی اور بڑھاپا تھے...... عجیب از خود اسرار [illegible] جیسے یہ تینوں ادوار میرے سامنے کھول کر رکھ دیے تھے...... میں واضح طور پہ محسوس کر رہا تھا کہ میں [illegible] تینوں ادوار کی کیفیتوں میں ہوں...... قہوے نے جیسے میرے ظاہر و باطن کی ساری خشک سالی کو [illegible] سیراب کر دیا۔ میں ہلکا پھلکا بے وزن سا ہو گیا تھا۔ نگاہ پربتوں کے پار پاتال کے پنچھیوں [illegible] شرمیلی پروائی کی سرگوشیوں اور پرندوں کے چہچہوں کی چلبلیں سمجھ میں آ رہی ہوں...... بابا بھی [illegible] دے رہے تھے۔

میں نے دیکھا، جانا اور سمجھا کہ روشنیوں، اُجالوں اور دھنک رنگوں کی کوئی الف، بائے، شناخت ہوتی ہے اور نہ کوئی پیش و پس، ابتدا انتہا، الاّ تار و تیرگی، سیاہی اور سیاہ بختی کے راستے بند ہوتے ہیں۔ کوچۂ قاتل کے سوا...... سیاہ بختوں کی صبحِ اُمید بھی شامِ یاس ہوتی ہے۔ گاہے سیاہ پوشوں کے لئے سارے دھنک رنگ شب تار کے سنگ ہوتے ہیں۔ تیرہ مزاجوں، سوچوں والے روشن وقتوں میں بھی شب خیز ہوتے ہیں —— سائنس نے تو آج اندھیرے اُجالنے والی عینکیں دریافت کی ہیں، سائیں تو اپنے پھوٹے دیدوں سے دیکھتے ہی اندھیروں میں ہیں۔ اِن اندھیر اندھوں کو اندھیروں میں بہت دُور کی سوجھتی ہے...... یہ دن مُردہ وار اور شب زندہ وار ہوتے ہیں...... اِن کی شبیں منظر و معطر اور دن، جھکندن و محبس......!

"قہوہ کیسا لگا......؟" بابا نے اچانک پوچھا۔

میں تو کہیں اور ہی ڈوبا ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا [illegible] سوچ رہا تھا۔ اپنے اندر سے اُبھر کر [illegible] کر جواب دیا۔

"بابا! کیا یہ قہوہ ہی تھا؟...... ایسی تشفی، تسکین اور طمانیت حاصل ہوئی جس کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے...... مجھے تو یوں محسوس ہوا ہے جیسے میرے جسم، جان اور دل و دماغ کی ساری بند کھڑکیاں دروازے [illegible] ساری کثافتیں چھٹ چکی ہوں اور میں کسی شوخ خوش رنگ تتلی کے سبک سراپے میں تبدیل ہو چکا ہوں......"

بابا نے بڑی [illegible] روائی سے جواب دیا۔

"ہاں! کجلائے ہوئے قہوے سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔"

"کجلایا ہوا قہوہ؟"...... میں نے زیرِ لب دُہرایا...... "ایسا قہوہ تو میں نے کبھی دیکھا سنا یا پیا نہ تھا۔"

بابا نے جیسے میرا دماغ پڑھ لیا تھا بولے۔

"دماغ پہ دباؤ ڈالنے کی ضرورت نہیں...... میرے کاجل کوٹھے میں کاجل کھل کے اوپر یہ قہوے والی کیتلی دھری رہتی ہے۔ ضرورت سے گھونٹ گھونٹ پیتا رہتا ہوں۔" وہ میرا ہاتھ تھامتے ہوئے بولے۔ "آؤ آؤ میں تمہیں اپنا کاجل کوٹھا دکھاتا ہوں۔" وہ مجھے لیے چٹان کی دائیں جانب پہنچ گئے۔ ایک کچے پکے حجرہ نما کمرے کے دروازے پہ کھڑے ہو کے بتانے لگے۔

"یہ ہے میرا کاجل کوٹھا...... مٹی پتھروں اور لکڑی سے تعمیر اک کوٹھا سا میرے رُوبرو تھا۔ پرانی کالی لکڑی کے بنے ہوئے بے ڈھبے سے دروازے کا پٹ ہٹاتے ہوئے مجھے اندر لے آئے...... نیم اندھیرے میں کچھ دکھائی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں کسی اندھے کی مانند ٹک ٹک ٹٹولتا ہوا جب کچھ دور اندر آ گیا تو

محسوس ہوا کہ میں جیسے کسی اندھی قبر میں آ پہنچا ہوں...... کالا بھم گُھپ اندھیرا' کسی قدر گھٹن اور گرمی...... ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ دَر و دیوار پہ کالے گھٹنڈ اندھیرے پُتے ہوئے...... عجیب کسیلے سواد والے روغنی بتیوں سے دُھواں کا اک چھدرا جال سا بنا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اک خوشگوار سی تلخی اور خوشبو میرے مُنہ اور نتھنوں میں اُتر چکی تھی۔ اندھیرے سے آنکھیں مانوس ہوئیں تو دیکھا' غار کے درمیان اک بڑے سیاہ پتھر پہ چھوٹے چھوٹے پتھروں سے ایک چولہا سا بنا ہوا ہے۔ جس پہ سیاہ رنگت کی مٹی سے بنا ہوا ایک طباق اُلٹا پڑا ہے۔ نیچے دیا نما مٹی کے کٹورے میں تیل اور اس میں پڑی روئی کی موٹی سی بتی کے ہونٹ سُرخ تھے...... بابے نے قہوے کی کیتلی میں مزید کچھ پانی اور قہوے کی پتیاں ڈال کر کاجل والی کنالی کے اُوپر رکھ دی...... دروازہ بھیڑتے ہوئے کونے میں بچھی پھونس کی اک چٹائی پہ بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی تم نے کچھ چیت لیا اب یہاں ٹک کر پاؤں پسارے دم دھیرج کرو...... میں کچھ سمے کے لئے یہاں سے تھوڑی دُور پرے باجو گھاٹ پہ جا رہا ہوں۔ تمہارے کھانے پینے کے لئے کچھ سامان لیتا ہوں تب تک۔ اتنی دیر تم اِدھر کچھ دیکھو' جانو اور سمجھو......''

میں نے بابا کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

''بابا [illegible] پیچھے ہو لیا ویسے بھی [illegible] میری ساری پچھتا دُور ہو گئی ہے...... اکیلا یہاں اُوبنے لگوں' بہتر ہے آپ کے ساتھ ہی چلا چلوں۔''

بابا نے ہلکے سے میرا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''تم نے اُوبنے کی بھی خوب کہی' شاید تم نہیں جانتے کہ پُرانے دھیانی کہتے ہیں کہ گیان دھیان کی صورت مُورکھا کے لئے زمین کے نیچے کی کوئی بانجھ باؤلی' یا زمین کے اُوپر بلندی پہ کوئی بے نور روشنی کا مینار ہی مطلب کے استھان ہوتے ہیں۔ جدھر اُترنے چڑھنے کے لئے سیڑھیاں منزلیں ہوتی ہیں' کوئی منزل اُتر کر سر ہوتی ہے اور کوئی اُوپر چڑھ کر پاؤں پڑتی ہے...... اور ہاں دَم دھیان کی دھیر چِتا کی جانکاری کے لئے زمین میں بھی اک استھان ہوتا ہے' وہ ہے کوئی کاجل...... کوٹھا یہاں پاؤں سے چڑھا اُترا تو نہیں جاتا البتہ پاؤں پسارے ضرور جا سکتے ہیں...... کاجل منڈپ کی جانب پاؤں پساریں تو دَم کی دھونکنی سے دُھواں کی دھانسا کی گھمبیر ہوتی ہے تو رُوم رُوم میں کالا ناگ کے ڈیک سے جل اُٹھتے ہیں۔ ہر رُوم روزن کا دیا دیپک اپنی لگ لگن لو پہ کالائی وال ہوتا ہے۔

تم اِدھر دھیان جما کر اس کاجل دیپ کی آرتی اُتارو' میں کچھ لے دے کر پلٹتا ہوں......''

سینے میں ارمان سُلگ رہے ہوں یا کسی کی یاد کا دیپک روشن ہو تو ظاہر ہے کہ دُھواں دھانس تو اُٹھے گا جو حلق سے نکلتے نکلتے آہ کراہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر وہ شے جو جل سکتی ہے، گرمی روشنی اور دُھواں پیدا کرتی ہے۔ ان میں روشنی ایک چند، گرمی دو چند اور دُھواں کئی چند رہتا ہے۔

اوّل بھی اور آخر بھی یہی دُھواں، بلٹے لپکے لہرے جھٹکے اور پٹکے لے لے کر ماتم کناں یا رقص فگن رہتا ہے۔ خصوصی مراقبوں، تحلیلِ نفسی، تزکیۂ نفس کی مشقوں، تسخیرِ ذات و ہم زاد کی ریاضتوں، جلسوں، چلّوں میں ایسی ویرانیاں، تنہائیاں، جھونپڑیاں اور قبریں، قُبّے، لمبے ٹیلے، کنوئیں، باؤلیاں، گپھائیں، غاریں وغیرہ بڑے مددگار و معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اُدھر سے طالبعلم کی حیثیت سے ان سے مناسب سی راہ و رسم بھی تھی۔ گاہے کاجل کوٹھڑی یا کوٹھے کے بارے میں سُنا پڑھا بھی تھا۔ اندر آنا نہیں پڑا تھا...... بابا مجھے شعوری طور پہ ننگا دھڑنگا کیے، دروازہ بھیڑے چل دیے تھے۔ باہر کی روشنی چھوٹتے ہی اندر کے اندھیرے اُجلنے لگے۔ شاید یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں چکا چوندی کی جگہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں تبدیل ہو جاتی ہے پھر یہی اندھیروں کی گھٹا ٹوپی کے باطن سے آگہی اور آگہی کا قطبی تارا سا طلوع ہوتا ہے جس کی تابندگی سے ظاہر و باطن کی آنکھ چُندھیاتی نہیں بلکہ بینائی پکڑتی ہے۔

باہر جھاڑوں پہ مُنڈیاں ڈالے بڑے بڑے پروں والے بازو لٹکائے سراوگ کوؤں میں سے کسی نے ”کیوں، کیوں“ کی جھڑک لگائی یا مجھے تازیانہ لگایا کہ میں دائیں جانب گھوم سا گیا...... آنکھیں کھلی تھیں یا بند...... یہ تو نہ سوچا لیکن سجھائی سب کچھ دے رہا تھا...... سامنے کاجل منڈپ سے سیاہ سورج اُبھرا ہوا مجھے چل پل کر رہا تھا...... کلمہ گو نہ ہوتا تو اسے اگیا بیتال جان کر جان جوکھم کر لیتا۔ میں سمجھتا تھا کہ یہ اندھیرے اور کالے بھرت کا بیلا ہے اور دیے کے تیل کی دھانس ہے جو دماغ میں دھما چوکڑی جمائے بیٹھی ہے اور اُدھر کالک کی شیتل سی دُھول دھندو ہے جو نتھنوں نسواری چڑھا گئی ہے...... دھیانی گیانی کہتے ہیں۔ دھیان کے لئے دُھواں اور گیان کے لئے گپھا (غار، کھوہ، علیحدہ سی جگہ) لازم ملزوم ہیں...... دُھواں دل سے اُٹھے یا جان سے...... اگر کے برادے یا چندن کے چوب سے، ہرمل سے ہرتل سے...... عود کے کاٹھ سے یا لوبان کے موم سے اُٹھے...... سفید تلوں کی دُھونپٹ ہو یا کالی کلونجی کی دھانس...... نیم کی نمولیوں یا تلسی کی پتیوں کی دُھونی...... تمباکو کے ڈنٹھلوں یا خشخاش کے ڈوڈوں کا دُھواں، فلفل احمر اور زرد چوبہ کا دُھواں...... اُمپہ چنگ یا مارخور کے سینگ کا دُھواں...... سُودک والی ناری کے زیریں بالوں کا دُھواں یا اُلٹا جنم لینے والے بچے کے ناڑو کا دُھواں یعنی دھیان کسی بھی دَم دَرکا ہو اس کے لئے دُھواں دُھونی جزو لاینفک ہے۔

ولی قطب، فقیر، سادھو سنت، ملنگ، عامل کامل، عاشق عابد، مزار قبر ڈھیری، مقبرہ، مندر، مسجد، معبد کچھ بھی کوئی بھی ہو...... دھواں دھونی ضرور ہو گی ...... حاضرات، موکلات، جنات وظیفے چلّے چوکے چوبارے ...... دھونی رچائے بن نہ جن حاضر ہوتا ہے اور نہ ہی دیگر حاضرات ...... محبوب آتا ہے نہ معشوق پہنچتا ہے۔ ایسے ہی گیان کے لئے گپھا ہی گہوارہ ہوتا ہے یعنی ایسا استھان جدھر دھیان گیان میں کوئی کھنڈت نہ ڈالے۔ ظاہر ہے ایسی جگہ کہیں جنگل، پہاڑ، غار، گپھا، باؤلی، قبرستان یا کوئی ویرانہ وغیرہ میں ہی ہو گی ...... یہی وجہ ہے کہ دھیانی گیانی، سادھو، درویش، عاشق معشوق ...... آبادیوں کی بجائے اکثر بربادیوں اور ویرانوں میں پائے جاتے ہیں۔

باباجی کا بھی اس دھواں دھار گپھا میں پایا جانا خوب سمجھ میں آتا تھا۔ جبکہ میں اس پنجرے میں پھنسا [illegible] پرندہ تھا، پھنسا ہوا ہی کیا بلکہ میں تو ایسا پرندہ تھا جو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنے لئے کنج قفس تلاش کرتا ہو۔ مجھ جیسے شکستہ دل، آشفتہ حال، شکستہ بال و پر پرندے تو پنجرے ہی کی پناہ مانگتے ہیں۔

کوئلے کی کان، کاجل کوٹھا یا لوہار عطار کی دوکان ادھر اُجلے دامنوں کا کیا کام؟ ادھر تو دریدہ دامن، سوختہ [illegible] سیاہ دل ہوتے ہوں گے نہ بھی ہوں تو بھی ہو جاتے ہیں۔ کالے تن من پیراہن پہ کوئی داغ دھبا یا کوئی چنگاری، تل خال ابھی دکھائی نہیں دیتا ...... مرجھائے [illegible] آنکھیں کلونٹی لال [illegible] ہونٹ پپڑے، [illegible]

اس دوران میرا کچھ ایسا ہی کم نقش ہو گیا تھا ...... وقت کی بینا پہ نرم ہاتھ ترن ترن چھوتا ہوا لگا تو بھی جب کچھ مزید زخم زخم ہوا تو یوں احساس ٹھہرا کہ زمانہ یا وقت ہر ایک پہ ہمیشہ ایک سا نہیں پڑتا۔ بلکہ ہر اک شخص کے پاس زمانہ، وقت جانچنے یا گزارنے کے اپنے الگ الگ پیمانے ہوتے ہیں ...... ساعتوں، لمحوں، پہروں، دنوں، ہفتوں، عشروں، مہینوں، برسوں، صدیوں، قرنوں کو محسوس کرنے کے اپنے اپنے [illegible] اور فکری شعوری زاویے ہوتے ہیں ...... کسی کے لئے ایک پل اک صدی کے برابر ہوتا ہے اور کہیں صدیاں ساعتوں میں دکھائی دیتی ہیں ...... لاکھوں کے مجمع میں ہر نفس سر پہ کھڑے وقت کے سیلاب تلے اپنی الگ فریکوئنسی رکھتا ہے۔ وقت وقفے کا کوئی کلیہ قاعدہ نہیں ہوتا۔ وقت تو ایک کالے قلزم میں ٹھہرے پانی کی مانند ہے۔ جس کی اپنی کوئی مخصوص شکل و صورت نہیں ہوتی۔ وہ جس ظرف ظروف میں اترے گا وہی شکل و صورت حالت اختیار کرے گا۔ سو جام ہو یا سبو، مشکیزہ ہو یا کاسہ وغیرہ ...... علیٰ ھٰذا القیاس وقت ہر اک کے لئے اپنا الگ تشخص اثرات اور اشکال رکھتا ہے۔ جیسے ایک ہی صحرا میں ہر ذرہ اپنا ایک الگ سورج رکھتا

* * *

اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ سر پڑے وقت کی اپنی گفتار اور مٹھی میں بند ریت کے دانہ دانہ کھسکنے کی

سُوجھ سمیٹ ہی رہا تھا کہ بابا اپنی کالی چادر میں کچھ سامان باندھے اندر داخل ہوئے۔

"السلام علیکم" کا چراغ جلا کر وہ میرے سامنے چٹائی پہ بیٹھ گئے۔

"کہو بچہ" کیسے گزر ہوئی؟...... میں نے تو اپنی طرف سے کچھ دیر نہیں کی۔ جانا آنا ہی کیا ہے۔" چادر کھول کر مجھے سامان دکھانے لگے۔ "تمہارے لئے نرم نرم بگو گوشے' تازے تازے سُرخ خوشبودار میٹھے میٹھے سیب' کھیرے' سبز مرچ' آلو اور مچھلی بھی لایا ہوں...... چاول' گڑ' مکی کا آٹا یہاں موجود ہے۔ ہم پکائیں گے اور خوب کھائیں گے۔"

میں نے سامان سے نظریں ہٹاتے ہوئے پوچھا۔

"بابا! آج مجھے کیا ہوا پہلے صرف کالی چیز ہی کالی دکھائی دیتی تھی اور اب ہر رنگ سیاہ نظر آتا ہے...... یوں لگتا ہے جیسے میں باہر کے علاوہ اندر سے بھی کالا سیاہ ہو گیا ہوں۔ میرا جسم' میرے خون کا رنگ' میرا دل دماغ' انگ انگ' پور پور چپہ چپہ یہاں پٹ گئی ہیں...... اور تو اور مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا تار نفس' دھوئیں کی مہین سی اک لہر میں تبدیل ہو گیا ہے...... بابا! مجھے اک عجیب سی خوشبو نے ترمست کیا ہوا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیا ہے...... یہ پُراسرار پاکیزہ سی کالکیں روشن روشن اندھیرے اور ایسی آفاقی سی خوشبو...... جیسے [illegible] ہے [illegible] اور گہرائیوں کے باطن سے پھوٹنے والی کوئی لافانی سُگندھ ہے۔ سمے کے پگ میں پڑی کانسی کی پائل سے بکھری ہوئی سی جھنکار کی مُسکان ہے۔ بابا! یہ سب......؟"

بابا اپنا کومل سا ہاتھ بڑھا کر اپنی موتی سی پوروں سے میرے ہونٹ مَس کرتے ہوئے کہنے لگے۔

"ایسی پیاری پیاری اَدق سی باتیں کہاں سے سیکھی ہیں تم نے؟...... لگتا جیسے کوئی کوتا سُنا رہے ہو...... اور ہاں میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے تمہارا کسی کاجل کوٹھے سے واسطہ نہیں پڑا' ورنہ تم ایسی باتیں نہ کرتے۔ کاجل کوٹھے کی اپنی ایک الگ ہی دُنیا ہوتی ہے...... اس کا ظاہر زمانے کی زد میں اور باطن وقت کی قید سے آزاد ہوتا ہے...... کالکو ودھیان کی تپسیا کچھ ایسی آسان زسان بھی نہیں ہوتی...... اور نہ ہر کوئی منش اسے جھیلنے نبھنے کے لائق ہوتا ہے...... دودھ کی دھارا تو ہر کوئی پی لیتا ہے پر کالے بس کا پیالہ پینا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ بس جس کی سراوگ کو نے پنپائی اور رکھشا کریں وہی کالکو ودھیان میں دھیان دے سکے ہے...... اور تمہیں ادھر اس کاجل کوٹھے تک یہی باہر رنگوں پہ بیٹھے ہوئے سراوگ ہی تو لائے ہیں...... بچہ تن من باہر بھیتر اُجلا اور روشن تو کوشش اور کھوجن سے ہو سکتا ہے پر اسے کالا کلوٹا کرنا اور پھر اسے گہرا اور قائم رکھنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں......"

کاجل منڈل، کاہو اور صندل......!

پھر وہ کاجل منڈل پہ ایک گسی درخت کے ٹھونٹھ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

"یہ کاہو کا ٹھو دیکھتے ہو...... جس پہ دیپک دھرا ہے۔ کاہو اور چنچل پتھر ایک برابر ہوتا ہے۔ کاٹھ کا ٹھو لوہے کے ٹھل کے موافق ٹھن ٹھن کی آواز دیتا ہے...... کاٹو تو آرہ کند کر دے۔ ندی میں پھینکو تو نیچے تہہ میں بیٹھ جائے...... ایسا کٹھور اور کٹھن سبھاؤ والا کاٹھ دھرتی پہ کوئی اور نہ ہوئے۔ پر یہ کاجل کوٹھے میں پڑ کر پھیکے ہو جاتا ہے کہ مثلِ آفتاب دمکتا ہے۔"

میں فوراً بول پڑا۔ "ہاں بابا! میں نے اسے ایسے ہی روشن دیکھا۔ مگر ایسی روشنی جو آسمان والے سورج سے مختلف تھی...... میں اگر اسے کالی روشنی کہوں تو شاید یہ درست نہ ہو یا شاید اس طرح کہ جب اندھیروں میں مزید اندھیرے گہرے ہو جاتے ہیں تو پھر وہ سُلگ کر روشن ہو جاتے ہیں جس طرح دُکھ آلام [illegible] جب جھم سُر لگاتے ہیں تو مزہ دینے لگتے ہیں۔"

بابا بولے۔ "ہاں بالکل ایسے ہی...... یہ کاہو کا ٹھو جیسے اگر آگ جانتا [illegible] اپنے ہونٹ جلا بیٹھے۔ ہاں [illegible] کے دانت کھٹے [illegible] راندۂ کار ہو جائے۔ اس جلالی درویش صفت کاٹھ کو اک خاص مقصد کے لیے کاجل کوٹھے میں دیپک تھل کے نیچے رکھتے ہیں اور یہ ادھر پڑے دھرے پتہ نہیں کیا سے کیا ہو جاتا ہے...... تیل، تزتراہٹ، حرارت، تیرگی اور آس پاس کی [illegible] درویشی [illegible] رہتی ہے...... وقت کوٹھے سے باہر رہ جاتا ہے اور وہ ہر آن سوز و ساز رومی پیچ و تاب رازی کی زد میں رہتے رہتے سنگ مقناطیس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

"بابا! یہ کالکو ودھیان کب تک جاری رہتا ہے کیا اس کا کوئی انت بھی ہے؟"

بابا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولے۔

"جب کاہو کاٹھ پہ دھرا دیپک بن تیل باتی کے بھی جلتا رہے تو جان لو کہ تپسوی کی تپسیا انت ہو گئی...... اور یہ سمے تب آتا ہے جب سراوگ کوٹھے کسی نئے سراوگی کو لے آتے ہیں...... آنے والے اپنے ٹھوں دیپک میں تیل باتی ڈالتا ہے...... نیا کاہو کا ٹھو تیار کر کے استھان بناتا ہے۔"

بابا چند لمحے رُکنے کے بعد معنی خیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے پھر بولے۔

"تم دیکھ سکتے ہو کہ دیپک تیل سے خالی سوکھا پڑا ہے...... اور جل بھی رہا ہے۔"

بابا کی بات کی یہ گھات جان کر میری تو سٹی گم ہو گئی...... چپ سی لگ گئی...... یا خدا! یہ کیا...... اب مجھ

میں آیا کہ یہ بڑے بڑے کوّے...... جو کوّوں سے زیادہ کوّوں کے روبوٹ لگتے تھے کیوں میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں...... کشتی اور کشتی والا پُراسرار بابا...... یہ اَن دیکھا جھیل کا کنارہ' مقناطیسی پتھر...... جو اسی کاجل کٹیا والے کا ہوشنگو کے زیرِ اثر تھا اور کوّوں کی رہنمائی وغیرہ وغیرہ...... جب ہر چیز اچھی طرح واضح ہو گئی تو میں نے بابا کے چرن چھوتے ہوئے عرض کی۔

''اب میرے لئے کیا حکم ہے......؟''

''آج رات میں تمہاری راہنمائی کے لئے یہاں رُکوں گا...... تمہارا کشتی والا شلا یہاں پرانے شنگو کی جگہ لے لے گا...... دیپ سے دیپ جلے گا' نیا تیل نئی باتی پڑے گی اور پھر تم سے ہماری اللہ بیلی ہو جائے گی۔''

میں نے اپنے کشتی والے شلے مقناطیسی پتھر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''بابا! یہ شلا؟ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ اور استھان والا شنگو ایک ہی چیز ہیں۔''

''ہاں...... تمہارا والا شلا بھی کا ہوشنگو ہی ہے...... جو پچھلے برس اسی استھان پر جڑا پڑا تھا...... اس پہ کالکو ودھیاں ہو چکی ہے...... اس کو تراش خراش کر شلا بنا دیا گیا ہے جو اس کا انت ہے۔''

میں نے استھان والے شنگو یعنی کاجو کاٹھ کے [illegible] کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

''[illegible] بنے گا......؟''

''ہاں اس کو بھی تراش خراش کر تمہارے شلے کی مانند بنا دیا جائے گا...... یعنی گول سا پتھر! جو آسانی سے اُٹھایا اور سنبھالا جا سکے اور جان لو کہ جو فالتو لکڑی کے ٹکڑے اُترتے ہیں وہ بھی بڑے کام کے کیمیائی ہوتے ہیں۔ اس سے خاص الخاص کاجل کوٹے اور سُرمہ دانیاں بنتی ہیں...... تسبیحوں کے منکے...... دیپک وڑے' ہتھ چھڑیوں کے مُوٹھے...... گلے میں ڈالنے والی لوحیں' تختیاں' پنجے' کڑا اور جوگیوں کے کانوں میں ڈالنے والے بالے وغیرہ بھی تیار ہوتے ہیں...... اور یہ چیزیں صرف سادھو' جوگی' فقیر' درویشوں' سنتوں کے کام کی ہی ہوتی ہیں۔''

میں نے جب بابا سے پوچھا کہ اس شنگو میں کون سا ایسا چمتکار ہوتا ہے کہ اسے صرف گیانی دھیانی فقیر درویش ہی اہمیت دیتے ہیں تو وہ کہنے لگے۔

''اگر میں صرف تمہیں اس کاٹھ کی سُرمہ دانی اور کاجل کوٹے کا چمتکار ہی بتا دوں تو تم حیران رہ جاؤ گے...... ایسی سُرمے دانی میں کبھی سرمہ یا کاجل بھرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی...... اگر روزانہ اس میں سے صرف سلائی کھینچ کر آنکھوں میں پھیر لو تو دیکھو گے کہ کالی گھٹائیں آنکھوں میں اُمڈ آئی ہیں...... اندھیروں میں بھی دکھائی اور دُور دُور تک سجھائی دینے لگا ہے...... دیدوں میں دیدہ وری در آ گئی ہے۔ آنکھیں حسین اور

[illegible] سی ہو گئی ہیں سمجھ لو کہ اسی طرح اس سے بنی ہوئی دیگر اشیاء بھی عجیب و غریب اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ جو سمجھ عقل سے ماورا ہیں۔“

بات در بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک آ پہنچی کہ وہ مصرعہ سامنے آ گیا۔

”بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے“

حافظے کے رُخِ تاباں سے ذرا آنچل سرکائیں تو محسوس ہو کہ نگہ ناز پھسلتے پھسلتے کہاں پہ آ رکی ہے۔ [illegible] سلسلہ بڑے دراز تھا اسی گفتگوئے پیچ و خم کا کہ سفیداں بائی کے سر میں کشمیرے سنگھ کی محبت و صحبت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ دن رات اس کے خیالوں میں مگن، کھانے کا ہوش نہ پینے کا جتن۔ کام قماش سے بے رغبت، اپنے پرایوں سے بے مروت اور ادھر کالے خان کو ایک چپ چپاتے [illegible] لب دل دم کرے سب کچھ دیکھا کیے تھا۔ ایک روز سرِ شام سفیداں بائی سر کی دُکھن اور آنکھوں کی جلن سے بے کل پڑی تو کالے خان سے [illegible] تو اس نے شلوکے کی جیب سے ایک سُرمہ دانی نکال کر اس کے دیدوں میں ایک سلائی پھیرا دیکھتے ہی دیکھتے جہاں دُکھ درد جاتا رہا وہاں اس کے کٹورے نینوں میں ٹھنڈک کی تسکین [illegible] جوالا بھی [illegible] سُرمہ دانی پہلی [illegible]۔ [illegible] سُرمے کا جل، کول کی محتاج نہیں تھی، جس کی سلائی آنکھوں میں کھینچنے سے نہ صرف تن من کی [illegible] دُکھ درد دُور ہو جائیں۔ پھر سفیداں بائی نے کالے خان سے یہ سُرمہ دانی یوں طلب کی تھی جس طرح [illegible] کسی طرحدار تماش بین سے وفا مانگتی ہے اور کالے خان نے بھی ایسے سُرمہ دانی یوں بخشی کہ جیسے کوئی [illegible] کسی دیوداسی کو دیو یہ دان دیتا ہے۔ سُرمہ دانی دینے کے بعد وہ یہی سوچ سوچ کر نہال ہو رہا تھا چلو [illegible] تو میری ہوئیں باقی چاہے وہ کسی کی بھی ہو“...... سفیداں بائی بھی سُرمے دانی پا کر یوں نین مٹکور مٹکور [illegible] مہارانی جھانسی سے جون جڑی ہو یعنی یہ خاص سُرمہ دانی بھی اسی کاٹھ کی بنی ہوئی تھی۔

نیند پلکوں کے پلنے میں جیسے جنم جنم سے آرزوؤں کے سائے سوئے پڑے ہوں۔ خوب وقت تھا کہ [illegible] بائی اور کشمیرے سنگھ اک ڈوبتے کا سایہ ہی تو بنے ہوئے تھے اور سایوں کا سلسلہ، روشنیوں کے زاویوں سے منسلک ہوا ہوتا ہے اور زاویے مستقیم نہیں ہوتے۔ ان میں دباؤ جھکاؤ، گھماؤ ہوتا ہے۔ وقت کے چمکتے سورج نے [illegible] دیوانوں اور ایک نیم دیوانے کی دیوانگی پہ اپنی آنکھیں قدرے مُوندھ رکھی تھیں کہ ہر عمل و دخل کی ایک حد کے بعد اپنا ایک منطقی انجام سرپذیر ہوتا باقی رہ جاتا ہے اور اب شاید یہ سمے بھی سر آ لگا تھا۔

سفیداں بائی اپنا عندیہ و ارادہ کسی پہ کھولنے کی پابند تو نہ تھی...... نہ ہی اب تک کسی کی نوچی رہی یا کسی کی نگہداری و پابندی کی کڑی پاؤں میں پڑی' وہ تو خودمختار و مشہور رنڈی تھی جو سکۂ رائج الوقت کی مانند شہر و نگر اور حُسن و عشق کے ہر کوچہ و بازار میں بہ اہتمام گردش میں رہی تھی۔

برسبیلِ شوق اتم ہلکی سی چٹکی چٹخائی کہ کشمیرے سنگھ کے ساتھ ڈیرہ ڈون جائے گی۔ آگے پیچھے آنا جانا تو اس کا لگا ہی رہتا تھا لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس بار یہ بلبلِ ہزار داستان' اس بلخ کے شہزادے کے ساتھ کسی لمبی ہی اڑان پہ ہے...... دو چار روز میں ہی اس نے اپنا مکان چوبارہ' آگرہ کی ایک طوائف خوش بخت جہاں کو کرایے پہ اُٹھوایا اور تو اور ادھر دونوں نوچیوں' سازندوں' خانہ زادوں کو بھی اسی طوائف کا پابند کروادیا۔ کالے خان کو پہلو میں بٹھا کر دلار دیا' متفکر سے سمجھایا کہ طوائف تو کھڑے سورج تلے منش کا پرتو ہی تو ہوتی ہے آگے کبھی پیچھے۔ سر چڑھی تو کبھی پاؤں پڑی...... اس کا دھندا پیشہ ہی رجھانا بہلانا پھسلانا اور داؤ دھوکے [illegible] دال دلیے کا دلدر دور کرنا ہوتا ہے۔ جو دام دے اُسی کی داسی' وہ بھی راضی یہ بھی راضی تم نے سُنا تو ہوگا...... رنڈی کس کی جورو' بھڑوا کس کا سالا' [illegible] رہو۔ رزق وہ جو تم خود اپنا [illegible] تم یہاں رہو یا ساتھ چلو کچھ فرق نہیں پڑتا...... پھر کچھ توقف سے قدرے والہو ہو کر کہنے لگی۔

"رنڈی کا [illegible] نت نگاہ کی بیچ ہو ہوتی تو عورت ذات ہے...... کبھی کبھی رنڈی کو بھی پر کنڈی مل جاتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے خود بھی کشمیرے سنگھ سے لگاوٹ سی ہوگئی ہے۔ تم جانتے ہو گے کہ رنڈی جس سے دل دام سے ڈب جائے تو وہ پھر ہر حال اُسے حاصل کرنا چاہتی ہے۔"

کالے خان کھچڑی چھدری مونچھوں کے نیچے موٹے موٹے کالے جامنوں سے خشک ہونٹ لٹکائے' بن پلکن جھپکائے بیچھی گنگا جمنی توشک کو یوں تک رہا تھا جیسے اس پہ فردِ جرم عائد کرکے اسے اس کے پور پور کاٹنے کا حکم سنایا جا رہا ہو۔

- اُڑی اُدھر کو راکھ جدھر ہوا چلی...... !

کرنے کو تو وہ باتیں کر رہی تھی مگر بڑی گمتاوانے سے وہ کالے خان کے جھکے بجھے چہرے پہ مٹے مٹے دھندلے دھندلے نقوش اُبھرتے ڈوبتے دیکھ رہی تھی۔ جن میں اسے اپنے مرحوم باپ کی ہو بہو شباہت

[illegible] دے رہی تھی۔ انگوٹھی' نام اور رام پور کے حوالے سے اُسے شروع روز سے ہی پہچان چکی تھی کہ وہ اُس کا سچا بھائی ہے...... جہاں اُسے اس امر کا دُکھ ہوا کہ وہ اپنے باپ کے نقشِ قدم پہ چلتا ہوا اُس تک پہنچا' وہیں قدرے یہ طمانیت بھی ہوئی تھی کہ چلو کوئی تو اُس کو اپنا تو ملا...... جو اُس کا اپنا خون تھا۔ مگر رنڈیوں' طوائفوں کے طبقے میں ماں باپ اور بہن بھائیوں' بیٹوں کے رشتے تعلق چنداں اہمیت نہیں رکھتے۔ یہاں منتیں' دُعائیں مانگ مانگ کر لڑکوں کی بجائے لڑکیاں مانگی جاتی ہیں کہ ان کے پیکروں میں پارہ' پاؤں میں گھنگھرو' گلے میں سُر تال قائم کر کے' اُن کے حُسن و جمال کو اُجالا دے کر عشرت کدوں کی زینت بنا دیا جائے۔ ان کے بھیجے' بیٹے سب کوٹھری کے مختتانے' بجانے اور نذرانے اُٹھاتے ہیں۔ ان کے لئے قدردان دولت مند گاہک تلاش کرتے ہیں۔ ان کی عیش گاہوں کے باہر پہرہ دیتے ہیں...... اس قماش و کاروبار میں شرم' حیا' وفا یا محبت و نیت کا نہ تو کوئی تصور ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی گنجائش......

بایں ہمہ کوئی بات تو تھی کہ جو سفیداں بائی نے کالے خان کو کالے بچھوؤں کی طرح اپنے من کی کوٹھری میں بحفاظت کر رکھا ہوا تھا...... خوب جانتی تھی کہ وہ نظر و نیت کا بودا نہیں ہے محض اُس کے نخروں کی سچائی [illegible] اور قدردان بھی ایسا کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ تیاگ کر بیٹھا [illegible] کا ہو رہا۔ لیکن سفیداں بائی نے [illegible] پا چکی تھی۔ کالے خان بھی اس کے دسترخوان سے ایک لقمہ تک توڑنے کا روادار نہ ہوا تھا۔ اپنی محنت مشقت سے اپنا جسم پالتا۔ یہی وجہ کہ سفیداں بائی نے اسے قدر و عزت کے مینار میں رکھا ہوا تھا۔ [illegible] من کے سنگھاسن پہ [illegible] بیٹھا ہوا تھا۔ جس کے ساتھ اب وہ ایک ایسے سفر پہ روانہ ہو رہی تھی جس کی منزل کے بارے میں وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔ ایسے میں وہ اسے اپنے ساتھ کیونکر لے جا سکتی تھی...... اپنے قیمتی پارچات' فالتو سونے چاندی گلٹ کا زیور' بہشتن ماں کی چند نشانیاں اور اسی نوع کا کچھ دیگر سامان اس کی کوٹھری میں رکھوا دیا اور بڑے سے ڈیرے کو بھی کرائے دار کے حوالے کر کے صرف کالے خان کی سُرمہ دانی' انگیا میں ڈال کر بیٹھ گئی۔ کسی سے دُعا نہ سلام...... جی کڑا کر کے کشمیرے سنگھ کی پینس میں سوار ہو لی۔ تو چیاں' نوکرانیاں' سازندوں کی آنکھوں میں جیسے ساون کُھل گئے۔ حلق کوّے بجنے لگے چہروں پہ خاک اُڑ گئی لیکن وہاں کسے فکر بھی تھی جسے رنگ لگی نہ سینگ...... کالے خان بس دُور تک اُسے اپنی پھٹی پھٹی غلافی آنکھوں سے دیکھتا رہ گیا...... اب کالے خان کے پاس جینے مرنے کے لئے باقی کیا رہ گیا تھا؟

بیٹا بھیا' بانکا' جیسے کیسے بھی ہوں نگاہ میں دھرے رہیں تو دم سادھے رہتا ہے...... کہیں اوجھل بوجھل ہو جائیں تو دم دُھواں سا دینے لگتا ہے۔ سانپ کے کاٹے سے سراپا نیلا اور ڈھیلا پڑ جاتا ہے لیکن جسے سُر لڑ جائے

اس کا سر یہ ہی نہیں بلکہ اندر آ تما تک سُلگ اٹھتی ہے۔ پھر اس کا علاج اُپائے سُر سمبھا ہی ہوتی ہے...... اس کی تو سُر کے سنگ سمبھا بھی گئی اور سجاوتی بھی...... مگر جنہیں خود اپنے ہاتھوں اپنی کٹیا جلانے اور لٹیا ڈبونے کا ڈھنگ مل گیا ہو انہیں کسی نئی بربادی کی چنتا کیسی......؟

جب جانے والا مسافر منظر سے معدوم ہو گیا تو وہ ویران اکھیوں کے خالی خشک پٹ بند کیے کوٹھڑی کے کھدڑے میں دھرے سفیداں بائی کے سامان پہ ڈھیر ہو گیا۔

جلے گھر سے نکالے ہوئے بچے کھچے جھروسے ہوئے سامان پہ ٹیکی لے کر کھلی آنکھوں سے لدے سموں کے سپنے دیکھنے سے بڑی شانتی اور سکھ ملتا ہے...... وقت کے اکتارے کی ترُوم ترُک تو کبھی بند نہیں ہوتی کوئی کان بند رکھے یا کھلے' یہ تو بجتا ہی رہتا ہے...... بیراگی جوگی اسے انگشت کرتے ہیں تو یہ جھگڑ اول فول بکتا ہے۔

نکالنے والے بابے نے اپنے کھیتوں کے ایک کاٹھ کدو سے اک اکتارا بنانا چاہا کہ اک نام کی سنگت ہو۔ جب یہ دھوپ تاپ سے خشک ہوا تو پیٹ بل آرے چھیدا کہ کاٹھ راٹھو تراز و کر کے تند ڈالنے کا جتن کیا۔ چھپ[illegible]ول۔ گانٹھ بٹھائی...... تار کھینچ کر لٹو گھمو[illegible] ست جتن توڑ [illegible] نام کے بجائے ست نام ہی [illegible] ہی ہے۔ حق کے وہی اک [illegible] وغفار ہے۔ میراںبائی کے انگ لگ کر رنگ لائی کہ بج بج کر بھجن ہو گئی۔

کالے خان بھی سر تال [illegible] تاپ ہو گیا تھا۔ ریڑھا ٹھیلا بند۔ [illegible] وقت کوٹھڑی میں پڑا سڑتا رہتا یا کبھی جی بھر آتا تو سفیداں بائی کے سامان کی جھاڑ پونچھ کر کے اپنا جی پرچا لیا۔ اس کے کپڑے لتے صندوق سے نکال کر دیکھتا رہتا۔ پشوازیں' جوتے' دو چار جوڑیاں پرانے گھنگھروں کی تھیں۔ ہلکی بھاری کانسی' پیتل چاندی کے کھوٹا' دھیلے اور پھر کتنا...... نیچے ٹلے کے پرانے' دوپٹوں کے بھاری پلو۔ کامداری چادریں' زیر جامے قیمتی کھا گھرے' بازو بند ریشمی شیزیں' بنارسی قمیصیں کُرتے' کشمیری دوشالے کیا کچھ نہ تھا...... یوں بھی وہ کچھ وہمی سا ہو گیا تھا کہ کوئی یہ متاع خزانہ لے جاوے...... وہ اس خزانے پر بے دانت کا سانپ بنا بیٹھا رہتا۔

ایک دن وہ چندن کے بھاری بھرکم سنگاردان کی جھاڑ پونچھ کر رہا تھا کہ افشاں کی کوئی پنی پڑیا الٹ گئی...... بکھری ہوئی افشاں اور پھیلی ہوئی سیاہی کا سمیٹنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا...... ہاتھ منہ تک کا ستیاناس ہو جاتا ہے...... یہی کچھ یہاں بھی ہوا' افشاں کی چاندنی چھٹتے چھٹتے کہیں کوئی سُرمے کی پوٹ بھی پھٹ پڑی...... پھر کیا تھا کہ اندھیری رات میں ستارے سے چمکنے لگے۔ ہڑبڑا کر سیدھا اُلٹا ہاتھ پڑا تو شیدوری کی ڈبیا

[illegible] اُلٹ گئی۔ غازے کا ڈبا جو پہلے پچکا پڑا تھا ہاتھ چھوتے ہی آبگینے کی مانند پھوٹ پڑا...... افشاں اور سُرمے کے ساتھ جب گلابی غازے کا غبار اُڑ کر شامل ہوا تو عجب سی رنگوں کی کہکشاں سی اُجل گئی...... جھاڑ پونچھ میں [illegible] ہاتھا سب چمک چاکے ہو گئے' ملا جلا غبار اُڑا تو کھانسو اور آنچھو آ پڑے...... سب کچھ وہیں اُلٹ پلٹ کر وہ باہر صحن میں نکل آیا۔ ہاتھ منہ سر دھو چھپک کر بیٹھیں باہر منڈیر پہ بیٹھا سوچنے لگا' مت ماری گئی تھی [illegible] —— شنگار دان کیا کھول بیٹھا کہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ لیا۔ غبار کی دھانس جب چھوٹی تب اندر آیا' [illegible] کی تھگل سے سب چونا سُرمہ صاف کر کے شنگار دان کو خالی کر دیا...... اُلٹ پلٹ کرتے ہوئے [illegible] سے شنگار دان کے نیچے چیندے میں اک کھٹکا سا دکھائی دیا' ذرا دبایا تو وہ علیحدہ ہو گیا...... حیرانی کے [illegible] سے لمحوں کے بعد ہلکے سے جو جھک کے دیکھا' اندر موم جامے کے لفافے میں کچھ کاغذات لپٹے [illegible] دکھائی دیئے...... ہلکے سے جھٹکے سے وہ لفافہ [illegible] اس کی جھولی میں آ گرا...... اُوپر لپٹا ہوا کالا دھاگہ [illegible] کچھ پرانے سے خطوط اور اُن کے درمیان ایک گہری خاکستری سی تصویر جس کے نقوش بُجھے بُجھے سے [illegible] مونچھیں' سر پہ رام پوری صافہ' موٹی موٹی غلافی آنکھیں...... قدرے بیٹھی ہوئی ناک کی [illegible] جانب موڑ سا منسا...... بھاری کلا اور موٹے موٹے ہونٹوں پہ اک معنی خیز سی مسکراہٹ...... دیکھتے ہی [illegible] پھوں پھوں [illegible] گے۔ یہ اُس کے مرحوم بابا تھے...... یہ خود بھی ہو بہو ان ہی پہ تھا۔ ایک ایک نین نقش' [illegible] تھلا' دیکھنے [illegible] کا بھاؤ' وہ جیسے خود آئینے کے رُوبرو کھڑا ہو...... دیکھتے دیکھتے وہ جیسے باپ کی آنکھوں میں اُتر گیا۔

اس کے باپ کے پاس کچھ تھا بس یہ آنکھیں ہی تو تھیں...... باقی تو وہ سارا رام پوری پٹھان تھا۔ [illegible] خوبصورت کسرتی جسم' رُعب داب والی مونچھیں' داب میں اَڑی ہوئی مخملی تھیلی...... پیسے ٹکے تو [illegible] کے پاس ہوتے ہیں مگر اس کے ابا کے پاس یہ بولتی ہوئی عجوبہ آنکھیں ان لوازمات کے سوا تھیں۔ [illegible] اگر وہ اپنی یہ نشانہ تلاش کرتی آنکھیں کسی ٹکتے ٹلی گھوڑے پہ گاڑ دیتا تو وہ بھی پتھر سل سے ہو [illegible] جاتے تھے......!

ایسی آنکھوں کی نظیر اگر کہیں ملتی ہے تو وہ ماضی کے اداکار چندر موہن اور نجم الحسن تھے۔ اس زمانے میں شرفاء اور اصیلوں کے ہاں رنڈیوں کے ڈیروں' چوباروں کوٹھوں پہ جانا کچھ ایسا معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا [illegible] جس رئیس امیر' خاندانی کی اپنے ماحول میں دو چار اعلیٰ درجے کی طوائفوں سے مستقل تعلق نہ ہوتا یا [illegible] میں کوئی طرحدار' نتھ یافتہ یا نتھ باختہ رنڈی نوچی نہ ہوتی تو اس کی اخلاقی' تہذیبی' مالی حیثیت

ہی مشکوک ہو کر رہ جاتی تھی...... گھر' حویلی' حرم میں پڑی ہوئی باقاعدہ منکوحہ بیویاں بھی شوہروں کے اس پہ چیں بہ جبیں نہ ہوتی تھیں۔ یعنی مردوں کا یہ چلن ان کے نزدیک کوئی خاص اخلاق باختہ کی چیز نہ بلکہ اسے روز مرہ سمجھا جاتا...... یہاں تک کہ چھوٹے بڑے بچے بھی یہ ادراک رکھتے تھے کہ ان کے بڑے فلاں فلاں رنڈی ڈالے ہوئے ہیں۔ انہیں یہاں تک خبر ہوتی کہ موصوف آج کس کے کوٹھے پہ قیلولہ فرما رہے ہیں۔ ایسا بھی تھا کہ اُدھیڑ عمر باپ اور جوان بیٹا ایک ہی کوٹھے پہ موجود ہوتے...... یا پھر ابا نے بڑی والی رکھی ہوئی ہے اور بیٹے نے اس کی بیٹی بٹھائی ہوئی ہے...... بات کھلنے پہ بھی کوئی ہنگامہ کوئی قیامت نہیں ٹوٹتی تھی۔ آنے جانے کے اوقات تبدیل ہو جاتے تھے...... اگر اتفاقاً کہیں آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو سرے دوپٹہ اُتار منہ پہ ڈال کر طرح دے دی جاتی اس پہ کہیں عاق یا قتل کی نوبت نہ آتی تھی۔

ایسے وقتوں کے ایسے لوگوں میں کالے خان کے ابا بھی شامل تھے۔ خاندانی کاروباری معزز تھے...... جسم جوانی میں پورے ذوق شوق بھی اعلیٰ...... روپے پیسے میں بھی بخیل نہیں تھے اور پھر کاروباری سے میں قریب و دور کا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا...... جسم میں خون' کیسے میں پیسہ' مزاج میں رنگینی اور طبیعت تو نقد و نظر [illegible] میں بڑی رسائی [illegible] ہو جاتی [illegible] محبت کی [illegible] کلیاں [illegible] شگوفے' پھول تو باہر کے حالات [illegible] ہوتے ہیں۔

● بُسنتیوں کی [illegible]......!

ایسے ہی سنہرے دنوں کی ایک سرمئی سی شام کالے خان کا باپ ایک کوٹھے کی سیڑھیوں پہ چڑھ گیا تھا...... صرف ایک روز پہلے وہ اپنے فرنیچر کے کاروبار کا جائزہ لینے کی خاطر پنجاب پہنچا تھا...... خیال تو یہ تھا کہ وہ یہاں مقیم اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں قیام کرے گا مگر یہاں اُترتے ہی اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ اب وہ کسی مناسب محفوظ اور آرام دہ ہوٹل کی تلاش میں شہر میں گھوم رہا تھا۔ تانگے والا اسے ایک چھوٹے صاف ستھرے سے ہوٹل پہ لے آیا...... بڑے اعتماد سے کہنے لگا۔

"بڑے صاحب! اس ہوٹل سے بہتر پورے شہر میں کوئی اور جگہ نہیں۔" پھر وہ اس کی خوبیاں گنوانے لگا۔ "سٹیشن اور گاڑیوں کا اڈا نزدیک' سارے اہم بازار بغل کے نیچے...... بائیسکوپ وہ سامنے بڑے ڈاک خانے کے پاس۔ جامع مسجد دائیں جانب کمپنی باغ کے سامنے...... ہسپتال' بنک اور پولیس تھانہ بھی نزدیک......"

وہ شاید ابھی نہ رُکتا اگر یہ اُسے ہاتھ کے اشارے سے روک نہ دیتا...... یکّہ والا زبان پہ بریک [illegible] بھی یہ بتا گیا کہ اس بازار سے بائیں جانب والی پوری بستی' چھپار نگتیں' بانکی چتونیں' تیکھی ادائیں' [illegible] مچتی چھنا چھن...... گلوں میں مُرتیاں' نگاہوں میں شیشے اور شیشوں میں مستیوں والی یعنی پری ہستیوں [illegible] ہے۔ بخت پکا عجب زبان یکّہ والا پورے علاقے شہر کا جغرافیہ بیان کر گیا تھا...... سوچنے لگا جس شہر [illegible] والے ایسے گنی اور شاہد باز ہیں وہاں کے مکینوں کا کیا عالم ہوگا؟ وہ اسی ہوٹل میں اُتر لیا۔

[illegible] ڈیڑھ دن تو اپنے کاروباری مسئلے مسائل میں بجتا رہا لیکن توقع کے برعکس وہ جلد ہی فارغ ہو [illegible] اب اسے یہاں کے بازاروں میں کچھ مطلب کی خرید و فروخت اور آوارہ گردی کی غرض سے نکلنا [illegible] یہاں کے شالے دوشالے' اونی' سوتی اور ریشمی چادریں' ململ' گاڑھا' وائیل' گنی' چمڑے کی [illegible] میں سے اسے گھر کی چاردیواری کے اندر پہننے والی سبک سی چپلیں وغیرہ بہت پسند آئیں۔ آئندہ [illegible] میں اس نے خاصا مطلب کا سامان خرید کر رام پور کے لئے بک کروا دیا۔ جب چاروں کھونٹ [illegible] اس نے پہر بھر خوب ڈٹ کر آرام کیا۔ پھر سر شام بن سنور کر یکے والے کی بتائی ہوئی بائیں [illegible] ستی کی جانب رُخ کیا۔ دُنیا بھر میں کہیں بھی [illegible] بستی کی بازار [illegible] ہی ہوتے [illegible] شہدے اور [illegible] بھونڈے' مُٹلیرے' عطر فروش...... بس اگر مابین کچھ فرق و تفاوت دکھائی دے تو وہ [illegible] آگے پیچھے کی اوقات و سطح یا نیچے اوپر کے مقام و حیثیت کا ہوتا ہے...... ان روشن و تاریک [illegible] کے دوکاندار بڑی گہری [illegible] گیان والے ہوتے ہیں...... بظاہر وہ اپنے کام دھندوں میں جُتے [illegible] رہتے ہیں مگر بازار' گلی کوچے میں آنے جانے والوں پہ ان کی پوری پوری نگاہ ہوتی ہے۔ کون [illegible] نووارد و اجنبی ہے' شغلہ ہے یا اصیل نٹ کھٹ نونجیا ہے یا لاکھ لٹیا...... جیب تراش ہے یا اُٹھائی گیرا...... [illegible] ہے یا گن رسیا' ہوشی حرصی یا محض تماشو' کہیں نیا نیا پھنسا ہے یا پرانی چوٹ والا ہے۔ لوفر' قاتل' [illegible] والا' پولیس ملازم...... غرضیکہ وہ اک ایک کے جانو پہچانو ہوتے ہیں۔ خاص طور پہ پنواڑی' [illegible] مدک' افیون کے ٹھیکیدار' نانبائی' مٹھائی فروش...... آرائش گیسو گرم حمام والے تو اُڑتے پنچھی [illegible] ہیں اور تہہ دریا بگلوں کی نظر پہچان لیتے ہیں۔

[illegible] چوک سے پہلے ایک سجی سجائی پنواڑی کی دوکان کے سامنے یکّے سے اتر گیا تھا۔ ان وقتوں [illegible] ہجوم چوکوں' بائیسکوپوں کے ارد گرد' سیر گاہوں' لاری بس کے اڈوں' ریلوے اسٹیشنوں پہ [illegible] شربت سوڈے واٹر کی دوکانیں دولہنوں کی مانند سجی دھجی ہوتی تھیں...... اس زمانے کی خوبصورت

مشہور گانے والیوں' ایکٹرسوں کی پھولوں سے سجی ہوئی تصویریں...... معروف بانکوں' پہلوانوں اور بڑے نامور بادشاہوں' فاتحوں کے فوٹو پوسٹر بڑے اہتمام سے آویزاں ہوتے تھے...... ہر دوکان پہ بہ اہتمام و حیثیت توے والے گراموفون کا ہونا ضروری ہوتا تھا۔ ایک خاص کارندہ صرف کوک بھرنے' سوئیاں تبدیل کرنے فرمائش پہ ریکارڈ بجانے کے لئے مخصوص ہوتا۔ کسی دوکان پہ پنڈت پران ناتھ دھرپت گا رہے ہیں تو کہیں بڑے غلام علی خان نے دادرا چھیڑ رکھا ہے۔ کوئی ٹھیا صرف روشن آرا بیگم کے سُر بہار سے روشن ہے تو کہیں ٹھیکہ اختر بائی فیض آبادی کی غزلوں کے دَم سے لَو دے رہا ہے۔ ادھر ملکہ پکھراج گوجری میں پہاڑی تے الاپ رہی ہے تو اُدھر سامنے اُستاد احمد خان تھرکوا نے بلمپت میں لے گاڑی ہوئی ہے۔ تماشائیوں' گن رسی کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوتے...... سُر سم پہ سُر مل رہے ہیں' کہیں تال تھاپ پہ پاؤں ٹھیکا دے رہے ہیں۔ منہ میں لکھنؤ کا خاص نوابی زعفرانی زردہ' حیدر آبادی شاہی قوام اور سانچی کے پان کی گلوری۔ پان کا پتہ کرارا و خستہ کہ ہاتھ سے چھوڑ دو تو زمین پر پڑتے ہی حیا اور نزاکت سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے...... ہر دوکان اک طرح سے گن جرچا کی محفل ہوتی۔ ایک سے ایک جانو' گن رسیا' سنگیت ودیا' موسیقی' سازکار یہاں پہ جمع [illegible] ان میں اکثر بحث [illegible] کہیں تال بحث ہو رہی ہے ہاتھ پہ ہاتھ مار کر منہ سے ماترے نکال کر بتایا جا رہا ہے...... تین تال اور اک تال...... یہ جھپ اور یہ نوازہ [illegible] تلواڑہ یہ روپک...... نائک گوپال اور سدا رنگ نعمت خاں صاحب کی بندشوں پہ بات رہی ہے۔ عبدالکریم خاں اور پنڈت اوم کارناتھ کے فن کا موازنہ ہو رہا ہے۔ [illegible] بائی اور عنایت بائی والی کے درمیان کی باریکیاں بیان ہو رہی ہیں...... موسیقی کے گھرانوں پہ بات چل رہی ہے۔ کوئی گھرانے کی جے جے کار کر رہا ہے تو کوئی گوالیار گھرانے کے گن گا رہا ہے...... شام چوراسی کی شان بیان رہی ہے تو کوئی اندور اور پٹیالہ گھرانے کے انداز بتا رہا ہے...... موسیقی کے ٹھاٹوں پہ گفتگو بڑھ جاتی ہے تو کنٹھیا پہ آ رکتی ہے۔ پھر کوئی رام کلی راگنی پہ انگلی دھرتا ہے وہاں سے جوہی ماروا سے ہمسادوانی تک ساتھ ہے...... ایسا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا جب تک بازار کھلا ہے' دوکان زبان اور گراموفون تینوں رہے ہیں۔

ایسی ہی ایک دوکان کے سامنے جب وہ تانگے سے اُترا تو گھاگ دوکاندار نے وہیں سے تاڑ لیا۔

پکھیرو کہیں باہر سے آیا ہے...... جسم میں تازہ خون' کھوپڑی میں مغز اور کھیسے میں زر بھی ہے۔ اڑیل ہے' طبیعت کا قدرے سڑیل...... لیکن حُسن پرست اور عاشق مزاج ہے' مان مانی کرنے کا عادی صاحب اہل و عیال ہے......!

نوارو نے وجیم نگاہوں سے ہی ارد گرد کا جائزہ لیا۔ پھر اک لمبی سانس بھر کر دوکان کی جانب سرک گیا۔ پنواڑی نے پیک بھرے بند منہ کو کھولے بغیر' سر کے خفیف اشارے اور ہلکی سی کاروباری مسکراہٹ سے [illegible] پٹھان کو خوش آمدید کہا۔

گراموفون پہ ریکارڈ بج رہا تھا......

''جلوہ دیکھا تری رعنائی کا' کیا کلیجا ہے تماشائی کا''

داغ کی غزل' گانے والی تھی شمشاد بائی امرتسر والی...... سرِ شام ابھی تو ڈھنگ سے فانوسوں نے لو [illegible] پکڑی تھی...... موتیا اور چنبیلی کے ہار گجرے جوڑے آویزے گہنے ابھی نئے سوندھے پلّو تلے مہکی مہکی [illegible] پڑے تھے۔ کچھ ہی سے پہلے سوتر گی نے پانی کے مسلسل چھینٹوں سے دن بھر کی پیاسی زمین کے دل [illegible] تھی...... کسبیاں' کنچنیاں' طوائفیں ابھی ابھی اپنے طوطوں میناؤں اور گلدموں سے چونچلے ہٹا [illegible] پہ بیٹھی تھیں...... بوڑھے استاد حقہ کش کر رہے تو شاگرد پیشہ طبلوں کے تسمے کسنے میں مصروف [illegible] توشکیں' پیچوان' اُگالدان' پاندان' مے کشی کے آلات وظروف' گزک کی طشتریاں' [illegible] لوٹے کٹورے' دست مال وغیرہ [illegible] زادو ابھی

[illegible]

[illegible] نے ایک بڑی سی پیک ہاتھ کی اوٹ سے اُگالدان میں تھوکتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے [illegible] پہ لشکری تھری سی ایک مہک آور گلوری نوارو کو پیش کی...... نوارو نے چند لمحے خوشگوار حیرت [illegible] مسکراہٹ سے اس [illegible] اس نے اس کی پسند والے [illegible] ہوئی گلوری بڑھا دی تھی...... گلوری بڑے سلیقے سے کلے میں دبا کر اس نے انگلیاں اپنی گدی [illegible] سے مس کرنا چاہیں تو پنواڑی نے سرخ بانات کا ایک خوبصورت سا رومال اس کی جانب بڑھا دیا۔

''سگریٹ سگار پیش کروں یا پیچوان سے شغل فرمایئے گا؟'' زمانہ دیدن چشیدن پنواڑی نے بڑی [illegible] سے دریافت کیا۔

نوارو نے جواب میں یہی شعر جو شمشاد بائی الاپ رہی تھی دُہرایا۔

''جلوہ دیکھا تری رعنائی کا' کیا کلیجا ہے تماشائی کا''...... پھر کہنے لگا۔

''سبحان اللہ! کیا خوب شعر ہے۔ ایسا شعر کہنے کا حق صرف داغ ہی کو دیا جا سکتا ہے اور گانے والی بھی [illegible] میں کیا خوب حق ادا کر رہی ہے۔''

''ماشاء اللہ! سرکار نے شعر فہمی اور موسیقی کا کیا عمدہ ذوق پایا ہے۔'' پھر قدرے جھینپتے ہوئے

پوچھنے لگا۔ ”آپ کو بھی پہلے اس کوچہ رعنائی و دلربائی میں نہیں دیکھا؟“

”یہاں تو کیا‘ ہم آپ کے اس شہر میں بھی پہلی بار آئے ہیں‘ میاں! دو چار روز کا قیام تھا آخری روز‘ سوچا چلو ذرا اس خوبصورت شہر کے خوبصورت لوگوں کو بھی اک نظر دیکھتے چلیں۔“ اس نے جوئی پان پرات پہ دھرتے ہوئے مزید کہا۔

”میاں تنبولی! اس بازار میں اترتے ہی تمہارے میٹھے بولوں‘ اس غزل کے تجل سُروں اور تمہ گلوری کی مہکتی تیھن نے بڑا سرور دیا ہے۔“...... پھر آستین کے رومال سے باچھ کا کونہ صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ ”اس بازار کے سنہرے نگینوں میں بھی کوئی ایسا رتن دانہ ہے‘ جس کے ہاں یہ تینوں خاصے موجود ہوں؟“

پنواڑی‘ دزدیدگی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ سے آداب عرض کرتے ہوئے بولا۔

”حضور! ایک سے ایک تابدار دانہ پڑا ہے‘ جس پہ نگاہ رکیں وہی دل و نگاہ کو خیرہ کر دے گا...... آپ حکم کریں۔“

”میاں! بازار میں دھرا سجا مال عام طور پہ گھٹیا اور نظر بد ہوتا ہے‘ جو چھپا باندھا کہیں علیحدہ [illegible] اس کی خبر دو [illegible] رام پور کے گھرانے سے ہیں‘ بڑی گلی [illegible] ہماری نہیں کرتے ہو [illegible] ذرا اس غزل پھر سے سنوا [illegible] اور دو چار ایسی ہی گلوریاں [illegible] پیک [illegible]“

”ضرور‘ حضور! غزل سماعت فرمائیں۔ میں گلوریاں باندھے دیتا ہوں۔“

تب اس نے پچھواڑے کی جانب پلٹ کر ”قادر میاں“ کا ہانکا لگایا۔ کچھ لمحوں بعد ایک ساٹھا پاٹھا کرخت کھوسٹ کھوسڑا جھولے لیتا ہوا پان والے [illegible] کے منہ سے منحنی سی آواز میں آداب عرض کہتا ہوا سر نیہوڑ پاس کھڑا ہو گیا اور یقیناً وہ اونچا بھی سنتا ہو گا کہ پنواڑی جھک کر اس کے کان کے قریب ہو کر ذرا بلند آواز کہنے لگا۔

”خان صاحب خاص مہمان قدر دان ہیں‘ انہیں بڑی توقیر سے گلابی جان کے ڈیرے پہ پہنچا آؤ۔“ پھر پان کی ایک کترن پہ چونا اور چھالیا چورا چکا‘ اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے تاکید کرنے لگا...... ”راہ میں کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے...... سیدھے وہیں لے جائیو‘ جب تلک خان صاحب وہاں قیام کریں تو وہیں جوتوں میں پڑے رہیو...... اگر حضور کا چت وہاں نہ لگے...... تو درشن پیاسی آگرے والی کے ہاں لے پہنچا آئیو۔“

وہ پنڈولم کی مانند سر ہلاتا ہوا پیچھے پیچھے اور یہ بڑے تناؤ میں ساتھ ساتھ آگے...... دو ایک گلی تین چار موڑ اور ایک چوک گزر لینے کے بعد جب مطلوبہ مکان پہ پہنچے تو شام لد چکی اور شب اپنی جبیں پہ گھونگھ کاڑھ چکی تھی‘ خاکستری اور جامنی رنگوں کی بھرمار تھی۔ ماحول میں اک عجیب سی اداسی گھلی ہوئی...... جیسے ابھی

[illegible] اپنی اپنی سُرفیوں میں راگ سوہنی کی سُلگتی ہوئی سُریں چھیڑے اِدھر سے ہو گزرے ہوں...... [illegible] سے بوجھل اور تھکن آلودہ...... یا شاید شام اور شب کے ملن پہ کچھ گھڑیاں پل ایسے بھی در آتے ہیں کہ [illegible] کے کلیجے سُلگ اُٹھتے ہیں اور ہر سو ان کے دھوئیں کی دھانس سی پھیل جاتی ہے۔

”میں کہاں نکل آیا...... تکیے والے کی طرح پنواڑی بھی اِک عجیب کایاں دکھائی دیا اور یہ بوبک بڈھا بھی عجب مٹی کا مادھو...... اب خدا جانے آگے کس مٹی کے لوگ ملیں؟“...... اندر باہر کی گن سُن لیتا اور اپنے جی میں حساب لگاتا ہوا اوپر سیڑھیاں چڑھ رہا جبکہ بوڑھا قادر میاں ہانپتا ہانپتا پیچھے پیچھے تھا...... ان [illegible] کوٹھوں میں جوانیاں گوائے ہوئے بوڑھے، گلی کوچوں میں چاہے دو قدم چلنے کا دم نہ رکھتے ہوں، کوٹھوں چوباروں کی سو سو سیڑھیاں بندروں کی طرح پھلانگ جاتے ہیں۔

صدر دروازے کے درمیان آنے والے پہلے مہمان کی جھجک کو نگاہوں سے تول کر سر جھکاتے ہوئے کورنش بجالائی...... کمال سرعت و لجاجت سے چوکھٹ کی بلوریں رنگین موتی لڑیوں میں ہاتھوں سے رستہ [illegible] جیسے اس سودی سُلگن نے اُس کا استقبال کیا تھا مناسب سا کمرا چھوٹا نہ بڑا...... بے [illegible] چاندنیوں پہ [illegible] کے گاؤ تکیے دو بڑے بلوری جھاڑ اور دیوار گیر [illegible] شیشوں کے کنول میں روشن کافوری شمعیں...... [illegible] خون رنگے تھے...... دو طرف دو دو کھلتے ہوئے دروازے جن پہ رنگین بلوریں موتی مالاؤں کی آبشاریں لٹک رہی تھیں۔ [illegible] جانب اک نفیس سا سُرخ ایرانی غالیچہ...... جس پہ منفرد قسم کے سیاہ مخمل کے بنے ہوئے ٹمروں والے گولے تکیے دھرے تھے...... سامنے اِک بانکا سا منقش ہارمونیم اور ایسے طاؤس تانپورے جو کبھی آگرے میں فرمائش پہ تیار ہوتے تھے...... خاص سونا چاندی اور ہاتھی دانت کے نقش و نگار، بیل بوٹے۔ فولادی تانتیں خاص طور پر [illegible] سے منگوائی جاتی تھیں۔ لکڑی کا تختہ بنگلور سے انہیں جودھ پور کا ایک قدیم ساز کار خاندان تیار کرتا تھا...... [illegible] بھی مخصوص۔ اس قسم کے سُریلے تانپورے، طاؤس اور ستاریں بڑے بڑے راجے مہاراجوں یا پھر [illegible] کے گائکوں، موسیقاروں کے ہاں ہی دیکھنے سُننے کو ملتے تھے۔ ان کے مقابلے میں ممبئی، دہلی، مدراس، [illegible] یا لکھنؤ، لاہور کے بنے ہوئے ایسے ساز نہ صرف سستے اور بے زیبے ہوتے بلکہ بھاؤ بتاؤ اور سُر سان [illegible] بے توقیرے...... سُرخ غالیچے سے ہٹا کر دو دیوان، جن پہ سُرخ مخملی گدے دھرے ہوئے تھے...... [illegible] دیوان، جن کی کلغیاں ابھی سُرخ نہیں ہوئی تھیں یعنی کھیت پورے کا پورا صاف پڑا تھا۔

ایسے میں ایک دھان پان گٹھڑی سی بڑھیا برآمد ہوئی، کورنش بجالا کر بولی۔

”حضورا تشریف رکھیں۔ بڑی بٹیا کی انگلی پہ موئے مٹھو نے چونچ گاڑ دی ہے۔ تکلیف سے انکھن

میں آنسو آ گئے۔ سب اُدھر ہی دھرے ہیں۔“

”اوہو...... “ اچانک اُس کے منہ سے نکلا۔ ”بڑی بی! نیلی داب آئی یا سُرخ لہو ٹپکا؟“

وہ منہ بنا کر بولی۔ ”رام جانے ’مُحورا‘ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ بس سُنا ہی ہے۔“

ایسے میں ایک اور نوچی چلی آئی۔ دوہری ہو کر آداب عرض کہا۔ مسکرا کر بولی۔

”آپ ادھر تشریف رکھیں...... بائی جی آیا ہی چاہتی ہیں۔“

عجب گومگو کی کیفیت میں وہ ادھر سُرخ غالیچے پہ بیٹھ گیا...... اُب پیچھے سے ایک اور مہری آئی پیچوان بڑھا کر چلی گئی...... شربت اور پھر پان آئے...... عجیب سی حالت یہاں رُکنے کو جی چاہے اور نہ اُٹھنے کا یارا۔

پہلے خُوشبو آئی پھر اس کی جلو میں گلابی جان آئی۔

رنڈیوں میں ایسا نام پہلی بار سُنا تھا...... گلابی جان! یہ کیا نام ہوا......؟

بوٹا سا قد، پاجامہ، تاک نقشہ، لباس لُسا بھی سادہ سا...... کنگھی پٹی اور بناؤ سنگار بھی گھریلو...... جیسے کوئی سہاگن رسوئی سے اُٹھ کر چلی آ رہی ہو...... اُس کے دائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی پہ پٹی سی بندھی ہوئی تھی ہاتھ سے اُس نے قدرے جھک کر سلام کیا۔

[illegible]

وہ سامنے ہی بیٹھ گئی...... ہاتھ بڑھا کر گلوری پیش کرتی ہوئی بولی۔

”آپ کوٹھری کے ہاں پہلی بار تشریف لائے ہیں...... صدق دل سے ہماری اس کوتاہی سے صرف نظر فرمائیے۔ میری حماقت کہ میں لاڈ دلار میں مٹھو کی بغل میں گُدگدی کر بیٹھی اس پہ اس بے ظرف نے میری اُنگلی چونچ میں دبالی۔ سچ کہا بزرگوں نے کہ طوطے سا طوطا چشم اور کوئی نہیں ہوتا۔ بوٹی سی پوٹ کو ناخن پہ بادام دکھا دکھا کر کھلائے۔ اصلی گھی کی چُوری، بادام، چنے، چلغوزے، کشمش، امرود...... اس مُردود کو کتنیں توڑے اُروی امرودی تک یاد ہو گئے پر جو نہ یاد رہی وہ وفاداری...... صاحب! طوطا بڑا ہی بے مروت بے دیدہ اور بدلحاظ پکھیرو ہے۔ ایسا خوبصورت اور ایسا کورے رام......؟“

خان صاحب بڑی دلچسپی سے اُس کی معصوم معصوم باتیں سُن رہے تھے اور نگاہیں گاڑے ایک ہستی کو دیکھ رہے تھے کہ جس کا تصور کم از کم اس بازار میں نہیں کیا جا سکتا۔ سچ تو یہ تھا کہ اُسے یہ سب کچھ بڑا اصلی سا علیحدہ اور اچھا لگا۔ اب ایک ایک کر کے سنگت والے بھی بیٹھ چکے...... تو گلابی جان نے بڑے ادب سے کھانے اور مشروبات کی پسندیدگی دریافت کی۔ خان صاحب بولے۔

”فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں...... آپ صرف یونہی مجھ سے باتیں کرتی رہیں۔ آپ کی باتیں

دلچسپ ہیں۔"

"کیا آپ بندی سے صرف اس کی پوچ باتیں ہی سُنیے گا...... گانا نہیں سُنیں گے؟ میرے آس پاس کے لوگ تو کہتے ہیں کہ مجھے باتیں کرنی نہیں آتیں اور آپ کہتے ہیں میری باتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ اچھا یونہی سہی آپ میری باتیں سننا چاہتے ہیں تو باتیں ہی سُنیں۔ فرمائیں کیسی باتیں ہوں......؟"

وہ تہذیب سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ کی باتوں کے ساتھ اگر سازوں کی سنگت کی ضرورت نہ ہو تو انہیں سازندوں کو بھی یہاں بیٹھنے کی زحمت نہ دیں۔ ضرورت پہ بعد میں بلا لیجئے گا اور اس لئے بھی کہ آپ کی باتیں سچی اور سُریلی ہونے کے ساتھ ساتھ اَنگ رنگ میں بھی ہیں۔"

وہ بے ساختہ کھل کھلا کر ہنس پڑیں...... ہنسی کا جلترنگ تھما تو خان صاحب بولے۔

"یقین کریں آپ کی ہنسی بھی سچی اور سُریلی ہے۔ ہنسنے اور رونے میں بال کی بھی منافقت ہو تو شیشے میں بال کی مانند کھٹک جاتی ہے...... ویسے آپ کی باتوں اور ہنسی مسکراہٹ کا یہ حال ہے تو گائیکی کا کیا عالم ہوگا......؟"

اچانک خان صاحب نے قادر میاں کو آواز دی جو کمرے کے باہر برآمدے میں بیٹھا تھا...... وہ [illegible]

"قادر میاں! اس بھلے سے تنبولی کو ہماری طرف سے شکریہ کہنا اور کہنا تم نے ہمیں صحیح جگہ پہ بھیجا۔"

دونوں کی عمروں میں بلا کا تضاد تھا جبکہ مزاج' مرتبہ' پیشہ اور حسب نسب میں تو بہت ہی فرق تھا لیکن سچ کہتے ہیں کہ انسان کی قسمت میں جو خواریاں یا خوب آوریاں لکھی ہوتی ہیں وہ ہو کر رہتی ہیں۔

خان صاحب' سفیدان بائی کی اماں کی باتوں گھاتوں اور تان پلٹوں میں ایسے پھنسے کہ مرتے دم تک اس کا ہاتھ ساتھ نہ چھوڑا۔ مزیداری یہ کہ پہلی بیوی اور بچوں کو زندگی بھر اس تعلق کی بھنک تک نہ پڑنے دی۔ گلابی جان سے نکاح تو نہ کیا البتہ باقاعدہ پابند کر لی تھی...... ہر ماہ چند دنوں کے لئے آتے...... تنخواہ خرچہ پیشگی دے دلا کر واپس چلے جاتے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ رنڈی کی خرچی اور وکیلوں کا خرچہ پیشگی ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان دونوں بھلے انسانوں کے درمیان نہ تو کبھی کوئی چپقلش پیدا ہوئی اور نہ کبھی کوئی گلہ شکوہ ہوا۔ جب اکٹھے ہوتے خوب باتیں ہوتیں...... گانا وانا ہوتا' خوب وقت کٹتا...... یہ کہا جا سکتا ہے کہ خان صاحب ایک شریف و نفیس طبع تماشبین تھے اور گلابی جان بھی ایک اچھی تمیزدار وضع دار طوائف تھی۔ جو طوائف ہونے کے باوجود شرافت' عزت' اعتماد اور وفا کے معنوں سے بھی خوب واقف تھی۔ خان صاحب کبھی کبھی اسے

خیر خیریت یا آنے جانے کے بارے میں خط بھی لکھا کرتے تھے...... بہت سے پارچات' زیورات اور دیگر تحفے تحائف بھی دے رکھے تھے۔ کیسی بات کہ اس اللہ کی بندی نے کبھی کچھ از خود طلب نہ کیا تھا۔

تعلق کے دو برس بعد جب سفیداں پیدا ہوئی تو گلابی جان کی خواہش پہ قانونی طور پہ خان صاحب نے اسے اپنی بیٹی تسلیم کر لیا تھا۔ تنخواہ خرچہ بھی بڑھا دیا اور گلابی جان کو پابند کیا کہ وہ سفیداں کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر باقی اُٹھا نہ رکھے...... بلکہ کئی ایک بار خان صاحب نے کوشش کی کہ اس کو وہاں کے ماحول سے نکال کر کسی اور جگہ رکھ کر پرورش کی جائے مگر شاید طوائفوں میں بیٹیاں' باپوں کے سپرد کرنے کا رواج نہیں ہوتا۔ ان گلیوں کوٹھوں پہ باقاعدہ آنے جانے والے کہتے ہیں کہ جو بچی' عیاشی یا اس بازار کی پیداوار ہو وہ طوائف ہی بنے گی اور اسے طوائف ہی بننا چاہیے تاکہ وہ تمام عمر اپنے عیاش باپ کے گناہ کا پرائشچت کرتی رہے' بھگتان بھگتتی رہے۔

گلابی جان کا پیشہ جسم فروشی نہیں' گانا بجانا تھا...... مگر کیا کہیے کہ ان کوچہ و بازاروں' کوٹھوں کے درمیان ہر مرد چاہے وہ [illegible] ہے اسی طرح وہاں کھڑی پڑی ہر عورت طوائف ہی سمجھ آتی ہے...... ناچنے گانے والی ہو یا کسبی' عصمت فروش...... سب ایک ہی کھاتے میں ہوتی ہیں۔ کسبی صرف جسم فروش ہوتی ہے' ناچتی گاتی نہیں۔ لیکن گانے ناچنے والیاں بھی اکثر دام لگنے پہ در پردہ وہ م ہو جاتی ہیں یا کسی گانے کے شوقین رئیس راجے کے ہاں تنخواہ پر پڑی رہتی ہیں۔ یہ بھی ایک باضابطہ' شریفانہ اور باوقار قسم کی عصمت فروشی ہی ہوتی ہے۔

پرانے رؤسا اور اشراف میں یہ چلن عام تھا...... تعلقات کی پاداش میں جو اولادیں معرضِ وجود میں آتیں۔ وہ قریب قریب اسّی فیصد لڑکیاں ہوتی ہیں جو اپنے جلیل القدر باپ اور جمیل القدر ماں کی متشکل ہوتی ہیں...... چندے آفتاب چندے ماہتاب' تیکھے نین نقشوں والے سیمابی پیکر۔

پہلے اور آج بھی بازارِ حُسن میں اکثر بے شمار طوائفیں' فلم ایکٹریسیں اور خوبرو لڑکے جو دکھائی دیتے ہیں وہ کسی غریب کا پیپ پیشا نہیں بلکہ وہ کسی اونچے گھرانے کے ذی وقار' کسی قبلہ و کعبہ مخدوم' رئیس' سیاستدان' بیوروکریٹ' کسی عیاش جاگیردار یا وڈیرے کے قیمتی خون کا جوہر ہوتے ہیں۔ طوائفوں میں اک خاموش اور مضبوط معاہدے کے تحت باپ کا خانہ اکثر خالی رکھا جاتا ہے...... مکافاتِ عمل کی اس سے زیادہ ہولناک سنگینی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اک بد بخت اندھی جوانی اور دولت کے جوش میں کسی کی باڑی میں گناہ کے چند بیج دبا کر خاموش

[illegible] ہے۔ مگر اس بازی میں جو خوبصورت پھولوں والی زہریلیاں کانٹے دار تھوہڑیاں جنم لیتی ہیں وہ اپنے باپ کے خاندان کی ناموس کو ساری عمر بچھو کے ڈنک لگا لگا کر خونبار کرتی رہتی ہیں۔

خان صاحب نے بھی جنوں اور جوانی کے جوش میں یہ نہ سوچا کہ اک گانے والی سے اختلاط کی صحبت میں بچی بھی جنم لے سکتی ہے اور وہ بھی حرام الولد ناجائز...... گو بعد میں حالات کی سنگینی کا ادراک ہونے پہ انھوں نے گلابی جان سے ایک شریفانہ معاہدہ کیا...... جس کے تحت سفیداں اپنی ماں کی زیرِ کفالت و تربیت رہے گی...... باپ کا نام ملے گا مگر کبھی ظاہر نہ ہوگا...... اک مخصوص رقم ادا کر دی گئی اور ہر ماہ خرچہ الگ باندھا گیا۔ دیے ہوئے تحائف میں وہ ایک انگوٹھی بھی شامل تھی...... جس کے ساتھ کی دوسری انگوٹھی کالے خان کی [illegible] کی تحویل میں تھی...... یہی انگوٹھی نائلہ کے مرنے کے بعد کالے خان کے پاس تھی اور دوسری گلابی جان کی [illegible] ہونے پہ سفیداں کی انگشت میں پڑی۔

تصویر پہچاننے اور خطوط ملاحظہ کرنے کے بعد ساری حقیقت روزِ روشن کی مانند سامنے آ گئی۔ اس کی سمجھ میں اب سب کچھ آیا کہ سفیداں بائی کے چہرے مہرے میں اک خاص سی انسیت خاص طور پہ آنکھوں کی مخصوص [illegible] جب پہلی [illegible] کوئی فتور پیدا نہ ہوا...... تصویر اور معاہدے کی تحریر پہ غور کرنے کے بعد وہ اس راز سے آگاہ ہو چکا تھا کہ سفیداں بائی اس کے باپ کی ناجائز بیٹی ہے۔ بہن بیٹی کا تو رشتہ ہی ایسا ہے کہ وہ جائز ہو یا ناجائز بہن بیٹی ہی ہوتی ہے۔ [illegible] تو اس کے باپ کا ہی تھا۔ تصویر اور کاغذات کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھامے آنکھوں میں جھڑی لگ گئی۔ اسے ماں یاد آ گئی...... سخت گیر مگر ہر طرح کی آسودگیاں فراہم کرنے والے باپ کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ابھر آیا۔ نفرت کا اک بھریرا اس کے تن من میں لہرا سا گیا۔ دیر تک وہ اپنے باپ کے کرم یا جرم پہ کڑھتا رہا...... پھر اسے اچانک اپنا آپ بھی دکھائی دیا کہ وہ بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پہ ہی تو چل نکلا ہے۔ پھر اپنی قسمت پہ رونا آیا کہ سب کچھ تیاگ کر پڑا بھی تو بہن کے پاؤں پہ...... باپ نے کم از کم اپنے بیوی بچے تو نہیں چھوڑے تھے انھیں بے آسرا تو نہیں کیا تھا...... باپ مرا بھی تو اپنے گھر...... جنازے میں تو کم از کم عزاء، رشتہ دار اور گھر والے تو موجود تھے اور نہ ہی کسی کو اس کے ناجائز مراسم کی بھنک پڑی تھی اور نہ اس کی ناجائز بچی کی خبر......!

شام تک وہ اسی ڈوب اُتار میں غلطاں رہا...... بالآخر اس نے جی کڑا کر کے تصویر اور خطوط بُری طرح پھاڑ کر نذرِ آتش کر دیے۔ اپنے تئیں اس نے ماضی کے اس اندوہناک المیے کا قصہ تمام کر دیا تھا مگر

کانٹا لاکھ نکل لے پر ٹیس تو اپنے وقت پہ ہی جان چھوڑتی ہے۔ کئی شب و روز وہ جان کنی کے عذاب میں جل رہا تھا۔

- ڈیرہ ڈون' سُرخ ہنی مون......!

ڈیرہ دون کالے کوسوں دور...... میدانی شہروں بستیوں سے مختلف خوبصورت منظر و منازل میں گھرا ہوا' فرحت آفریں شہر...... فطرت کی مہربانیوں' جولانیوں کی آماجگاہ...... سبزہ زاروں' کہساروں اور دلکش نظاروں کی بہاروں سے آراستہ پیراستہ' ایک ایسا مقام جہاں پہنچ کر بیمار' تندرست اور زندگی سے بیزار لوگ زندگی سے پیار کرنے لگتے ہیں...... ادھر کے پھل پھول' ترکاریاں' چاول' چائے اور کیمیائی تاثیر رکھنے والا پانی' جسم و جان کو بالیدگی بخشنے والی آب و ہوا کا جواب نہیں یہاں پہنچ کر انسان محسوس کرتا کہ جیسے وہ سورگ میں آ گیا ہے...... عشق و محبت کے طوطوں میناؤں کی کہانیاں کہنے والوں' زندگی کی حقیقتوں سے آنکھیں چرا کر چند روز خود فراموشی [illegible] راہوں میں رہنے والوں اور [illegible] کے متلاشیوں کے لیے یہاں کی دھواں دھواں ابر آلودہ سحر [illegible] میں فضائیں اور اس کی جادوئی ہریالی سے سنہرا خواب خواب سماں ماحول بڑا سازگار ثابت ہوتا ہے...... نوبیاہتا جوڑے جن کی جیب و دل میں بہت سے پیسے اور ارمان ہوتے ہیں وہ بھی بصد اہتمام یہیں گزارتے ہیں۔ بڑی بڑی کمپنیوں اداروں کے سالانہ اجلاس' ماہانہ میٹنگیں' سیمینار وغیرہ یہاں منعقد ہوتے ہیں۔ کام کا کام اور آرام کا آرام...... [illegible] شملہ' اوٹی' [illegible] نینی تال وغیرہ بھی اسی نوع کے شہروں میں شمار ہوتے ہیں۔

یہاں ڈیرہ دون میں کشمیرے سنگھ کے خاندان کا کچھ کاروباری سلسلہ تو نہ تھا۔ لیکن چڑجی روڈ پہ ایک بڑی سی کالج اور دفتر اس کے ایک عزیز کے تصرف میں تھے۔ اس کے باوجود کشمیرے نے بہت پرے ایک پہاڑی کے دامن میں جہاں خودرو خوش رنگ پھولوں کے سلسلے اور قدرتی چشمے تھے ایک الگ تھلگ فرنیشڈ کاٹج لیز پہ حاصل کر لیا تھا۔ یہاں سے کچھ دور ایک چھوٹی سی جھیل اور جھرنے بھی تھے...... آبی پرندوں کی ڈاریں' پہاڑی کونجیں' اس کاٹج کے اوپر سے گزرا کرتی تھیں' خوش رنگ تتلیاں' پھرتیلی بانگی نور چڑیاں اور رات کی رُتوں میں جگنوؤں کی جھلملاتی ٹمٹماتی کہکشائیں...... جھرنوں اور جھیل کے پانی کی بوچھار سے اُڑتے ہوئے مشکبار نم کا غبار اور فضا میں بکھری بولتی ہوئی اتھاہ خامشی کا ایسا جادو...... جو سر پہ چڑھ کر بولتا تھا۔

کشمیرے سنگھ کے ذوقِ جمال اور فطرت کی حشر سامانیوں سے کماحقہ مستفیض ہونے کے شوق و کمال [illegible] پڑی ہوگی کہ اس نے اپنی محبوبہ سفیداں بائی کے فن و ہنر طبیعت و شخصیت کی فیروزمندی کے مطابق ایک ایسے گوشہ ولداری کی تلاش و جستجو کی' جس کی وہ یقیناً مستحق تھی...... ایسی کنجِ عافیت پا کر سفیداں بائی کو ایسے محسوس ہوا کہ وہ جیسے اپنی منزل پہ پہنچ گئی...... اسے اپنے سپنوں کی تعبیر مل گئی ہو۔ وہ یہاں زندگی کی آخری سانسوں تک خوش و خرم رہ سکتی تھی۔ اسے یہ بھی طمانیت تھی کہ کشمیرے سنگھ کی چاہت کوئی بھڑکتے ہوئے شعلوں جیسی نہیں کہ قریب آنے والی ہر چیز کو جلا کر خاکستر کر دے بلکہ وہ تو کنج کنج سلگنے والی اگربتی کی طرح تھی یا [illegible] کافوری موم شمع کی مانند...... جو کسی حرمِ ناز میں ادھ کھلے دریچے کی چوکھٹ پہ دھرے بلوری کنول میں [illegible] کی ہتھیلیوں سے لجا شرما رہی ہو۔

تجربہ' مشاہدہ بتاتا ہے عقاب کی راہ میں ہوا' [illegible] کی راہ میں عصا' سانپ کی راہ میں پہاڑ اور مرد کی راہ میں عورت...... اگر موسم' حالات مُنہ موافقت کے مطابق نہ آویں تو پھر سانحے اور حادثے جنم لیتے ہیں۔ [illegible] بھی کیا سوختہ سا فلسفہ ہے۔ اپنے وجود میں آرپار درد کا دھاگہ پروئے ہوئی ہے۔ درد کا انت [illegible] ہوتا ہے تو پھر بھڑک کر وہ جل اٹھتی ہے [illegible]...... بالآخر [illegible] آنسوؤں [illegible] باقی کی سوختگی کے دھبوں کی تہمت باقی رہ جاتی ہے۔

[illegible] خوشیوں' خوش فعلیوں' خوش نوائیوں اور خلوتوں کی جلوتیں تھیں' صبح...... دوپہریں' [illegible] کی مانند تابدار' شامیں شرمیلی اور راتیں راحتوں کے رتجگے تھے...... دن' ہفتے' عشرے' مہینے [illegible] کی مانند اُڑتے جا رہے تھے۔ چاہتوں کے جگنوؤں' لگاوٹ کی تتلیوں اور جوان سلگتے اُمنگوں کے [illegible] رنگوں نے دھوم مچائی ہوئی تھیں۔ لیکن تتلیوں' جگنوؤں اور دھنک رنگوں کے موسموں کی مانند' امنگوں [illegible] خوش گمانیوں' خوش ادائیوں کے دن بھی گنے چنے ہوتے ہیں...... چشمِ فلک کچھ تو اترے یہ منظر و مذاق [illegible] پسند نہیں کرتی اور نہ ہی انسانی فطرت و جبلت میں یوں ہے کہ وہ لگاتار لگاوٹ و محبت میں مبتلا رہے۔ [illegible] ہے...... اسے محبت کے ساتھ نفرت' خیر کے ساتھ خرابی اور میٹھے کے ساتھ کھٹے کی بھی ضرورت [illegible] ہے۔ دوست ہی دوست ہوں اور دشمن کوئی نہ ہو تو آدمی دوستی کے مفہوم و محاسن کو سمجھ ہی نہیں پاتا۔ [illegible] ہی آشکار ہوں اور ہجر کی کوئی شام و شب نہ ہو' وہاں خاک مزہ آئے گا...... انسان کچھ سمجھے نہ سمجھے [illegible] نہ جانے چنانچہ وقت اور فطرت کے کھلاڑی' حالات و معاملات کی بساط پہ اپنے اپنے شاہ و فرزیں' فیلے

اسپ و پیادے وغیرہ آگے پیچھے، دائیں بائیں، آڑے ترچھے کرتے رہتے ہیں۔ یوں بساط کے خانے آباد و وی ہوتے رہتے ہیں۔ کسی کو کہیں ٹھکانہ نصیب نہیں ہوتا۔ پل دو پل کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے۔

یہ دونوں شمع و پروانہ، دنیا و مافیہا سے بیگانہ، اک دوجے پہ نثار و دیوانہ وار...... ان کے لئے رتی چین ہی چین لکھتا تھا کہ انہیں ادنیٰ سنگریزہ بھی دُرِ شہوار دکھتا تھا تب کہیں سے کی آب جُو میں ایک ہلکا سا ریلا آیا...... دریاؤں، ندیوں میں ریلے ہیلے نہ آویں تو وہ ایک بدرو بن کر رہ جاویں۔ سمندروں، وشال ساگروں میں جوار بھاٹے نہ جاگیں تو وہ بحرِ مُردار کی مانند بے مُراد ہو جائیں...... گاہے ماہے اگر تندرست انسان بخار تپ میں نہ تپے تو وہ جسمانی فاسد مادوں کی بھرمار سے اندر ہی اندر بھسم ہو جائے۔ فی المثل، بخار کی مانند اگر پیار کا بھی خمار نہ ٹوٹے تو وہ بھی جان کا آزار بن جاتا ہے۔ کائنات کا مسلمہ اصول کہ ہر عنصر، مادہ اپنے نقیض کی جانب رجوع کرتا ہے...... تبھی تو ضد، توڑ، مکر ہی تو اصل توانائی کا تصور ہیں۔ گاہے زندگی کی ضد، توڑ، حذف...... موت کا تصور مفقود ہو تو زندگی میں کیا مفہوم، مزہ یا مقصد باقی بچ جاتا ہے؟ اسی طرح وصل، رفاقت، مصاحبت میں گر وقفہ ہجر کو معدوم اور فراق کی کلفت و کسمساہٹ کو [illegible] دیا جائے تو دیکھیں کہ پھر دل خوشی سے خالی اور آنکھیں آنسوؤں سے [illegible] ہیں۔

ایسا ہی کچھ ہوا کہ ابھی شب دوپہری بنی تھی، جانے کس گھاٹ سے گاگریں بھری گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آئیں اور چھاجوں مینہ برسا کر [illegible] گئیں تھیں۔ [illegible] سارے ماحول اور موسم کی مدھرتا کو جل تھل کر رکھ دیا تھا۔ اونچے اونچے کہساروں گھنے لامبے لامبے چیڑوں چناروں میں نہائی ہوئی پون پروائی بھٹک اٹھے جائے تو دھنک دُھندی بن جاتی ہے اور اگر کہیں بادل پانچھیوں تک بھری گھٹائیں ٹھہر جائیں تو پھر ٹھٹھرتی ہو ہوائیں، بستی کے کواڑ کنڈلوں کو تو کھلنے نہیں دیتیں۔ ہونٹ پھٹنے، گال چٹخنے، نین برسنے اور پنڈے تپنے لگتے ہیں۔ گھروں کے گھر ماندے پڑ جاتے ہیں۔

- ہر نئی تعمیر پہ لازم ہے تخریب تمام......!

کشمیرے سنگھ کہیں اوپری سی ضد کھا گیا تھا۔ نفع نقصان جو بھی مقدر میں لکھا ہو تو اس کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ بن ہی جاتا ہے۔ پہلا ایک ڈیڑھ پہر تو خوب خُوش فعلیوں میں گزرا...... سفیداں بائی بڑی

کشمیرے سنگھ کے پہلو میں پڑی کیدارے کے انگ میں ایک مدھری استھائی گنگنا رہی تھی۔ بھیگے ہوئے کے انگ لگی ہوئی کوئی خنک سی لہر کہیں سے اندر گھس آئی ہوگی...... سفیداں بائی نے دوشالہ اوپر کھینچا کشمیرے سنگھ مہوے کی شراب کا ایک بڑا سا گھونٹ حلق سے اُتار کر سفیداں بائی کے انگ لگ گیا۔

رات کے آخری پہر سفیداں بائی کو یوں لگا جیسے اس کے پہلو میں کوئی بھٹ دہکا ہوا دھرا ہے۔ جب تو جان پڑا کہ کشمیرے سنگھ کو تیز تپ نے تپایا ہوا ہے۔ سانس کی دھونکنی دھب دھبے مار رہی تھی۔ آنکھیں دیکھیں تو لال بوٹی...... لب کہ لہو سے ابھی پھٹے۔ گالوں پہ انار ترخے ہوئے۔ سفیداں بائی نے میا کی دُہائی دیتے ہوئے دوہری توشک ڈالتے ہوئے اسے سینے سے لپٹا لیا۔ گال سے گال جوڑ لئے۔ تپ کے تپائے، داڑھ کے دُکھائے، بچھو کے ڈنگوائے اور چندر گرہن کے جائے کو کہاں چین پڑتا ہے۔ ٹونا ٹوٹکا، گنڈا نہ کنٹھا...... میا کی گود جورو کا پہلو معشوق کا زانو...... انگ سنگ کچھ بھی تو بجھائی نہ دے...... ہر اپنا غیر اور ہمدرد بے درد سا لگتا ہے۔ کشمیرے سنگھ کی حالت لحظہ بہ لحظہ دِگرگوں ہوتی جا رہی تھی۔ انگ تپتے تونبے کے تار کی طرح لرزنے لگے تھے۔ جاڑا لگے بخار میں مریض کی کیفیت بڑی عجیب وغریب ہذیان بکنے لگتا ہے تو کبھی ہائے وائے شروع کر دیتا ہے۔ سانس یوں کھینچ کھینچ کر لیتا ہے جیسے [illegible] کشمیرے سنگھ کی بھی حالت ہو رہی تھی۔ لگتا تھا کہ بخار اس کے دماغ چڑھ گیا ہے یا شاید شدید قسم کے نمونیے کا حملہ تھا...... سفیداں بائی کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کیا کرے کیا نہ کرے۔ ایسے ناگہانی حالات سے نبٹنے کا تجربہ نہ تھا۔ گم قبیلے میں پڑی رہنے والی اور کیسی جگہ اور وقت کہ آس پاس کوئی بھی نہ تھا جو اس وقت اس کی مدد کرتے۔

رات کا آخری پہر، آبادی سے الگ تھلگ...... ٹیلے پہ ڈھلوانیں...... ایک چپڑ غٹو قسم کا کشمیری باتو بھونکے جا رہا...... اس کی کتیا، کہیں باہر گھوڑے کے ساتھ تھی...... مُنہ زور زور دیوار سے سر پٹختی، چنگھاڑتی سرد ہوائیں، جو بند محفوظ خواب گاہ میں بھی کاٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسے میں وہ بیچاری...... کیا کرے...... کہاں جائے؟ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بمشکل کشمیرے سنگھ کو خود سے علیحدہ کر کے کروٹ پہلو کرتے ہوئے با دلِ ناخواستہ اُٹھی...... دواؤں کے ڈبے سے جاڑے بُخار کی گولیاں نکال کر کشمیرے سنگھ کے مُنہ میں رکھیں...... پانی کے دو گھونٹ حلق سے اترے تو اس نے بے وقت آنکھیں کھولیں کچھ بولنا چاہا مگر نقاہت سے پھر آنکھیں مُوند کے پڑ گیا...... سرد اور سر پڑی رات کا بقایا حصہ سفیداں بائی نے جیسے تیسے بسر کیا...... پلک سے پلک نہ جڑی تھی، بُرے بُرے خیالات وسوسے الگ جان کا آزار بنے رہے۔ خدا خدا

کر کے کہیں صبح کے جھٹپٹے میں دودھ والے بھیئے کے ٹلیوں کی مخصوص آہٹ کان پڑی تو وہ اپنا آپ لپیٹے دروازے تک آئی۔ آواز دے کر اسے کہا کہ وہ بخشو ملازم کو فوراً بلا لائے۔

وہ ہونگا بونگا سا بوکھلایا ہوا پہنچا تو اُدھر کشمیرے سنگھ کی حالت مزید بگڑ چکی تھی...... بخشو اور دودھ والے بھیئے کو کسی ڈاکٹر کی تلاش میں بھیجا...... صبح صبح کڑاکے کی سردی اور ہلکی ہلکی ژالہ باری...... ڈیڑھ دو گھنٹے بعد کہیں دور بستی سے وہ ایک بوڑھے کرسچین ڈاکٹر کو بڑے جتنوں سے اُٹھا کر لائے...... تفصیل سے چیک کرنے کے بعد اس نے فوراً مریض کو ہسپتال پہنچانے کا بندوبست کیا---نمونیے کا شدید حملہ تھا۔

بس یہیں...... اسی گزشتہ رات اور اس وقت جب کشمیرے سنگھ کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ سفیداں بائی کو شدت سے احساس ہوا کہ وہ یہاں کتنی اکیلی، غیر محفوظ اور بے بس سی ہے۔ اس کے اندر ایک سہمی ہوئی موت جاگ اُٹھی تھی...... پانی میں تیرتی ہوئی مچھلی، فضا میں پرواز کرتے ہوئے پنچھی اور پریم کے جادو میں جکڑے ہوئے منش جب تک لطف، زعم و بھرم میں پھنسے گئے اور دھنسے رہتے ہیں یہی سمجھتے ہیں کہ جہاں ہی کے دم سے جہانِ نقد و نظر، دنیائے عیش و طرب اور کائنات لطف و کرم میں بشاشت کا رنگ ہے۔ گویا ہی جنت خانہ آفتاب نامہ ماہتاب [illegible] جب بھی زندگی میں [illegible] آتے ہیں تو [illegible] تنہائی، کم ہمتی کم اوقاتی کا احساس ہوتا ہے۔ منظر یہ ہے کہ صحت، خوشی، اقبال مندی کے عالم میں اکثر بے اوقات [illegible] چیزے دعوے کرتے ہوئے نہیں شرماتے۔

سفیداں بائی اپنا بھرا پُرا گھر کوٹھا چھوڑ کے آئی تھی۔ پیار کی پینگ میں اسے اتنا ادراک بھی نہ تھا کہ پیار پینگ ہمیشہ نہیں جھولی جاتی...... گڈے گڈی کی پینگ کے موسموں، ساون بھادوں کی بھیگی رُتوں، آموں کے باغوں میں بور پھوٹنے کے دنوں، کوئل کے کوکنے کے سموں میں ہی پینگ پکوان پکوڑے بھلے لگتے ہیں۔ آگے پیچھے محض تگو بنے والی بات ہوتی ہے۔

وہ پیار کی پینگ، مہاوٹوں کے دنوں میں جھول تو بیٹھی تھی پر اب اچانک وقت کے رَسّے کی گرہ ڈھیلی پڑ گئی۔ دھڑام سے نیچے تو نہ گری لیکن اتنا احساس ضرور ہو گیا کہ وہ گر بھی سکتی تھی ایسے میں آس پاس اپنوں کا ہونا کتنا ضروری ہوتا ہے۔ بستیوں شہروں میں مل جل کر رہنے میں کیسا مزہ اور کتنی آسانیاں ہوتی ہیں۔ ویرانوں، جنگلوں میں انسانوں اور دنیاوی جھمیلوں سے بھاگ کر دور تن تنہا رہنے والے بن باسی بابے جوگی سنیاسی من مارے ہی تو ہوتے ہیں۔ گاہے من میں کسی منش کا دھیان دھر کے تنہا الو کی طرح نہیں رہا جا سکتا۔ اس نے پہلی فرصت میں کالے خان اور رام پیاری کو اطلاع بھجوائی کہ فوراً پہنچو...... وہ لشتم پشتم

[illegible] پہنچ گئے تھے۔ چار پانچ دن ہسپتال میں پڑنے کے بعد کشمیرے سنگھ بھی اپنے گھر واپس پہنچ گیا۔ [illegible] سفیداں بائی نے دن رات اس کی پلنگ پٹی سے لگ کر اس کی تیمارداری کی تھی۔ مگر بیماری کی [illegible] کوئی نہیں تھی کہ کمزور اور چڑچڑے کشمیرے نے انتہائی درشتی سے کالے خان اور رام پیاری کی آمد [illegible] اور حکم عدولی کا اظہار کرتے ہوئے سفیداں بائی کو انتہائی سست کہا۔ وہ اس کے ترش اور [illegible] رویے پہ ششدر رہ گئی۔ کشمیرے سنگھ کی طرف سے یہ اس کی عزت نفس اور اعتماد و وقار پہ پہلا چرکا [illegible] اسے دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کشمیرے سنگھ اس کے ساتھ ایسا تحکمانہ رویہ بھی [illegible] سکتا ہے اور اس کے خانہ زادوں کے روبرو اس کی پان پت اُتار کر رکھ سکتا ہے۔ کالے خان کو بلانا [illegible] کے تحت تھا۔ کشمیری ملازم میں اتنا وقوف نہیں تھا کہ وہ صحیح سے دوا دارو لا سکتا۔ ہسپتال یا کسی سٹور وغیرہ [illegible] سکتا۔ بہرحال وہ یہ سوچتے ہوئے بات ٹال گئی کہ کمزوری اور نقاہت نے اُسے چڑچڑا کر دیا ہے مگر یہ [illegible] روز روشن کی مانند صاف تھی کہ اس کے دل کے آئینے میں ملال کا بال ضرور آ گیا تھا گرچہ وہ [illegible]

[illegible] کے [illegible] پھر جو سنبھالا کا ایک جھٹکا لگا کہ وہ اس کا [illegible] سہارا [illegible] تھی۔ آنکھ [illegible] پیچھے ہی اس [illegible] سفیداں [illegible] رام پیاری [illegible] پانی [illegible] ہاتھ بڑھا کر [illegible] لگا کر بٹھایا کہ ایسے میں رام پیاری بھی پانی لئے آ پہنچی تھی۔ بس یہیں کشمیرے سنگھ کا پانی [illegible] ہاتھ اٹھا کر جو کانچ کے گلاس پہ جھانپڑ چلایا تو گلاس مع پانی اور رام [illegible] نیچے فرش پہ آ رہے۔ [illegible] اٹھی' کانچ کے [illegible] ٹوٹی چوڑیاں [illegible] رام پیاری کے [illegible] بال' کلائی پہ تازہ خون کے [illegible] واحد میں یہ سب کچھ سرزد ہو گیا تھا۔ سفیداں گنگ سی آنکھیں پھاڑے کبھی رام پیاری اور کبھی [illegible] سنگھ کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایک عجیب سی [illegible] کی حالت میں تھی [illegible] نہیں کر سکتی تھی کہ کشمیرے سنگھ ایسی گری ہوئی بہیمانہ حرکت بھی کر سکتا ہے۔

[illegible] زادوں' ملازموں پہ ہاتھ اٹھانا' پھر جب کہ کوئی قصور بھی نہ ہو وہ تو ایسی گھٹیا حرکت کا تصور بھی [illegible]۔ بن کسی ارادے اس کے منہ سے خود بخود ہی نکل گیا۔

[illegible] صاحب! آپ کو کیا ہو گیا ہے...... یہ بے چاری آپ کے لئے پانی لائی اور آپ نے اس پہ [illegible] قہر اس کا دوش کیا ہے؟"

[illegible] پیاری ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ کلائی میں ہرے کانچ کی ایک چوڑی کا تیکھا سا ٹکڑا کھبا ہوا تھا۔ [illegible] نظر پڑتے ہی اٹھی اور رام پیاری کی جانب بڑھنے لگی تو کشمیرا زخمی ریچھ کی مانند دھاڑا۔

''خبردار! جو مجھے چھوڑ کر اس دو ٹکے کی ویشیا سے ہمدردی جتانے کی کوشش کی۔''

سفیداں بائی وہیں سے پلٹ کر بولی۔

''کنور صاحب! میں بھی تو اِک طوائف ہوں۔ میری ماں' میری نانی پڑنانی سب طوائفیں ہی تھیں۔ میری یہ سب سہیلیاں' باندیاں سب طوائفیں ہیں۔ مگر ہم بُرے لوگ بھی کبھی اپنے ملازموں' سیوکوں کا کرنے کا سوچ نہیں سکتے...... ان پہ ہاتھ اُٹھانے کا تو تصور تک نہیں کرسکتے...... ہم تو ان کو اپنی جان سے لگ کھلانے سے بھی گریز نہیں کرتے...... اور آپ خاندانی لوگ' عزت و دولت والے...... آپ! آپ یہ کہ اس معصوم کا قصور کیا ہے؟''

وہ اُبکا کر بولا۔ ''سفیداں بائی! میں زیادہ گفتگو نہیں کرسکتا اور نہ ہی تم سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ یہ صحیح نہیں کہ تمہارے اور میرے درمیان اِک اقرار ہوا تھا کہ اس کوٹھے سے اترنے اور میرے ساتھ بیٹھ کے لئے روانہ کے بعد تم اس پیشے قماش' اپنے تعلق داروں ملازموں' سازندوں کسی سے بھی کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھو گی۔ گاؤ گی تو صرف میرے لئے...... جب میں نے تمہاری خاطر اپنا سب کچھ تیاگ باپ بیوی رشتے دار یہاں تک کہ اپنا کام کاروبار بھی محدود کر کے تمہاری دلداری اور تمہیں خوش دیکھنے میں تمہیں [illegible] ملوں کو یہاں بلوالیا۔ مجھ سے پوچھے بنا تم نے انہیں ٹیلیگرام بھجوایا اور حد یہ کہ تم اس چھلنگو کے ہاتھوں مجھے پانی بھی ہو۔ سفیداں بائی! تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی...... میرے اعتماد کو......''

اب جو کھانسی اُٹھی تو کشمیرا [illegible] تکیے پر ڈھے گیا۔ سفیداں نے آگے بڑھ کر اس کا سینہ شروع کیا۔ اشارے سے رام پیاری کو وہاں سے ٹہلایا۔ اس نے دیکھا کہ کشمیرے کے ہونٹ خشک سے پڑ گئے' سانس بھی بے ڈھب ہو رہی ہے۔ پانی تو اس نے پہلے بھی طلب کیا تھا اور اب تو وہ مزید ہو چکا تھا۔ سفیداں پانی کے لئے بے تحاشا سی اُٹھی...... بے دھیانی میں یہ بھی خیال نہ رہا کہ نیچے گلاس کے ٹکڑے بکھرے پڑے ہیں...... کچ کچ کچ کانچ کافوری موم سے پاؤں کے نازک تلوے یوں چھدے لہو کے دھارے بہہ نکلے۔ بن آواز نکالے وہ دوہرے سے چوپٹ ہو گئی۔ ہاتھ اور بازو پہ بھی کانچ چبھے سے ہی نہ کی...... کشمیرے سنگھ تو اپنے سانس سنکٹ میں پھنسا ہوا سے خاک خبر کہ کیا سے کیا ہو گیا ہے۔ ہی دیکھتے چلوؤں خون بہہ نکلا شاید پاؤں پنڈلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی۔

بیمار' کمزور اور زخمی انسان اگر اپنا بہتا ہوا خون یا کوئی بھیانک خواب دیکھ لیں تو وہ محض خوف سے نیم بیہوش ہو جاتے ہیں۔ شاید خون' خوف اور خواب کا آپس میں کوئی سمبندھ موجود ہو۔ سفیداں ٹوٹے

[illegible] سے چھوٹی ہوئی خوں چکاں کونج کی مانند بے یارومددگار غالیچے پہ پڑی تھی جبکہ رام پیاری باہر دالان کی [illegible] جانب رسوئی کے ایک کونے میں دبکی ہوئی بھیں بھیں کر رہی تھی...... اس کے ساتھ والی کوٹھڑی میں [illegible] کھائے اور کشمیری ہاتھ چاندو چکھے ہوئے پڑے تھے۔ باقی رہے کالے خاں تو وہ اس وقت خواب [illegible] کی اوٹ میں کھڑا یہ ''طوائف کا پیار'' ڈرامہ دیکھ رہا تھا۔ وہ اندر کے سارے سین سٹیپ' ہر مکالمہ [illegible] منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے سُن چکا تھا۔ اس کی وحشت سے پھٹی ہوئی ساکت [illegible] غیض سے کپکپاتے ہوئے نتھنے اور بھینچے ہونٹ' نکوسے ہوئے دانت' گردن بازوؤں کی تنی ہوئی [illegible] ہاتھ میں کُھلا ہوا کمانی والا رامپوری خمدار چھتو' وہ اپنے بڑے مضبوط قدموں پہ کھڑا تھا...... سمندر [illegible] شانت' اندر سے کھولایا ہوا' تہس نہس کر دینے پہ آمادہ...... چھتو تو اس نے اُسی وقت نکال لیا [illegible] زنانے سے کشمیرے نگو نے رام پیاری کے ''تانک جل'' والے گلاس پہ زنانے کا اُلٹا ہاتھ دیا [illegible] کشمیرے نگو کی ماتا نے پنجہ صاحب کے مقدس چشمے' حسن ابدال سے خصوصی طور پہ منگوا کر اپنے [illegible] کے رکھا ہوا تھا۔

[illegible] ہر ملک میں [illegible] اپنے اپنے مذہبی عقیدوں کے مطابق بڑے مقدس [illegible] خواص واثرات کے حامل مانے جاتے ہیں۔ آب حیات تو ہماری روایاتی داستانوں کا ایک [illegible] ہے۔ اساطیری [illegible] دیومالائی قصے کہانیاں...... عربوں کی الف لیلیٰ' ایرانیوں کی بلبل ہزار داستان' [illegible] طلسم ہوش ربا...... [illegible] دمشق کے بازار...... سمرقند بخارا کی قدیم سرائیں۔ [illegible] کے حجرے' پشاور کا قصہ خوانی۔ طرابلس کی طرب گاہیں یا قرطبہ کی عبادت گاہیں۔ آذربائیجان' [illegible] کے قہجان۔ عدن کی منڈیاں یا جدہ کا ساحل۔ بنارس کا گھاٹ یا گوا کے پاٹ' ہر جا جگہ کا [illegible] رنگت شکل' تاثیر اور سواد' مکروہ یا مقدس جو بھی ہو اپنے اپنے مقام پہ ایک تاریخی اور روایاتی [illegible] ہے۔

[illegible] نیل ہو یا نیلم' گنگا ہو یا برہم پترا' راوی چناب' ترپتی کرشنا' نربدا' جیحوں یا جھیل سیف الملوک' [illegible] شاہ ڈل جھیل' ان ندیوں دریاؤں آب جوؤں کے پانی بھی کسی نہ کسی خصوصیات کی بناء پہ مشہور [illegible] پانی نروان گیان اور شکتی شانتی کے حصول کے لئے مددگار ثابت ہوتا ہے اور کوئی جسمانی' جلدی [illegible] بخش ہے۔ خفقان اور دیگر امراض میں اکسیر تو کوئی آخرت اور دوسرے جنم کی آسودگی کے لئے [illegible] ہے۔ گردوں کی صفائی' قوت باہ' کوڑھ' داد چنبل...... معدہ' نفخ اور قولنج کے لئے ایسے تریاق پانی منگوا

کر استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ وہاں چشموں' جھرنوں' تالابوں اور دریاؤں تک پہنچ جاتے مختلف طریقوں سے غسل اشنان کرتے ہیں۔ بوتلوں اور کنستروں میں بھر بھر کر ساتھ لاتے ہیں۔

یوں تو دُنیا بھر میں بے شمار ایسے دریا' ساگر' جھرنے' تالاب اور چشمے وغیرہ موجود ہیں مگر تاریخی پس منظر' طوالت' طمطراق و طنطنہ' ثروت' زرخیزی و اسرار دریائے نیل اور اس کے آبِ نیلگوں ہوئے وہ کسی اور دریا کے حصہ میں نہ آئے اور نہ آئیں گے۔

● وادیٔ نیل' تحفۂ ربِّ جلیل......!

وادیٔ نیل مصرِ جلیل' القدر پیغمبروں' مطلق العنان خدائی کا دعویٰ کرنے والے حکمرانوں کی آ جولان گاہ تو رہا ہی ہے مگر اس کی اصل وجہ شہرت اس کے تنومند آور کرنیل جوتشیوں' فاضل کیمیا گروں' اور جراحوں' موسیقاروں' ساحروں' مہندسوں' ہیئت دانوں' ماہرینِ ارضیات و فلکیات...... فنِ تعمیر بے مثل ماہرین و شائقین...... فلسفہ تاریخ کے مؤلفین مقیم رہے تھے۔ ان ایسی فقید المثال شہرت و شوکت کی اقوام عا [illegible] اور تاریخ پہ جتنی بھی بازیاں جمائی گئیں' جو بھی کھیل کھیلے گئے...... وہ سب اپنے منطقی انجام تک پہنچتے ہوئے اپنے سیاق و سباق سمیت سمجھ میں آتے گئے پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بے دم ہو کر تاریخ کا بن گئے۔ ان کے قصے فلسفے [illegible] علوم و فنون سب کچھ اوراق پہ [illegible] کر رہ گئے...... مگر ارضِ مصر کم و بیش چار ہزار سال سے بالکل کسی مصری کیبرے رقاصہ کی بلوٹیں لیتی ہوئی حسین ناف کی مانند تماشائیوں کی گرم نگاہوں کا مرکز بنی رہتی ہے۔

یہ سرزمین ظاہری اور باطنی ہر دو طرح کے خزانوں سے بھری پڑی ہے...... اپنوں اور بیگانوں اسے خوب لُوٹا...... اب تک لُوٹ رہے ہیں مگر لُوٹنے کھسوٹنے والوں کے ہاتھ شل اور کدالیں کند ہو گئیں اس کے خزائین اور دفائین میں مطلق کوئی کمی واقع نہ ہوئی...... اس کی تاریخ پہ بھی کوئی رائے حتمی طور پہ جا سکی۔ فی الواقع یہ اندازوں' گمانوں' قیاسوں' اسراروں اور بگولوں سرابوں...... کارناموں' تذکروں محیر العقول واقعات پہ پھیلا ہوا قطعۂ ارض ہے۔ اس کے ایک ایک منظر اور ایک ایک ذرّے میں پُر اسرار رچی بسی ہے۔ جبکہ نیل کے ایک ایک قطرۂ آب' ہزاروں میلوں پہ پھیلے ہوئے ساحلوں' گھاٹوں' ڈیلٹاؤں کسمساتی ہوئی موجوں' لہراتی ہوئی لہروں کے سینوں کی دھڑکنوں میں' سانسوں کی سسکیوں میں ماضی

کی ان گنت کہی ان کہی داستانوں اور نغموں کی بازگشت گونجتی رہتی ہے…… کوئی صاحبِ نگاہ لبِ نیل کھڑے ہو کر دیکھے تو…… جنگ و جدال کے خونچکاں مناظر' ریاست سیاست کی تیزہ کاریوں…… عشق و محبت کی شوریدگیوں…… حرص و ہوس کی تباہ کاریوں…… جاہ و حشمت کی حشر آرائیوں…… زر و جواہر کی فراوانیوں انسانی ہمت و کاوش کی معجزہ آفرینیوں کے پرت در پرت کھلتے دکھائی دیں گے۔ دریا کی پیٹھ کی جانب اتریں کے رُخ کی طرف پہنچیں اس کی جمالت اور جلالت آپ کو مسحور و مبہوت کر دیں گے۔ چوڑے چوڑے سے نیچے ٹخنوں تک اتری ہوئی عبائیں…… صحراؤں جیسے فراخ گھنے سیاہ بالوں سے اٹے ہوئے سینوں سینوں سے شرابور لامبے دہقان' حدِ نظر تک پھیلے ہوئے فصل بار کھلیان کھیت' ثمر بار باغیچے…… جنت کے سارے میوے…… رتیلے ڈیلٹے کے خوش رنگ شیریں تربوز…… مے ارغوانی سے لبالب اقسام و رنگ انگور…… سنگترے [illegible] مالٹے شہتوت و شفتالو اور دنیا کا عمدہ ترین آلو…… جو جوار' سنہری میٹھی مکئی' معطر چاول' سویابین' سورج مکھی نایاب گندم و گنا…… مقدس گھاس المعروف سنہری ریشہ جس کی ایک [illegible] میں تولنے کے قابل ہوتی ہے۔ نیل کے اتھلے پانیوں کی سیاہ فاختہ اور گہرے پانیوں کی [illegible] مچھلی…… جس کے سر کے [illegible] سے سنگ [illegible] جواہر بھی حاصل ہوتا ہے [illegible] سنگ ماہی [illegible] سے دانتوں [illegible] بنائے جاتے ہیں جو بے کار محض ہوتے ہیں۔ دنیا کے خوفناک عظیم الجثہ [illegible] مگرمچھ' [illegible] گھڑیال' دو [illegible] سے لے کر دو من تک خوبصورت ترین کچھوے اور مڑے ہوئے سینگوں والے [illegible] اور نیلے مینڈک…… زعفرانی گھونگے' سنہری سیپیاں اور قارون کے خزانے کی مانند پھیلی ہوئی [illegible]…… مونگ مونگے' چھنکے چانے' کناروں کی باڑوں سے پرے ابھرتے ڈوبتے سورج کے مناظر…… پرندوں کی ڈاریں' سُریلی سیٹیاں' گُرلائیں بڑے مسحور کن مناظر پیش کرتی ہیں۔ نیل کے بہتے پانیوں کا ایک الگ ہی طلسم ہے۔ نیلگوں آسمان پہ کہیں کہیں روئی کے گالوں جیسے چھدرے چھدرے بادل…… کے ٹکڑے جیسا کھلا ہوا چاند' جگنوؤں کی مانند ٹمٹماتے ہوئے تارے اور ایسے میں دریا کے بہاؤ پہ سفر' ……!

یہاں اب اگر اللہ نے بندے کو احساساتِ حسنہ سے نوازا ہے' زادِ زندگی میں علم و عرفان اور ذوقِ سلیم میسر ہے…… وجدان وادیٔ سینا کی وسعت کا حامل ہے…… دیدوں میں بینائی اور تابِ نظارگی ہے' شوقِ آوارگی' آفاقی سی طبیعت…… رفتگاں سے شناسائی' آمدگاں سے آگاہی اور قرب و دور تک رسائی ہو…… آئینۂ تصور بھی صاف ہو اور بندہ حمیدہ اوصاف ہو…… سوچ میں جولانی ہو' پروازِ فکر طولانی ہو تو پھر

دیکھئے کہ بوڑھا نیل اپنے سربستہ اسراروں کے پرت پہ پرت کیونکر اُتارتا ہے۔ آپ کو اس کے نیلگوں
میں ڈوبی ہوئی ان گنت صدیوں کی گھٹی گھٹی صدائیں اور دبی دبی سرگوشیاں سُنائی دیں گی۔ یُوں محسوس
چم چم چمکتی چاندنی اٹھکیلتی ہوئی موجیں اور لہریے لیتی لہریں اپنے بطون میں پڑی' کہی ان کہی داستانیں
کہنے اُجالنے پہ آمادہ خاطر ہیں۔ بس آپ نے ذرا سا دھیان دیا تو جانیے کہ آپ صاحب حال
صاحب ماضی فی الحال ہو گئے۔ انھیرِ نیل آپ کو نیلو نیل کرنا شروع کر دے گا۔

نیل کرائیاں نیلکاں میرا تن مَن نیلو نیل
اساں سودے کیتے دلاں دے اساں رکھے نین وکیل

اس بے پناہ رسیلے سُریلے لوک گیت میں "نیل کرائیاں نیلکاں" اور "تن من نیلو نیل" کی جو
سی تکرار ہے یہ خاصے کی چیز ہے۔ نیل میں نیلکاں نیلو نیل کیسے کول شبد اور سُریلے اُکھر بھاؤ ہیں۔ نیل ہی کے
دہن نطق میں بھی نیل گوں کا سواد گھلنے لگتا ہے۔ تصور میں نیلوفر کے شگوفے نیلے نیلے نازک پروں
تتلیاں' نیلگوں نگینوں والی نیلم پریاں پھریریاں سی اُڑانے لگتی ہیں۔

[illegible] ں پر افسوس
بھی نیلی بانگی گائے بھینسوں کی مانند ڈب کھڑبی ہی نکلی جو نیلی ہرگز نہ تھی ...... پھر اتفاق ایسے کہ پرند
دوکان پہ ایک نیل کنٹھ دکھائی دیا' جی بڑا خوش ہوا کہ گھر میں مینا شیاما اور چکور کے ساتھ یہ خوشنما زمزمے
گے ...... اسی خوش فہمی و خوش اعتقادی میں اسے گراں قیمت پہ خرید لایا ...... [illegible] تانبے کے تاروں سے خوبصورت
آرام دہ کابک مہیا کی مگر کیا کیجیے کہ کچھ ہی دنوں بعد نیل کنٹھ مہاراج سورگ باشی ہو گئے۔ بالائے ستم یہ کہ
واقعہ کے بعد باقی پرندوں نے بھی بڑی پُراسرار چُپ سادھ لی ...... گنگناتا' تانیں اُڑاتا' مُرکیاں
درکنار ہلکی سی آہ کراہ بھی کسی کی چونچ سے نہ نکلی۔ چوٹ کے نیل اور نیلے تھوتھے کو چھوڑ کر نیلی آنکھیں
کلائی میں کانچ کی نیلی چوڑیاں' نیلوفر کے پھول شگوفے' استنبول کی نیلی مسجد' ملتانی کاشی کاری کی نیلی
میوز چنگھ میں نیلا جوشن اور جسم کی نیلی رگیں ...... نیلم کی شفاف نیلاہٹ' نیلا آسمان' جھیل سیف الملوک کا
پانی ...... گلابی قرطاس پہ نیلی روشنائی سے لکھے ہوئے اُلفت نامے ......؟

قاہرہ دا بے سے اسکندریہ تک ساحل ساحل گھومنے والا (نیوسفائر آف نائل) نیل کا نیلم بڑا پُرشکوہ
پُرتعیش اور اچھی خاصی شہرت کا حامل بجرہ تھا۔ گہرے نیلے رنگ' پانچ ستاروں والا یہ تیرتا ہوا ہوٹل کوئی

[illegible] نہیں تھا کہ جو چاہے اس پہ نشست حاصل کر سکتا۔ خاص طور پہ سیر و سیاحت کے موسم میں اس کی [illegible] مہینوں پہلے ہی شروع ہو جاتی ...... ظاہر ہے کہ ایسے مہنگے پُر آسائش شاندار دریائی ہوٹل میں زیادہ [illegible] سیاح وغیرہ ہی سفر کرتے تھے۔ اس لئے مقامی اور مجھے ایسے فقرے قسم کے ٹورسٹ محض اسے جیٹی پہ کھڑے حسرت بھری نظروں سے دیکھنے پہ ہی اکتفا کرتے تھے ویسے بھی اس کی بکنگ ڈالروں اور پونڈوں میں [illegible] تھی جو ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہ ہوتی ...... اس کی وجہ شہرت میں ایک نمایاں حصہ اس کے منفرد اندرونی ہیئت کذائی‘ صحرائی انداز کی بود و باش‘ قدیم فراعنہ کی طرز کا فرنیچر‘ لباس‘ قالین‘ کراکری اور [illegible] کا بھی تھا۔ وہی گئے وقتوں کے ساز سازینے پُر اسرار مسحور کن دھنیں ...... ویسی ہی نیم برہنہ و لچکتے سلگتے [illegible] والی زہریلی رقاصائیں ...... صنوبر اُٹھانوں والے گریل حبشی غلام‘ ہیبت ناک شکلوں والے ساحر‘ شعبدہ گر [illegible] جیسا ماحول‘ کافوری روشنیاں‘ لپٹیں چھوڑتی ہوئی مشعلیں‘ قندیلیں اور مختلف رنگین شمعیں۔ سو اس [illegible] ماحول میں چند روز رہنے والا مہمان واقعی ہی بیرونی دُنیا سے کٹ کر صدیوں پہلے کے زمانے میں خود کو [illegible] کرتا تھا ...... وہ ایسی سحر انگیز تفریح اور تفنن کی بہجت آفرینی بھی فراموش نہیں کر پاتا۔

[illegible] ہوں کہ میں [illegible] کوئی نہ کوئی بہانہ گنجائش ڈھونڈتا رہتا ہوں کہ اُڑ کر وہاں پہنچوں ...... مصر کے علاوہ دُنیا میں [illegible] کسی سرزمین [illegible] ہے جہاں کسی جہاں گشت‘ مورخ‘ تاریخ دان‘ علم الانساب و اقوام کے طالب علم‘ [illegible] تعمیرات‘ جغرافیہ دان‘ علوم مخفی‘ علم الابدان و جراحت اور محقق کے لئے ایک جہان حیرت کھلا ہوا ہو...... [illegible] محکمہ سیاحت بڑا منظم اور فعال ہے کیوں نہ ہو یہ تو مصر کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ [illegible] تہذیب و تمدن‘ اپنی سرزمین اور عظیم آب رو‘ خزائن و نوادرات اور مصنوعات و پیداوار کی پُر اسراریت کو [illegible] کرنے کے لئے انہوں نے بڑے جدید اُصولوں طریقوں کو اختیار کر کے سیاحت کے میدان میں سنہری [illegible] حاصل کی ہے۔ قاہرہ اور اسکندریہ کے عظیم الشان قصر‘ عجائب خانے‘ لائبریریاں‘ مسجدیں‘ درسگاہیں‘ [illegible] صحرا اور قومی ثقافتی یادگاریں‘ ان کے لئے دن رات ڈالر چھاپتی اور سونے چاندی کے سکے ڈھالتی [illegible] ہیں۔ ان کی قومی ایئر لائین دُنیا کی وسیع تر اور بہترین منافع والی ہوائی کمپنی ہے۔ اندازہ فرمائیں [illegible] ملک میں ادنیٰ سی ادنیٰ ٹیکسی بھی مرسیڈیز بینز سے نیچے نہیں ہوتی۔ فر فر انگریزی بولتے ہوئے سوٹڈ بوٹڈ [illegible] ڈرائیور ...... دُنیا کا ہر قابل ذکر پانچ ستاروں والے ہوٹل یہاں موجود ...... کلب‘ کیسینو‘ شراب خانے‘ [illegible] رقص گاہیں ...... تھیٹر‘ سینما‘ قحبہ گری کے پُر تعیش مراکز ...... غرضیکہ مصریوں نے گام پہ گام صید

پھانسنے کے پھندے گاڑے ہوئے ہیں۔ یہاں نہیں وہاں...... اس گلی میں نہیں اگلی گلی میں صیدِ دام میں پھنس ہی جاتا ہے۔ سابق شاہ فاروق کی حماقتوں اور رنگینیوں بھری زندگی اور اُم کلثوم کے غنائیہ زمزموں کے پس منظر میں مصر کے مزاج و مذاق کو خوب سمجھا جا سکتا ہے۔

میں نے جانا کہ مصر کو جاننے کے لئے شاہ فاروق، اُم کلثوم، غزہ کے اہرامین اور نیل کے ڈیلٹا کو جاننا سمجھنا بہت ضروری ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ دریا میں اُترے بنا دریا کو اصلاً نہیں جانا جا سکتا۔ اسی اصل کو جاننے کی غرض سے میں مصر سے باہر اُس مسافر کی مانند پڑا ہوا تھا جو رات فصیلِ شہر کا دروازہ بند ہونے پہ صبح کے انتظار میں جاگا سویا ہوتا ہے۔

● درویشی دیگچے، صحرائی ثرید اور خرچنگ کیکڑے......

بیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے آواخر، موسمِ سرما کے ابتدائی سرمئی سے دن تھے جب میں پرانے بیروت کے باہر سمندر اور صحرا کے درمیان ایک قدیم خستہ سی سرائے [illegible] آپ اسے بھٹیار خانہ بھی کہہ سکتے ہیں غیر معینہ دنوں کے لئے [illegible] بجائے یہاں پڑے رہنا میری مجبوری کے علاوہ میری تفریح بھی تھا۔

”فندق الجزائر“ بھٹیار خانے کا کوئی سر پیر نہ تھا، جو چھت تھا وہ ان گھڑے بے ہنگم پتھروں کی دیواروں پہ کھپریل، اُونٹوں کی [illegible] ٹوٹی پھوٹی چادروں اور الم غلم چیزوں کا نام تھا اور فرش موٹی کھردری سرخ ریت پہ اُدھڑے ہوئے پرانے قالینوں اور اُونٹ، بھیڑ بکریوں کے بالوں کی دریدہ دریوں جس پہ جا بجا میل کچیل کے دھبے اور چاک نمایاں تھے۔ ان پھٹے ہوئے چاکوں سوراخوں سے حشرات الارض، کیڑے کاکروچ، چھوٹے چھوٹے پھرتیلے کیکڑے، ننھی ننھی ریگ ماہیاں، رینگتے ہوئے بڑی بڑی مونچھوں والے پڈے، گن پڑے گھومے اور ریل گاڑی کی مانند خوبصورت چیونٹے نکل نکل کر آزادانہ گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ادھر رہنے والوں میں جسے دیکھئے وہ ہاتھوں ناخنوں سے اپنے جسم کے کسی نہ کسی اعضاء کو کھجاتا یا پپوٹا سہلاتا ہی دکھائی پڑتا...... کسی جگہ رہنے یا کسی جا پڑے رہنے میں ایک نمایاں فرق ہے...... یعنی اس غریب الدیار مفلوک الحال آشرم میں الف سے لے کر یائے تک سب پڑے ہوئے ہی تھے۔ میری طرح دل دماغ صحت اور جیب پاکٹ سے بے نیاز...... کوئی بھگوڑا ساحل پہ اترتا تو ناک کی سیدھ سیدھا ادھر پہنچ کر پڑ جاتا۔ کوئی صحرا نوردی سے فارغ ہوتا تو ادھر کمر سیدھی کرنے پہنچ جاتا۔ جیل، بیگار سے پلٹنے والے بھی ادھر کا

کرتے...... اور جو دنیا میں محض دھرتی کا بوجھ سمجھے جاتے ہیں ان کی جائے پناہ بھی یہی بھٹیار خانہ تھا...... یہ بحرِ دنیا کا واحد بھٹیار خانہ نما ہوٹل تھا جو دو چار پانچ سات ستاروں کا محتاج نہ تھا بلکہ یہ ملٹی سٹار کہکشانی ہوٹل تھا...... جس کے صدر دروازے پہ کوئی باوردی بارعب مونچھوں والا کھڑا نہیں رہتا تھا اور نہ ہی یہاں پہ پہنچنے کے لئے کسی ڈنر سوٹ ٹائی' پاسپورٹ' شناختی کارڈ' کریڈٹ کارڈز اور ڈالروں' پونڈوں' دیناروں کی ضرورت ہوتی...... کوئی اندراج' کوئی کمرا نمبر اور نہ کوئی مددگار...... یہاں پڑنے کے لئے صرف انسان کے روپ میں محض بوجھ کی ضرورت ہوتی' بس یہی اوصاف اس کی وجۂ شہرت تھے۔ یمن' تیونس' الجزائر' لبنان' سوڈان' شام' مصر' لیبیا' عراق' فلسطین غرضیکہ دنیا بھر کے فقرے' خرچ تھڑے' مفلس وقلاش اور بیمار قسم کے سیاح' گرد' بین الاقوامی دریوزہ گر' بھک منگے' چھوٹے موٹے سمگلر' حشیش اور مشروب پینے والے جہاندرو نشہ باز' جان ومال سے بیزار' دین دنیا سے آزاد' غرضیکہ ہر ذلیل وثقیل کا بوجھ خود بخود یہاں پہنچ جاتا...... کئی دیکھے جو بچپن میں آئے اور جوانی یہیں پڑے پڑے کہیں غائب ہوگئی...... کئی بوڑھے آئے اور یہیں سے دو فرلانگ شمود کے قبرستان میں جا کر لیٹ گئے۔ نہ آنے کی خبر اور خوشی' نہ جانے یا مرنے کا ماتم۔ پانچ سات بیرک نما دالان' کے دروازے [illegible] کھڑکی سے بے نیاز تھے۔ جس کا جہاں جی چاہا [illegible] گیا۔

ایک اردنی بوڑھا [illegible] پاؤں کے نیچے گھسٹتی ہوئی سیاہ رنگ کی میلی سی عبا...... وہ اور اس جیسے دو عدد بیٹے ہر وقت آنے جانے والے مہمانوں کا خیال رکھتے...... رہائشی دالانوں سے ذرا ہٹ کر ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور بغیر چھت کے ایک باورچی خانہ تھا...... ایک جانب جھاڑ جھنکار' چیتھڑے' پھٹے پرانے جوتے' لکڑیاں اور جلانے والے گندے میلے ڈیزل کے لئے ایک بڑا زنگ آلود ڈرم...... بڑے بڑے پتھروں کے چولہے اور ان پہ ڈیزل کے دھوئیں سے کلونسے ہوئے ڈنٹ پڑے دیگچے اور کھلے کنستر...... اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اتنے سارے لوگوں کے لئے سامان خورد ونوش کہاں سے اور کون لاتا تھا؟

میں نے اپنے قیام کے دوران کئی بار اس راز کو جاننا چاہا مگر ہر بار ناکام ہی رہا...... پانی کے لئے کا بنا ہوا ایک بڑا حوض تھا۔ جو صحرائی جانوروں کے علاوہ انسانوں کی بھی ضرورت پوری کرتا تھا۔ اس حوض کے لئے پانی کہاں سے پہنچتا تھا یہ یہاں کے لاینحل رازوں میں سے ایک راز تھا۔ اس اُردنی بھٹیارے کے دو بڑے بیٹے اکثر باورچی خانے کے اندر کھانا پکانے میں مصروف دکھائی پڑتے' جب دیکھا بڑے بڑے دیگچوں میں کالی لکڑی کا ایک بڑا سا لٹھ گھماتے ہی دیکھا...... ان دیگچوں میں لاثانی قسم کا ثرید پکتا تھا...... جس کا جزوِ خاص پہاڑی جو ہوتا...... جس کی یا تو بیئر شراب بنتی ہے یا پھر جانوروں کو بطور چارا کھلایا

جاتا ہے...... اس جو میں نشاست کم اور پھوک چھلکا زیادہ ہوتا ہے۔ اس سرائے کی مخصوص و عام ڈش بھی یہ واحد ثرید تھا۔ چوبیس گھنٹے اس کے دیگچے چڑھے رہتے...... جسے بھوک محسوس ہوتی وہ خود باورچی خانے پہنچ کر اپنی ضرورت کا ثرید حاصل کر لیتا...... یہ ثرید آش کی مانند پتلا اور ہلکا ہوتا...... جسے ہر کوئی آسانی سے ہضم کر لیتا...... ثرید کے دیگچوں میں جو تو پڑتے ہی تھے اس کے علاوہ لحمیاتی ضرورت کے تحت اس میں صحرائی کیکڑے بھی گھوٹے جاتے تھے۔

لیبیا' اردن اور مصر کے صحراؤں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت و مصلحت سے ایک کیکڑا پیدا کیا ہے۔ جو سمندری دریائی کیکڑوں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ سمندری کیکڑے چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور ناقابل یقین حد تک بڑے بڑے بھی...... جنہیں دیکھ کر خوف محسوس ہوتا ہے...... مگر یہ مخصوص صحرائی کیکڑے بہت چھوٹے ہوتے ہیں...... ایک چھوٹے سے مینڈک کی مانند ایک ہی سائز اور یکساں رنگ و رنگ' انتہائی پھرتیلے اور چست و چالاک...... خدا جانے ان کے پاس کون سی قوت و خاصیت ہے کہ وہ انسان کے ارادے اور نیت سے واقف ہو جاتے ہیں...... آپ بیٹھے یا لیٹے ہیں' وہ ٹھنڈک' سایہ' انسانی خوشبو سے وارفتہ ہو کر سرہانے اٹھکیلیاں توڑتے ہوئے اچانک کہیں ریت [illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] کھیوں کے نیچے گھما پھرا کر [illegible] آپ کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کر دیں گے اور بے خوف و خطر آپ کے جسم پر رینگتے پھریں گے۔ پاؤں کی انگلیوں کی درمیانی غلاظت ناخنوں اور گھٹنے کے جوڑ کے پیچھے کی میل کچیل...... ناک منہ کی آلائش لعاب' ہاتھ پاؤں کے بڑھے ہوئے ناخنوں میں رہائش پذیر غلیظ جرثوموں کے قبیلے...... کان کی کیچ [illegible] میں جوئیں وغیرہ ان کے من پسند کھاجے ہیں۔ ظاہر ہے یہ چیزیں انہیں دنیا میں صرف اسی سلیمانی آنچ کے مطبخ یا بھنڈارے میں وافر میسر آ سکتی ہیں۔ حیرت ہے کہ وہ کمال ڈھٹائی سے آپ کو اپنا تختۂ مشق بناتے ہیں' آپ کے جسم میں ایسی ایسی جگہیں دریافت کر لیں گے کہ جن سے آپ خود بھی ابھی تک واقف نہیں ہوئے ہوں گے۔

اس عالم یلغاری میں اگر آپ نے کہیں نہ معلوم انداز میں بھی یہ سوچ لیا کہ ان کم بختوں سے نمٹا جائے تو یقین جانیے اگلے ہی لمحے وہ یوں غائب یا چھپ جائیں گے جیسے ان کا کبھی وجود ہی نہ تھا۔ آپ اپنے تئیں ششدر رہ جائیں گے کہ ابھی تو میں نے مشکل سے ارادہ ہی باندھا تھا' انہیں کیونکر خبر ہو گئی؟...... اسی اثنا اگر آپ نے اپنی خجالت مٹانے کی غرض سے ہشیار بننے کی کوشش یا کوئی لپک جھپک کی تو یاد رہے کہ وہ کبھی آپ کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ وہ ماہر فنون بازیگروں کی طرح آپ کو دائیں بائیں جھکولے جھانکے دیتے ہوئے یہ جا وہ جا...... یا کبھی کوئی مقدر کا پٹا یا تربیت کا کچا آپ کے ہتھے چڑھ بھی گیا تو وہ مال غنیمت' بطور من و سلویٰ

[illegible] میں پہنچ جاتا۔

اسی طرح سارا دن' سب مسافر اک دُوجے کی دیکھا دیکھی' ضرورتاً' اتفاقاً' [illegible]' احتجاجاً' شرماشرمی' [illegible] کے طور کیکڑے گرفت کرتے تھے۔ ادھر مقامی لوگ اس بے ضرر' بے حد پھرتیلے ہوشیار اور کمیاتی [illegible] اجزا والے کیکڑے کو یہاں کی صحرائی دیہاتی زبان میں اتھوغ کہتے ہیں۔ یہاں صحرا ریگزار میں [illegible] ڈاکٹر کہاں' لہٰذا یہاں کے لوگ جسمانی خلجانی کمزوری' قوتِ باہ' جلدی بیماریاں' سانپ' بچھو' گوہ کے [illegible] پیٹ کی خرابی' آنتوں کی جلن' سوزش' بڑھی ہوئی تلی' گُردوں کی پتھری' گلپھڑے اور پیٹھ کی آنت کا [illegible]—— غرضیکہ ہر ظاہری باطنی بیماری کا آخری شافی علاج یہی نادرِ روزگار اتھوغ تھا۔

کئی عشروں پہ محیط صحرائی سفر نے مجھے کچھ کُملا بنا دیا ہوا تھا...... میری جسمانی' ذہنی' اخلاقی اور مالی حالت [illegible] بے نمک پتلی ہو چکی تھی...... قوت بخش غذا' صاف [illegible] پانی کی کمی' مسلسل بے آرامی' لگاتار سفر' موسموں [illegible] سختیوں اور صحرا کی بدمزگی نے مجھے خاصا چڑچڑا اور خود سے بیزار سا کر دیا ہوا تھا۔ مگر یہاں' بیزاروں' [illegible] مفلسوں اور قلاشوں کی جنت میں پہنچتے ہی میں اپنے آپ میں خاصی تبدیلی محسوس کرنے لگا تھا۔ میری [illegible] شدہ توانائی' چہرے کی اُڑی ہوئی شادابی' یادداشت وغیرہ واپس لوٹنا شروع ہو چکی تھی۔ جبکہ [illegible] صورت [illegible] کچھ فرق تھا [illegible] کے مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کا باہمی سلوک و اتفاق اور تمی حراروں سے لبریز صحرائی [illegible] والے [illegible]یت سے بھرپور ثرید کا تھا...... چوپایوں کے چارے والے جو چند باسی بچی کچی صحرائی پیاز کی گانٹھیں' [illegible] جڑیں' زیتون کا کچا پکا پھل اور تیل اگر میسر ہو تو...... ورنہ دریافت ہونے والے تمام وٹامنوں کی [illegible] سے بھرپور اتھوغ کیکڑے تو تھے ہی...... کچھ بھی سمندری نمک' مرچ یا وہ ہر چیز جو میسر ہو جائے [illegible] یا حیوان کے کھانے چکھنے کے قابل ہو...... اپنی تمام تر افادیت اور غذائی اعتبار سے بھرپور یہ ثرید یقیناً [illegible] غیر مترقبہ تھا۔ اس کے باوجود اصل مسئلہ اس کا نگلنا' کھانا یا اس کا پینا تھا...... ٹھوس اجناس' ریشہ دار [illegible] سبزیاں اور عمر رسیدہ کیکڑے اگر وافر ہوتے اور پانی مقدار میں کم ہوتا یا دیگچے کے نیچے تاؤ تیز ہوتا تو ثرید [illegible] کے بوگنگے کے کیچڑے کی طرح ہوتا...... جسے باقرگنج کی بنگالیوں کی طرح لڈو بٹ کر بہ دقت نگلا [illegible]—— اور اگر ہلکی آنچ' لکڑی کے کفگیرے کے مسلسل ہلاؤ' جانوروں والے جو کم' پانی ہلکا اور بہاؤ میں زیادہ [illegible] سبزیاں ترکاریاں ہفتوں عشروں کی باسی ٹھہرتیں' خرچنگ کیکڑے کم اور دوندے سے ہوتے [illegible] صورت ثرید بالرغبت کھایا جا سکتا تھا...... بالفرض اگر دیگچہ پانی سے پُر ہے۔ لوبیا' دالیں اور جو وغیرہ [illegible] میں حکیم ارشد والی کی طرح قلیل ہیں' کیکڑوں کی پیدائش میں کمی ہے یا ابھی کمسن ہیں ماؤں کی

گودیں چھوڑنے کے لائق نہیں...... ترکاریوں میں تری کی ترتراہٹ ختم ہو گئی ہے اور اُدھر دیگچوں کے پیندے خشک لوکیوں کی تڑی مڑی بیلیں، مصری تربوزوں کے ادھ خشک چھلکے...... پرانے ریڈ سول اور سیاحوں کے سفرناموں کے بیکار مسودے جل بجھ چکے تو جانیں کہ ایسا ثرید محض پیا ہی جا سکتا ہے...... جو بے انتہا مقوی اور خوب خواب آور ہے۔ ایسا ثرید پینے کے بعد میں نے سلیمان اینڈ سنز، دو چار پرانے رہنے والوں کے علاوہ کسی اور کو آرام سے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا...... ہر بندہ پاجامہ تھامے باہر بھاگتا دکھائی دیا...... جن میں، میں خود بھی شامل ہوتا...... گو میں بھی اسی قبیلہ بیکاراں، نادر روزگاراں میں شامل تھا جن کا کام ہی ریگ یا بوسیدہ قالین پہ پڑے رہنا تھا کیونکہ نہ تو ادھر آنے کی دعوت تھی اور نہ ہی یہاں سے جانے کا تقاضا تھا۔

بنی اسرائیل کے لئے من و سلویٰ خاص طور پہ آسمان سے اُترتا تھا لیکن یہاں اس قبیلۂ آوارہ گرداں کا من و سلویٰ جیسے شش جہت عالم سے بھجوایا جاتا تھا۔ خود رو اور قسم قسم کی گھاس پھونس اور ترکاریاں انہیں ادھر اُدھر صحرا سے مل جاتی تھیں۔ آسمان سے پانی جو کبھی کبھار باندازِ بارش ان کے قدیمی حوض نما تالاب تک پہنچ جاتا۔ ہر صبح پانچ چھ نکمّے مل کر خالی کنستر لئے دُور ساحل تک جاتے اور جو کچھ بھی ماہی گیر، سمگلر اور سمندر، ساحل پہ انڈیل جاتے یہ لوگ اسے گٹھڑیوں میں باندھ لاتے۔

یہاں [illegible] میں پہ رات کے اندھیروں میں انسانوں کو سمگل کرنے والوں اور غیر قانونی ماہی گیری کرنے والوں کی کشتیاں اور چھوٹے بجرے اپنی کاروائیاں عملاً کرتے تھے...... کئی بار یوں بھی ہوا کہ دس جتنے یہاں سے وہاں گئے...... واپس چھ آئے یا آٹھ گئے اٹھارہ آئے۔ بے وزیری کی بات یہ کہ کوئی کسی کے جانے یا آنے کی بابت دریافت کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا...... کبھی کبھی گلی سڑی بدبو دار مچھلیاں بھی مل جاتیں...... جن کی سڑاند بدبو دار بدذائقی کو زیتون کے بار بار استعمال ہونے والے تیل میں بھون کر دُور کیا جاتا...... ساحل سے اُٹھا کر لائے جانے والے مالِ خیرات سے بعض اوقات بڑے کام کی چیزیں بھی دستیاب ہو جاتیں...... پرانے جوتے، چمڑے، کینوس کی جیکٹیں، رسّے اور رسیوں کے ٹکڑے۔ شراب بیئر کی خالی بوتلیں، سگریٹ سگار کے ادھ جلے ٹکڑے، کھانے پینے کا فاضل اور باسی سامان...... مچھلیاں پکڑنے کے پرانے جال، ٹوپیاں، لکڑی لوہے کا کاٹھ کباڑ اور کبھی کبھی تو ان لوگوں کے وارے نیارے بھی ہو جاتے...... روپے پیسے، گھڑیاں اور سونے چاندی کے سکے، ڈلیاں بھی ہاتھ لگ جاتیں۔ جعلی پاسپورٹ، جعلی کرنسی، مرے سڑے لوگ بھی دیکھے پائے جاتے

وہاں سے لائے جانے والے سامان کو من و عن سلیمان اخی کے سپرد کر دیا جاتا...... وہ کمال مہارت سے اس سامان سے ایک ایک چیز الگ کرتا...... ثرید کا سامان الگ، ایندھن کے لئے استعمال ہونے والا الگ

بیچنے والی چیزیں ایک طرف...... اس کے اپنے لئے اور لڑکوں کے لئے جوتے کپڑے ٹوپیاں الگ...... باقی سامان وہ حسبِ ضرورت یہاں کے فقیروں میں بانٹ دیتا...... بالکل اسی طرح مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے ان انٹرنیشنل مفتوں کے لئے سامانِ ثرید و چشید' لباس فاخرہ و عاجزہ' پیزار فرنگ و کلاہ ملنگ' پہنچے رہتے...... میں بھی انہی سا ایک بین الاقوامی مفتوڑا تھا۔ مفت خوری' مفت سفری' مفت بسری' مفت حشری اور مفت نشری کے سامان کھابے کھاتے' مجاہیں' جلوتیں' خلوتیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر ڈھونڈا کرتا تھا۔ وہ کیا زمانے تھے گردش میں پیمانے تھے۔ از حد جذب و برداشت کا یارا تھا۔ رگوں میں خون نہ تھا پارا تھا' صبح کہیں شام کہیں' نہ ٹھکانہ تھا نہ آرام کہیں۔ اک سودا سوار تھا سر پہ' ایک قدم بحر میں اک بر پہ۔ کچھ جاننے کا لپکا تھا' دنیا جہاں دیکھنے کا چسکا تھا۔

● دمشق' دمِ عشق......!

شام کے دمشق سے پرے میں ایک شام گولان کی پہاڑی سلسلے میں واقع ہابیل کے مزار کے باہر ایک ٹیکسی سے پہنچا۔ مغرب کی اذان کا انتظار ہو رہا تھا۔ چبوترے پہ بچھی دو چٹائیوں' رحل پہ قرآن پاک اور تسبیحوں کی موجودگی سے پتہ چلتا تھا یہ جگہ نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص ہے۔ میرے علاوہ میرے ساتھ ٹیکسی ڈرائیور اور ایک فقیرانہ قسم کا گائیڈ بھی تھا...... جسے میں محض انگلش شلنگوں اور ڈالروں کا لالچ دے کر ساتھ لایا تھا...... چند منٹ گزرے ہوں گے کہ دو باوردی فوجی بھی آ گئے' دونوں باریش اور بھلے سے انسان تھے' بعد میں معلوم ہوا وہ دونوں شامی فوج کے سپاہی ہیں جو اسی پہاڑی پہ یہودی فوج کے سامنے پوزیشن لئے ہوئے پڑی ہے...... ہم سب نے اکٹھے نماز مغرب ادا کی...... سورج اوجھل ہو چکا تھا' شام کے ملگجے میں ہم نے واپسی کی ٹھانی...... ٹیکسی میں بیٹھ چکے تھے تو اچانک ایک عجیب سی ہیئت کذائی والا خمیدہ کمر بوڑھا' سرمئی سی عبا' ہاتھ میں لمبی سی تسبیح لئے مزار کی اوٹ سے ظاہر ہوا۔ ٹیکسی ڈرائیور اسے دیکھتے ہی عجلت میں گاڑی سے باہر نکلا' تیز خراماں آگے بڑھ کر بڑی عقیدت سے ہاتھ چومتے ہوئے بڑی تیزی سے عربی میں گفتگو کرنے لگا...... پچھلی سیٹ پہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا گائیڈ بھی باہر نکلنے لگا تو میں نے اسے روکتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بزرگ کون ہیں؟"

وہ بیوقوف' میری بات سنی ان سنی کرتا ہوا' ہاتھ چھڑا کر باہر نکل گیا...... اس نے بھی وہی کچھ کیا جو ڈرائیور کر چکا تھا۔ وہ تینوں آپس میں بڑے انہماک و عقیدت سے بات چیت میں مصروف تھے۔ میں دیکھ رہا

تھا کہ وہ دونوں سروں کو خم کئے، نگاہیں رُوبرو رکھے، دایاں ہاتھ دل پہ ٹکائے اُن بزرگ کے ہر جنبش
طیب طیب، مرحبا مرحبا کہے جا رہے ہیں۔

ظاہر ہے اب میری باری تھی۔ میں گاڑی سے نیچے اُتر آیا۔ مجھے نیچے اُترتے دیکھ کر وہ تینوں گاڑی کی جانب آ گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر بڑی عاجزی سے سلام کیا...... حسبِ رواج و روایات انہوں نے
فرمایا میرے گال پہ بوسہ ثبت کیا اور میرا حال احوال پوچھا...... اب میرے ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ سے کہا کہ میں اجازت دوں تو ان بزرگ کو ساتھ بٹھا لیں...... اُن کا گاؤں کہیں قریب ہی تھا۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا بلکہ میں نے فوراً اگلا دروازہ کھول کر انہیں سیٹ پہ بیٹھنے میں مدد دی۔ اُن بزرگ نے بڑی شفقت اور میٹھی سی مُسکراہٹ سے مجھے آفرین کہا۔

گاڑی چل دی تو انہوں نے گائیڈ کے وسیلے سے مجھ سے بات چیت شروع کر دی۔ وہ عربی میں مخاطب تھے۔ گائیڈ انگریزی میں ترجمہ کر کے ہم دونوں کی مشکل حل کر رہا تھا...... میں نے محسوس کیا کہ میرے متعلق جب آگاہ ہوتے تو بہ وقت پلٹ کر میری جانب تحسین و آفرین بھری نظروں سے دیکھتے خاص طور پر پاکستان اور میرا سیاحت کا شوق...... اُس عمر میں علوم سیکھنے کا جنون وغیرہ ان سب باتوں انہوں نے بڑ [illegible] اور [illegible] یوں مگن رہے کہ پتہ بھی نہ چلا اُن کے گاؤں پہنچ گئے۔ گاؤں کیا تھا چند معمولی سے گھر، چھوٹی سی مسجد اور شاید ایک مدرسہ بھی تھا...... پہاڑی شاہراہ کے کنارے پہ چند گھروندے پرانے کھجوروں کے درخت ایک مخروطی سے مینار والی چھوٹی سی مسجد...... چند معصوم سے بچے بھی دکھائی دیئے...... ٹخنوں تک اُترتی جھول عبائیں اور سروں پہ کپڑے کی گول گول ٹوپیاں۔

شام کے سائے اب خاصے گہرے ہو چکے تھے...... گاڑی رُکتے ہی بچے تیز تیز کلام کرتے ہوئے قریب آ کر خوشی کا اظہار کرنے لگے۔ ان بزرگ سے پہلے ہم تینوں نیچے اُتر چکے تھے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔ وہ اپنی عبا اور قبا سنبھالتے ہوئے نیچے اُترے، دکھائی دیتا تھا وہ اب عمر اور تقدس و تدبر کے اس مقام پہ پہنچ چکے ہیں جہاں موجود سفر تمام ہونے کو اور اگلے سفر کے مشورے ہو رہے ہوتے ہیں...... تھکاوٹ اور نقاہت صاف چہرے پہ عیاں تھی۔ مگر کیا مجال جو مزاج کی شگفتگی اور طبیعت کی بذلہ سنجی میں کہیں جھول پڑا دکھائی دیا ہو میں سب سے پیچھے سر ڈالے کھڑا تھا، میری جانب مُڑ کر دیکھا پھر میرے قریب آئے، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سامنے مسجد کی جانب ہو لئے...... ڈرائیور اور گائیڈ بھی پیچھے پیچھے سایوں کی طرح جڑے ہوئے چل رہے تھے۔ چلتے چلتے اچانک بزرگ نے تیز تیز عربی میں کچھ بچوں سے کہا بچے طیب طیب کہتے بھاگتے ہوئے

گھر میں گھس گئے۔

اونٹوں کے بالوں کے نمدے پہ معمولی سا پرانا قالین بچھا ہوا تھا...... چبوترے کے گرد گھٹنوں کی اونچائی تک ریت کے بلاکوں کی دیوار تھی...... قبلہ رخ انہی ریت کے بلاکوں کا منبر و محراب...... لکڑی کی ایک [illegible] کی الماری، جس میں کچھ پرانی سی کتابیں تسبیحیں اور مصحف پاک پڑے ہوئے تھے...... اللہ اللہ کیا اللہ کا گھر تھا؟...... زرق برق نہ کوئی چکا چوند...... یہاں اخلاص ہی اخلاص تھا بندوں میں، مسجد میں اور اعمال میں...... تب بزرگ نے گائیڈ کی وساطت سے کہا۔

”اس مختصر راستے میں چونکہ میرا غریب خانہ پڑتا ہے۔ لہٰذا لازم تھا کہ میں آپ کی اپنی حیثیت کے مطابق مدارات کروں اور ویسے بھی آپ ہمارے پاکستانی مسلمان بھائی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے یہ سعادت بخشیں گے۔“ وہ سینے پہ دل کی جگہ ہاتھ رکھے بڑے عجز سے یہ بات کہہ رہے تھے۔

میں اُن کے گھٹنوں کی عمر کا بے سروپا مجہول سا نوجوان، اُن کی شفقت عجز و انکسار کے آگے بکری کی طرح ممیں ممیں کرنے لگا...... اب باقاعدہ بات چیت شروع ہو چکی تھی۔ گو باہمی دو طرفہ ترجمے سے رابطہ گفتگو میں تھوڑی بدمزگی در آتی تھی، بہرحال یہ مجبوری تھی...... انہوں نے میرے متعلق جب کچھ دریافت کیا۔ [illegible] اصل مسئلے [illegible] انہوں نے گفتگو روک دی شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ ان کے گھر سے ما حضر پہنچ چکا تھا...... تنوری موٹی روٹیاں، شوربہ...... پنیر کے قتلے، سرکہ، زیتون کا پھل اور فنجان میں قہوہ...... کیا سادگی، ایسی لذت [illegible] پیٹ بھر کر کھانا کھایا بعد [illegible] کل جمعہ کا روز ہے...... اگر چاہو [illegible] آسانی سے آسکو تو جمعہ کی نماز میرے ساتھ ہی اوپر مزار پہ پڑھ لینا...... پھر میرا ہاتھ ہلکا سا دبا کر کہا...... اور کچھ تمہارے پسندیدہ موضوع پہ گفتگو بھی ہوگی۔ جس سے تم یقیناً مسرور ہو گے...... پھر رخصت کرتے ہوئے مزید ارشاد ہوا، اگر چاہو تو میرا پوتا تمہیں دمشق سے اپنی موٹر سائیکل پہ بٹھا لائے گا...... ٹیکسی یا گائیڈ ساتھ لانے کی ضرورت نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ جہاں گردوں کے پاس صرف تجسس اور جنون ہوتا ہے۔ پیسے اور آسودگیاں نہیں ہوتیں۔

اُن سے رخصت کا مصافحہ کرتے سمے میں نے شدت سے محسوس کیا کہ جیسے میرے جنون، تجسس، تشنگی اور میرے تصور، تصرف کا بہت سا تحفظ ان کے پاس ہے...... مزار پہ پہلی ملاقات سے اب تک میں عجیب سی وارفتگی و شیفتگی کی حالت میں تھا...... ڈرائیور کو شاید واپسی کی عجلت تھی۔ وہ خطرناک پہاڑی راستوں پہ بڑی مہارت اور تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ دائیں بائیں اوپر نیچے کی جھلکوں سے بڑا لطف آ رہا تھا...... میرے ساتھ والی سیٹ خالی تھی...... پچھلے سفر میں اس سیٹ پہ بزرگ بیٹھے تھے لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا

کہ وہ اب بھی وہیں بیٹھے ہیں...... گاڑی کے اندر اب بھی وہی سنجیدہ ماحول' وہی مہک خوشبو محسوس ہو رہی تھی۔

کہتے ہیں عورتیں اور عربی کہیں بھی بیٹھے ہوں وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتے۔ عورتیں کُتر کُتر اپنے منہ کے سروتے سے باتوں' چغلیوں کی چھالیاں کاٹتی رہتی ہیں۔ اسی طرح عربی النسل کہیں بھی ہوں اپنی بڑ بڑ شروع ہی رکھتے ہیں۔ موضوعات کی ان کے ہاں کمی نہیں ہوتی۔ گھوڑے' نغمے' امریکی' نئی نئی گاڑیاں نئی نئی شادیاں' تیراکی کے تالاب' جینا لولو' صوفیہ لورین' ام کلثوم' ریکھا' ہیلن' باز' شکرے' موسم وغیرہ وغیرہ موقع کوئی بھی ہو وُہ بلا تکان بولتے چلے جائیں گے...... حیرت ہوتی ہے کہ اعراب نکالتے وقت جس تیزی اور مہارت سے وہ اپنے حلقوم اور زبان تالو کا استعمال کرتے ہیں ایسا اگر کوئی عجمی کرنا چاہے تو یا اس کے حلق بیٹھ جائے گا...... تالو پہ تھگا لگے گا یا پھر اس کی زبان ٹوٹ جائے گی...... حیرت کا مقام تھا کہ یہ عربی النسل خاموش تھے اور میں بھی ان کی خاموشی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری یکسوئی سے ان بزرگ کے بارے میں اپنے اندر باہر کے سارے اندازے' قیافے' قیاسے ٹٹول رہا تھا۔ خاص طور پہ اُن کی کنائیے میں کہی ہوئی یہ بات بڑی تسکین افروز تھی کہ "تمہارے پسندیدہ موضوع پہ گفتگو بھی ہوگی" میرا ان سے ملنے کا اشتیاق دوچند ہو چکا تھا۔ اچانک میں نے خاموشی کے پُرسکوت تالاب میں ایک کنکری پھینکی۔

"قاسم! مجھے کچھ ان بزرگ کے بارے بتاؤ؟"

میرے سامنے بیٹھا ہوا میرا گائیڈ جسے میں پانچ شلنگ' دو ڈبیاں انگلش سگریٹ اور ضرورت کے مطابق کھانے پینے کے معاوضہ پہ ساتھ لایا تھا...... میرے سوال سے اچانک یوں چونکا جیسے میں نے پوچھا ہو مجھے کچھ اپنی بیوی کے بارے میں بتاؤ۔ وہ منہ پھاڑ کیے میری اور خالی خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"بھائی! میری طرف یوں کیوں دیکھ رہے ہو۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ مجھے ان بزرگ کے کچھ معلومات بہم پہنچاؤ...... ان کا نام' کام اور اگر کوئی کاروبار ہو تو وہ بھی......؟"

اس کی بجائے ڈرائیور نے جواب دیا۔

"ان بزرگ کا نام ابوطلحہ یمانی ہے۔ ان کا تعلق اس خاندان سے ہے جو صدیوں سے حضرت قابیل کے مزارات کی مجاورت سنبھالے ہوئے ہے...... یہ بزرگ یہاں کے کلید بردار بھی ہیں...... تم تو جانتے ہو گے کہ کلید بردار ہونا بذاتِ خود ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ حکومت کی جانب بڑی خاص مراعات ہوتی ہیں...... اس کے علاوہ یہ اپنی ذاتی حیثیت میں بھی بڑی قابلِ قدر اور پہنچی ہوئی شخصیت ہیں

[illegible] عمر عزیز زہد و تقویٰ، تبلیغ و تدریس اور مراقبات و عبادات میں گزری ہے۔۔۔۔۔۔ اس علاقے میں [illegible] ان کی بڑی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔۔۔۔۔۔ اور کچھ پوچھنا چاہو تو پوچھ سکتے ہو۔"

ایک جست سے موڑ پہ ڈرائیور نے گاڑی کی رفتار سست کرتے ہوئے پھر خود ہی کہنا شروع کیا۔

"ان بزرگ کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ صاحب کشف ہیں۔ مراقبۂ القبر بھی کرتے [illegible]"

میں کان کھڑے کئے، آنکھیں پھیلائے اس کی ایک ایک بات پہ دھیان دیے ہوئے تھا۔۔۔۔۔۔ لیکن [illegible] گویا ہوا۔

"سنا ہے کہ پیغمبروں کے وقتوں کے کئی جنات بھی ان کے پاس آتے ہیں۔۔۔۔۔۔ تم نے دیکھا نہیں وہ [illegible] مہربان سے جن ہی دکھائی دیتے ہیں۔۔۔ میں اکثر یہاں [illegible] اور سیاح لے کر آتا ہوں۔ ان [illegible] اور صحبت سے فیض یاب ہوتا رہتا ہوں مگر آج ان کی ایک عجیب سی کیفیت دیکھی جو اس سے قبل [illegible]۔۔۔۔۔۔ میں نے انہیں آج تک کسی کی ایسی پذیرائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا جیسی انہوں نے [illegible] میں تو ابھی تک اس بات پہ حیران ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ کیسی شفقت و مدارات سے پیش آ [illegible] اپنے ہاتھ سے [illegible] اور بوسہ دیا۔۔۔۔۔۔ مجھے تو لگتا ہے کہ تم بھی کوئی پہنچی ہوئی ہستی ہو۔ تب ہی تو انہوں نے تمہیں [illegible] اپنے ساتھ [illegible] کی نماز پڑھنے کے لئے بلایا ہے۔۔۔۔۔۔ اور پھر یہ کہ کل وہ اپنے پوتے کو خاص طور پہ [illegible] کے لئے بھیج رہے ہیں۔"

اس سے پہلے کہ میں اس کی ان باتوں کا کوئی جواب دیتا ہم شہر کی حدود میں داخل ہو چکے تھے اور [illegible] ٹیکسی چیک پوسٹ پہ رک چکی تھی۔۔۔۔۔۔ اگلے پندرہ منٹ میرے فندق تک پہنچنے میں صرف ہوئے۔۔۔۔۔۔ [illegible] رخصت ہوتے سمے ان دونوں نے بڑی عقیدت سے میرے ہاتھوں پہ بوسہ دیا تھا۔

[illegible] رات بھی میرے لئے بڑے بڑے عجائبات لئے ہوئے تھی۔ کھانا تو میں کھا کر آیا تھا۔ بستر [illegible] سے پیشتر میں نے قہوہ منگوایا۔۔۔۔۔۔ تربوز کے بھنے ہوئے بیج طشتری بھر سامنے رکھ لئے۔۔۔۔۔۔ یہ تربوز اور [illegible] کے بھنے ہوئے بیج کھانا بھی بڑا سودمند مشغلہ ہے۔۔۔۔۔۔ ادھ کھلے چھلکے سے خاکستری، نیم نمکین، ہلکے پھلکے۔ [illegible] سے بیج کے ساتھ روغنِ زیتون میں بھونا جاتا ہے۔ اس طرح یہ بے حد مزیدار، خستہ اور قوت بخش ہو جاتے ہیں۔ عربوں میں بے کاری، وقت گزاری، وافر الفرصتی، وقفۂ انتظار یا غم اور خوشی کے لمحات میں تمباکو نوشی

اور تخم خوری سے بہتر اور کوئی شغل نہیں ہوتا...... ثمیر و بیر‘ صغیر و کبیر‘ غریب و امیر‘ اسی تمباکو و تخم کے اسیر ہوتے ہیں۔ شیشہ نوشی (حقہ پینا) تو بہ توبہ بڑی قبیح علت ہے مگر یہ تخم نوشی بڑا سود مند مشغلہ ہے...... کام کا کام‘ بعد طعام...... خالی خولی منہ باندھ کر پڑے رہنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ صحت اور جبڑا پرور بیج ٹھکورتے رہیے۔ کام کا کام‘ گٹھلیوں کے دام۔

مجھے یہ بیج کھانے سے بے پناہ رغبت رہی‘ مگر ایک قباحت بھی واضح ہے کہ آپ یہ شغل صرف خطۂ عرب میں ہی سر انجام دیں تو مناسب ہے جیسے چپل کباب کھانے کا حقیقی لطف صرف اور صرف صوبہ سرحد میں ہے...... سرحد سے دو قدم باہر نکل آئیں تو یہ چربیلے‘ مرچیلے‘ چڑچڑیلے‘ زہریلے‘ سنڈیلے کباب‘ کباب نہیں اک عذاب بن کر آپ کے پیٹ میں جہنم دہکا دیتے ہیں۔ پیڑوں کی لسی‘ کھدیں پائے‘ کلچے‘ پٹھورے...... اور رہو...... حلیم اور نہاری...... نمکین [illegible] کا تک...... چاٹ اور گول گپے۔ یہ نعمتیں صرف لاہور کی حدود میں ہی لطف اور اپنا ذائقہ برقرار رکھتی ہیں۔ تجربہ کرنا ہو تو ان کھابوں کو بندھوا کر اپنے ساتھ لے لیں اور راوی کا پل پار کر جائیں‘ کہیں [illegible] کھولیں‘ کھائیں...... آپ واضح طور پہ محسوس کریں گے کہ اب نہ تو وہ ذائقہ ہے نہ مزہ اور نہ وہ اشتہا آور خوشبو۔ میں نے کئی مرتبہ عربی سوڈانی قہوہ [illegible] مگر وہ لطف اور خوشبو نہ [illegible] اور خوشبو کا تعلق علاقے سے بھی ہوتا ہے۔

بات ہو رہی تھی کہ پورا عالم عرب اربوں‘ ریالوں‘ دیناروں کے قیمتی [illegible] سگریٹ‘ روسٹڈ کاجو‘ پستہ بادام وغیرہ محض تفریح طبع‘ وقت گزاری کے لیے کھائے جاتے ہیں۔

اس وقت میں بھی دمشق کے ایک ادنیٰ سے ہوٹل میں نیم دراز سا پڑا یہ خربوز‘ تربوز اور ککڑی کے ملے جلے روسٹڈ بیج ٹونگ رہا تھا۔ سارے دن کی آوارہ گردی‘ پہاڑوں کی اترائی چڑھائی‘ جسم تھک کر چور ہو کر رہ گئے تھے...... کچھ دیر پہلے قہوہ پیا تھا اس سے پہلے دو ٹکیاں پیناڈول کی تھیں اب میں پاؤں پھیلائے جسم ڈھیلا چھوڑے خالی الذہن ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا...... لاکھ جتن کے باوجود میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان بزرگ مشفق کی صورت اپنی آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹا سکا۔ تقدس مآب نورانی سا چہرہ...... کشادہ مہربان سی آنکھیں‘ سپید خوبصورت سی ریش...... ملکوتی لہجہ‘ کچ کچ انگلیوں‘ پتلے پتلے سرخ ہونٹوں سے بنا بنا کر افہام و تفہیم کا اچھوتا انداز...... موٹے سادہ سے کپڑے کی قبا‘ سر پہ دستارِ فضیلت...... موٹا سا عصا اور سیاہ عقیق کی تسبیح...... واقعی وہ کوئی ملکوتی مخلوق جان پڑتے تھے۔ آج انہوں نے جو میرے ساتھ انتہائی مشفقانہ سلوک کیا تھا وہ میرے لیے کچھ ناقابلِ فہم بھی تھا۔ میں ایک عام سا آوارہ گرد بندہ‘ جاہل سا گندہ‘ بات کا تہ

[illegible] عالم نہ فاضل، بھلا اُن کے کس کام میں...... سوچنے لگا یہاں تو بڑے بڑے اجل فاضل حاضری [illegible] گے۔ باکمل قابل کے مزارات کے متولی جو ٹھہرے کیا کلام جو جنات، ولی قطب بھی آتے ہوں۔ [illegible] اور یہ بن و بیزار کی حالت و صورت سے میری ظاہری باطنی حالت مترشح تھی...... آخر اس [illegible] کو ایسی اہمیت و محبت دینے کی کوئی وجہ؟ اس سرگشتگی و سرگردی میں رات کے کسی پہر آخر کہیں آنکھ لگ [illegible]

صبح نو بجے کے آس پاس ٹیلیفون کی کرخت اور مسلسل گھنٹی نے مجھے گہری نیند سے اُچاٹ کر دیا تھا۔ [illegible] کوئی انگریزی میں گڈ مارننگ کہہ کر اس وقت ڈسٹرب کرنے پہ معذرت چاہنے لگا۔ آنکھوں میں [illegible] دماغ کچھ سویا ہوا کچھ جاگا ہوا ایسے میں کچھ جان نہ پایا کہ ایسی شستہ انگریزی بولنے والا میرا [illegible] ہوسکتا ہے جبکہ اس ہوٹل کا نمبر بھی میں نے کسی کو نہیں دیا تھا۔ پیشتر کہ میں کچھ اُلٹا سیدھا جواب [illegible] سے پھر سلسلۂ کلام شروع ہوگیا۔

[illegible] نام نبیل یمانی ہے مجھے اپنے عزت مآب دادا سے ہدایات ملی ہیں کہ میں آپ سے رابطہ [illegible] دت حاصل [illegible]

[illegible] ذہن پہ چھائی ہوئی دھند چھٹ چکی تھی پھر یکبارگی کوندا سا لپکا۔ تقدس مآب بزرگ کا [illegible] میری آنکھوں کے سامنے جگمگا اُٹھا۔ میں اپنی بوکھلاہٹ پہ قابو پاتے ہوئے بمشکل کہہ سکا۔

"محترم! میں بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے [illegible] کل آپ کے جلیل القدر دادا سے [illegible] حاصل ہوا تھا اور آج اُن کے حوالے سے آپ سے ملاقات بھی میرے لئے باعث صد افتخار و انبساط [illegible] آپ کب تشریف لائیں گے؟"

[illegible] سے بھی ایسی ہی شگفتگی و شائستگی سے جواب ملا۔

"میں انشاء اللہ ٹھیک پونے بارہ بجے ہوٹل کے نیچے پہنچ جاؤں گا...... مجھے اور میری مشین بائیک کو [illegible] میں آپ کو شمہ بھر تردد نہیں ہوگا کیونکہ ہم دونوں کا اس شہر خوباں میں جواب نہیں...... اور ہاں ظہرانہ [illegible] جان کے ساتھ ہوگا۔" پھر سرگوشی کے سے انداز میں بولا۔ "میں بھی ذرا آج آپ کے ساتھ [illegible] کے مرغن پارچے اُڑا لوں گا۔ اوکے بائے بائے!"

[illegible] یہ کیا چیز تھا؟ ہم مرشد تھے یہ ولی نکلا۔ ایسا تیکھا بے تکلف مگر باتمیز، شیکسپیرین سٹائل کی انگلش [illegible] اب میرے اعصاب پہ دادا کے ساتھ پوتا بھی سوار ہو چکا تھا۔

عربی' پٹھان اور سکھ' چاہے ساری زندگی میامی' پیرس' لندن' ٹرانٹو یا نیویارک میں بسر کردیں وہی عربی' پٹھان اور سکھ ہی ہیں۔ اپنا موروثی لب ولہجہ اور طرزِ حیات نہیں بدلتے۔ نبیل یمانی' ظاہر ہے فضیلت مآب بزرگ کا پوتا تھا اور وہ بزرگ سوائے عربی کسی اور زبان سے نابلد تھے۔ اب اس نادیدہ لہجہ کہیں بھی اس کے شامی ہونے کی چغلی نہیں کھاتا تھا...... میرے دل میں آیا ممکن ہے اُن بزرگ کسی غیر ملکی ماں کے بطن سے ہو اور اس کی تعلیم و تربیت کہیں یورپ وغیرہ ہوئی ہو۔ بہرحال' اب میں تقدس کے چنگل سے نکل کر پوتے کی پُرلطف شخصیت کے منگل میں گم ہو چکا تھا۔

ہوٹل کی تیسری منزل پہ میرا کمرا' اس کے عین صدر دروازے کے اوپر تھا۔ کمرے کی دونوں کھڑ باہر سڑک کی جانب کھلتی تھیں۔ نہایا دھویا کپڑے تبدیل کئے' ہلکا سا ناشتہ لیا...... بارہ بجنے میں پانچ منٹ تھے کہ میں نے کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا...... اگر عجیب وغریب موٹر سائیکل وہاں نہ ہوتی تو سمجھتا کہ کوئی ڈیٹ نوسر باز قسم کا دو نمبر گھڑیاں' پرفیوم' فاؤنٹین پن بیچنے والا مجمع لگائے دوکانداری کر رہا ہے...... موٹر بائیک جہازی سیٹ سے کہنی جمائے' گھٹنے پہ گھٹنا چڑھائے وہ یوں کھڑا تھا جیسے گینڈے ہاتھی وغیرہ شکار کرنے مستند یا [illegible] آنکھیں کر اس [illegible] وجود [illegible] رہے تھے جیسے وہ موٹر بائیک نہ ہو کوئی اُڑن طشتری ہو اور ابھی ابھی کسی سے گر کر [illegible] پڑی ہو...... امریکن ہیروز کی طرح لمبا قد' چھریرا بدن' مضبوط جبڑا...... لائٹ بلیو جین ہوئے تھا۔ شرٹ بھی [illegible] کی تھی...... آنکھوں پہ گاگل چڑھی ہوئی تھی...... [illegible] میں اوپر سے آنکھیں اُن کا رنگ نہ دیکھ سکا۔

یہ خصوصی طور پہ بنی ہوئی موٹر مشینیں جو زیادہ تر ہینڈ میڈ ہوتی ہیں یا پھر محدود تعداد میں سپیشل ایڈ صورت میں مخصوص آرڈر پہ شوقین لوگوں کے لئے تیار ہوتی ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں ان کا بڑا کریز ہے ان ممالک کے بڑے بڑے موٹر ویز پہ اگر آپ سفر کر رہے ہوں دیکھیں گے کہ آپ کی بغل سے شوں اک اُڑن طشتری سی نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی آنکھوں کے سامنے پیش منظر میں نقطہ بن ہو گئی ہے۔ جس طرح فل سپورٹس کار میں ڈرائیور قریب قریب لیٹ کر ڈرائیو کرتا ہے اسی طرح اس سپیڈ بھی قریب قریب رکوع کی حالت میں بیٹھ کر ڈرائیو کیا جاتا ہے۔ ڈرائیور کا لباس اگر آپ ملاحظہ کریں سکتے ہیں یہ بندہ کسی خلائی جہاز پہ جانے کی تیاری میں نکلا ہوا ہے...... اس کا ڈرائیور بھی گوشت پوست کی ہیوی ڈیوٹی مشین کی مانند ہی ہوتا ہے۔ اس مشین کو ابنارملی میں ڈرائیو کرنے والے زیادہ تر ہیو جیسے اور ہوتے ہیں ان کے بس میں ہو تو وہ اس مشین کو اُڑن طشتری سمجھتے ہوئے اگلا پہیہ اُٹھا کر افلاک کی جانب

[illegible] سے مراجعت کر جاویں...... یہ بڑی قیمتی نادر عجوبہ قسم کی ہوتی ہے...... موٹر سائیکلوں کے کسی عجائب خانے میں ہونے کی بجائے لوگ اسے سڑک پہ ہی دیکھ لیتے ہیں...... یہ موٹر سائیکل کم گینڈا زیادہ دکھائی دیتی۔ کچھ [illegible] بھی، مگر مجھے بارہ سنگھا، ڈینوسار کی طرح بھی...... میں نے کئی ایک اس قسم کی موٹر مشین دیکھی ہیں جن کے ہینڈل کی جگہ بارہ سنگھے کے بڑے بڑے سینگ لگے ہوتے تھے۔ ہاتھی کے بڑے بڑے دانت، گھڑیال اور بارہ سنگھے کے جبڑے، گینڈوں کے نوکیلے سینگ، حنوط کیے ہوئے اژدھے، لومڑ بھیڑیوں کے سر...... یورپ، امریکہ، آسٹریلیا، جرمنی، فرانس میں ان موٹر سائیکل رائیڈروں کی بڑی بڑی تنظیمیں ہیں...... جن کے زیر اہتمام بڑی بڑی ریلیوں کے اہتمام ہوتے ہیں...... ایشیا کے ممالک میں یہ شوق شغل نہ ہونے کے برابر ہے...... شاذ ہی کہیں کوئی ایسی عجوبہ روزگار سپیئر مشین دکھائی دیتی ہو۔

یہ میرے ہوٹل کے صدر دروازے کے باہر بھی اس وقت اسی قسم کی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ جس کے گرد لوگ کبھی اس کو اور کبھی اس کے مالک کو عجیب عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ میں زیر لب مسکراتے [illegible] ہوئے نیچے اتر آیا۔ ہم دونوں نے اک دوجے کو جاننے پہچاننے میں [illegible] بھی دیر نہیں [illegible] ہم دونوں چاک گریباں اس طرح کھینچ کھینچ کر ایک دوسرے سے چمٹنے لگے جیسے اک لمبی جدائی کے بعد [illegible] نکال کر ہمارا [illegible] لگے تھے۔ سچ ہے کہ دنیا کو کچھ نہ کچھ بہر طور دیکھنا ہوتا ہے وہ تماشا ہو حادثہ، حشر حال، حالت یا پھر [illegible] بھی...... میں، وہ اور موٹر سائیکل ہم تینوں تماشا بنے ہوئے تھے...... آگے پیچھے کے پتے جھاڑے وہ [illegible] مجھ سے بغلگیر رہا...... میرے گال چومے پھر علیحدہ ہو کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر خوب بھینچا۔

وہ گورا چٹا، لانبا تڑنگا، پڑھا لکھا، سوبر، سمجھا ہوا نوجوان تھا۔ میں غور سے دیکھ رہا تھا اس کی پیشانی پہ [illegible] صدی کی مہر...... جو یقیناً اس کے بزرگ دادا کا تصرف تھی۔ نیلی آنکھیں، گوری رنگت، سنہری بال، [illegible] اس کی ماں کا تشرف ہو سکتا تھا۔ دوران گفتگو اس نے ایک لفظ تک عربی کا استعمال نہیں کیا تھا۔ [illegible] السلام علیکم کی بجائے اس نے گڈ مارننگ کہا تھا، لش لش کرتی ہوئی ایسی گرانڈیل موٹر سائیکل جسے [illegible] بھی کچھ یوں سانڈ کو خصی کرنے کے برابر...... اور پھر اس پہ سوار ہونا بھی اک ماندے سانڈ، مست [illegible] ہوئے شتر یا فیل بے مہاوت پہ بیٹھ لینے کے مترادف ہوتا ہے...... اس کے ڈبل سائیلنسر کی دہشتناک [illegible] اور گرینڈ پھٹنے جیسے دھماکے نے جو سماں پیدا کیا...... اس سے خاطر خواہ محظوظ ہوتے ہوئے بچے لوگوں [illegible] کی صورت کھڑے احمقوں نے خوب ہا ہو کرتے ہوئے تالیاں پیٹیں...... جب دھماکوں کی آوازوں [illegible] اور دھوئیں میں ابتذال ختم ہوا تو اس جوان خوب رو و خوش خصال نے کمال مہارت و مباورت

ے سر پہ وہ خلائی خول پہنا' جسے انگریزی میں ہلمٹ کہتے ہیں۔ ٹھوڑی کے نیچے تسمہ باندھ کر اس نے
کے آگے براؤن رنگ کی عینک کی سکرین گرائی اور کمال بے اعتنائی و بے پناہی سے خبردار کیا۔

"میرے پیارے دوست! ذرا سنبھل کر بیٹھنا...... رفتار اور کردار کے معاملہ میں یہ احمق سی مشین
زیادہ قابل بھروسہ نہیں ہے۔"

میں نے کچھ زیادہ نہ سمجھتے ہوئے یونہی پوچھ لیا۔

"کیا مطلب......؟"

اس نے مشین گیئر میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"رفتار اور کردار کا مطلب سمجھانے کے لئے مجھے تمہیں ایک واقعہ یا قصہ سنانا پڑے گا۔

عمرو عیار کے وقتوں میں کہیں ایک بدو نے کسی گھریلو ضرورت کے تحت گدھا خریدنا چاہا تو وہ گدھے
کے تاجر کے پاس پہنچا اور اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی ایسا نسلی اور خاندانی شریف بہادر سا گدھا چاہیے' کم از کم جس کی رفتار اور کردار کی
گارنٹی دی جا سکے۔"

گدھوں کا تاجر [illegible] والا بڑا احمق
گدھا...... بڑی گہری نظر سے اپنے گدھوں کے ریوڑ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"معزز خریدار! یہ سامنے حاضر مال کاہلی گدھوں کا ہے...... ان میں کوئی ایسا گدھا دکھائی نہیں
آپ کی طلب کے مطابق [illegible] ذاتی حاجت روائی کے لئے ایک نادر الوجود جانور موجود ہے
جسے گدھا کہنا اس کی توہین کے مصداق ہے۔ اگر آپ چاہیں اور اس کی شایان شان قیمت ادا کرنے کا حوصلہ
رکھتے ہوں تو حاضر کرتا ہوں۔"

خریدار اس کی تاجرانہ چرب زبانی سے خاصا متاثر ہوا اور جانور کے ملاحظے کا ارادہ ظاہر کیا
کشاں کشاں اپنے گھر گیا کچھ دیر بعد ایک مریل سے گدھے پہ سوار واپس آیا...... گدھا بمشکل اس کا
لادے لڑکھڑاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"قابل قدر خریدار! یہ خاص الخاص خراسانی جانور ہے آپ نے گدھا کہہ کر اپنی سادگی کا ثبوت
ہے...... آپ کو نسلی خاندانی اور شریف قسم کے جانور کی خواہش ہے جو رفتار اور کردار کا بھی غازی ہو یہ سب
اوصاف حمیدہ صرف اور صرف اسی میں موجود ہیں...... اسی لئے تو یہ الگ باندھ کر رکھا ہے کہ مال اچھا ہے
مزید بتانے لگا...... "آپ کے نصیبوں میں اگر یہ نادر تحفہ لکھا موجود ہے تو سبحان اللہ...... ورنہ وہیں باندھ

[illegible] بصرے کے بابا الصباح صادق کے ذخیرے کی کھجوروں کی بھیگی ہوئی گٹھلیاں' خراسانی [illegible] کے خشک کونپلیں اور شہر حلب کے انگور کے باغوں کے نرم نرم پتے کھا رہا تھا...... آپ جو حکم......!"

بدو کی رہی سہی مت بھی الٹ گئی...... وہ تحسین و تکریم بھری نظروں سے جانور کی ٹانگیں بغلیں اور دیگر [illegible] خراسانی ٹٹولنے لگا...... تاجر تاڑ گیا کہ احمق مرغا اب کٹنے کو ہے...... اس نے کمال عیاری و اداکاری [illegible] کر واپس گھر لے جانا چاہا...... بدو نے دیکھا تو خوشامدانہ رویہ اختیار کرتے کہنے لگا۔

"یا شیخ! مجھے یہ جانور پسند آیا اب نعم البدل بیان کرو...... تاجر نے ایسی قیمت بتائی جو چار گدھوں کے [illegible] تھی...... آخر کار یہ بیکار و بیمار' تین گدھے برابر قیمت خریدار کے ہاتھوں اٹھ گیا۔ وہ بصد کھینچا تانی' دھکم [illegible] گدھا لیئے اپنی راہ لگا...... کچھ راہ آگے اس نے سوچا کہ جانور کا مطلب ہے کہ اس پہ سواری کی جائے نہ [illegible] گھسیٹا جائے چنانچہ وہ گدھے کو پچکارتے ہوئے اس پہ سوار ہو گیا...... اب جنبش نہ جنبد مثل گنبد' [illegible] کہ حضرت وہیں پہ گھر گاڑے کھڑے جھول رہے ہیں...... جھنجھلایا ہوا بدو بڑی دیر تک اس کے گیئر [illegible] شیخ آزمائش کرتا رہا۔ مگر بے سود' حرکت نہ برکت...... وہ ابھی مزید غور کر ہی رہا تھا کہ سامنے سے کوئی [illegible] گدھی لدی چلی آئی اور شاید بدو سے پہلے [illegible] کی نظر جا پڑی تھی [illegible] گیئر و ویز [illegible] وہیں سرپٹ بھاگا [illegible] کسی نے بجلی کی تار چھو دیے ہوں...... ایسی یکایکی میں بدو کے حواس بھی [illegible] رہے۔ [illegible] سے بھاگتے گدھے پہ کچھ دور تک تو وہ اپنا توازن کسی نہ کسی طور سنبھالے رہا پھر اچانک گدھے [illegible] ایک آڑا جھٹکا لگایا تو یہ کسی پھدکتے مینڈک کی مانند اچھل کر نیچے آ رہا...... اور گدھا اسی رنگ ترنگ میں [illegible] کی جانب بھاگا جا رہا تھا...... ہڈی پسلی تو بدو کی بچ گئی لیکن گھٹنوں شانوں پہ کچھ چوٹیں رگڑیں بہر طور [illegible] بصد محال وہ گرتا پڑتا واپس سوداگر کے پاس پہنچا...... بڑی ناگواری اور شکایت کے انداز میں ساری بپتا [illegible]...... وہ مرد حرف و حرب' بکمال ہمدردی و توجہ سے تمام داستان دلخراش سن کر کہنے لگا کہ اس حادثے [illegible] تمہارا افسوس ہی کر سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاں گدھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسی حرکتیں گدھوں کے [illegible] کے معمولات ہیں۔ قطع نظر اس واقعہ کے اگر آپ کی مطلوبہ خصوصیات میرے بیچے ہوئے جانور [illegible] تو میں ذمہ دار ہوں۔ بدو گھٹنے کی دُکھن سے کراہتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں نے رفتار اور کردار پہ زور دیا تھا کہ یہ دونوں خوبیاں گدھے میں بدرجہ اتم ہونی چاہئیں...... اولاً [illegible] کی چال ہی میرے لیے ناقابل اطمینان رہی...... وہ خود چلنے سے قاصر تھا' مجھے گھسیٹتے ہوئے لے جانا پڑا۔ [illegible] سوچ کر کہ اس پہ سوار ہوا کہ دیکھو شاید اسی طرح یہ رواں ہو جائے...... پر اسے تو شاید کسی اپاہج گدھی نے

جنا تھا۔ میرے اُوپر بیٹھتے ہی وہ نیچے بیٹھنے لگا...... یہاں تک کہ میرے ٹخنے زمین پہ لگ گئے...... یہ تو ہوئی اُس کی چال کی حالت اَب اُس کے چلن کا آنکھوں دیکھا حال سنو...... میری اور میرے نصیبوں کی بربادی کہ سامنے سے کہیں ایک الھڑ بانکی سی گدھی چنداں بوجھ اٹھائے اٹھکیلیاں توڑتی ہوئی چلی آ رہی تھی...... اس پہ نظر پڑتے ہی اُسے جنون پڑ گیا...... جسم اینٹھنے لگا...... مُردار کے اندر جیسے ہاتھی کی قوت اُمڈ آئی تھی۔ وہ ڈھینچوں ڈھینچوں کی دھاڑیں لگاتا ہوا گدھی کی جانب بھاگا...... مَیں اُوپر سوار کہاں تک سنبھلتا...... نابجار نے جو ایک ٹھمکا لگایا اور مَیں نیچے۔ میری حالت دیکھو بڑی مشکل سے گرتا پڑتا یہاں تک پہنچا ہوں۔ اَب میری بات غور سے سنو یہ جانور نہیں بلکہ سو فیصد گدھا ہے اور مَیں یہ بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ خراسانی ہونا تو دُور کی بات یہ رُوسیاہ کابلی بھی نہیں...... یا تو یہ بنگالی یا پھر صومالی ہے تمہارے چال اور چلن کے دونوں دعوے غلط ثابت ہوئے اَب تم میری رقم واپس کرو۔“

نبیل مجھے رفتار اور کردار کی کہانی سُنا رہا تھا اور مَیں اس گھوڑے [illegible] کے مُنہ کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کس مُنہ سے ایسی گل گفتاریاں کر رہا ہے...... اس الھڑ سی عمر میں ایسی [illegible] باتیں اس نے کہاں سے سیکھیں۔ بات کرنے کہنے کا ایسا حسن، سوہنا انداز کہاں سے پایا۔ مجھے اس طرح ٹکٹکی باندھے دیکھ کر ستم ظریف [illegible]

”اچھا اچھا میرا خیال ہے کہ مَیں کچھ زیادہ ہی بول رہا ہوں۔“ پھر کلائی کی گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے بولا۔ ”او ہو، ہم لیٹ ہو رہے ہیں...... چلو بیٹھو۔“

● نبیل، ہابیل اور قابیل......!

گولان کی پہاڑیوں کی جانب بڑھنے والی سڑک ایسی کچھ کشادہ بھی نہ تھی کہ یورپ کی سڑکوں کی طرح اس پہ تین چار گاڑیاں برابر بھاگ سکیں...... پھر پہاڑی علاقہ، نشیب و فراز، چھوٹے بڑے موڑ...... لیکن موٹر سائیکل پہ ڈرائیور کے پیچھے بیٹھا ہوا ساتھی، عجیب سی گومگوں کیفیت میں پھنسا ہوتا ہے۔ بات وات تو وہ بالکل ہی نہیں کر سکتا...... تیز رفتاری، ہوا کا دباؤ، ڈرائیور کے ہلمٹ وغیرہ کی وجہ سے وہ مظلوم ڈرائیور سے بالکل کٹا ہوا ہوتا ہے۔ ہاتھ کہنی کا اشارہ ٹہوکا، بغل یا پیٹ میں چٹکی وغیرہ کا ڈرائیور کو کچھ احساس نہیں ہوتا...... اس ستم ظریف نے اتنا کچھ اور ایسا کچھ پہنا اوڑھا ہوتا ہے کہ اسے برف والے سُوئے یا چھوٹا موٹا فائر ٹھوک کر ہی متوجہ کیا جا سکتا ہے...... اس موٹر سائیکل کے آگے راستے سمٹتے ہی نہیں سکڑتے بھی جاتے ہیں۔ لگتا ہے

[illegible] کھڑی ہے سڑک رواں ہو رہی ہے۔ کسی شہرِ خموشاں یا کسی ملکِ عدم و غفلت میں پہنچنے کے لئے اس سے [illegible] اور سواری ایجاد نہیں ہوئی۔ میں تو ویسے بھی جب کہیں باہر جانے کا قصد کرتا ہوں' نہا دھو بخش بخشوا کر [illegible] کر نکلتا ہوں۔ یعنی سفر' آخری سفر سمجھ کر ہی شروع کرتا ہوں...... اس کے باوجود میں پیچھے سہما سہما [illegible] سے ڈرے ہوئے چوہے کی طرح سمٹا' چپکا ہوا بیٹھا تھا...... کبھی کبھی کانی آنکھ سے اپنے دائیں بائیں [illegible] درخت' گزرتی گاڑیوں' ملٹری کے ٹرکوں' ٹوٹے ٹبوں کو دیکھ کر رفتار کا اندازہ لگانے کی ناکام کوشش کرتا۔

ایک چھوٹے سے موڑ کے آگے یکدم رفتار کم ہوئی۔ میں نے اس کے شانے کے اوپر سے سامنے دیکھا تو سڑک سے ہٹ کر پانچ سات کچے پکے گھر گھروندے' اکیلے مینار والی چھوٹی سی مسجد اور ایک دو دوکانیں دکھائی دیں۔ ہم ایک قہوہ خانے کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔

''چائے' کافی' قہوہ یا کوئی سافٹ ڈرنک؟''

اس نے ہلمٹ اتارتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

''تھینکس! مجھے ضرورت نہیں......''

''ٹھیک ہے' لیکن میں ایک عدد سگریٹ ضرور پیئوں گا۔'' پھر خود ہی کہنے لگا۔ ''مجھے پتہ ہے تم سموکنگ نہیں کرتے...... [illegible] کوئی بیکار شغل ہے دل بہلاؤ [illegible] تک واپس آیا۔''

میں کیا جواب دیتا۔ وہ کسی بوزنے کی طرح پھلانگتا' چھلانگتا یہ جا وہ جا...... وہ قہوہ خانے کے عقب میں بنے ہوئے صحرائی انداز کے [illegible] کی جانب بڑھ گیا تھا...... میں [illegible] عجیب بڑا واقسم کا لڑکا ہے۔ [illegible] کے سر پیر کا کچھ پتہ نہیں چلتا...... اپنے متعلق میری ہر رائے کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ پھر معاً اس کے [illegible] دادا کی طرف دھیان چلا گیا۔ ان کا نورانی چہرہ' پُر وقار سجاؤ' علاقے میں ان کی عزت و تکریم' ہابیل قابیل کے مزار کے نگران مہتمم اور یہ بالکل برعکس ان کا عجیب و غریب پوتا' جس کا چال چلن چلاؤ کسی طور بھی اپنے بزرگوں سے لگا نہیں کھاتا تھا۔

میں نے دیکھا وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چلا آرہا ہے۔ پورا سگریٹ اس کی انگلیوں میں سلگ رہا تھا۔

''ہائے میٹ......!''

اس نے السلام علیکم کی بجائے یہی کہا۔ انگلینڈ کے علاقے یارکشائر میں متوسط طبقہ کے لوگ آپس میں ملاقات پہ یہی کلمہ استعمال کرتے ہیں جبکہ اشراف میں ایسا لب ولہجہ اور طرزِ تخاطب و تکلم سننے میں نہیں آتا۔

میں پھر ایک بار سوچوں کی دلدل میں اُتر چکا تھا۔ یہ یقیناً مانچسٹر' لیڈز یا بریڈفورڈ کی کسی یونیورسٹی میں رہا ہے یا زیادہ وقت اُدھر ہی گزرا ہے۔

اس نے بے تکلفی کا ہاتھ بڑھا کر مجھے سوچوں کی دلدل سے باہر کیا پھر خود ہی بتانے لگا۔

''جانتے ہو میں کہاں گیا؟''

میں نے جواب میں بھوتروں کی طرح نفی میں سر ہلا دیا...... بتائیں؟

وہ بائیں آنکھ دبا کر بتانے لگا۔

''میں اپنی گرل فرینڈ سے ذرا لائٹ سا ہیلو کہنے گیا تھا...... یہ قہوہ خانہ اور سٹور دیکھ رہے ہو؟ یہ میرے ہونے والے فادر ان لا کا ہے...... جو رشتے میں میرے قریب کے انکل بھی لگتے ہیں۔''

موٹر سائیکل کو کک لگاتے ہوئے مزید بتانے لگا۔

''اس قندیل لڑکی کا نام کلثوم ہے' میں اسے پیارے ثومی کہتا ہوں...... بڑی گریس فل سمارٹ ہے...... میرے ساتھ ہی پڑھتی رہی ہے...... آنے والے ستمبر' اس کی برتھ ڈے ہے اور اسی دن ہماری بھی ہو جائے گی' انشاء اللہ!''

[illegible] بتا رہا تھا۔

''میں اپنا سگریٹ اس کو دے آیا ہوں اور یہ سگریٹ اس کی لبوں سے نکال کر لایا ہوں سگریٹ کے فلٹر پہ سرخ لپ سٹک کا نشان نظر آ رہا ہے نا......'' وہ سگریٹ کی راکھ زبان پہ جھاڑتے ہوئے رہا تھا۔

''آئی لو یو ثومی...... آئی لو یو...... بیٹھو جلدی کرو۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہیں۔''

پہاڑی کی اُونچائی پہ مزار پہ پہنچے تو مسجد نما حجرے کے ساتھ قدرے ہموار جگہ چٹائیوں اور ترپالوں پہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے...... یہ قریب قریب سارے ہی فوجی تھے...... وردیوں میں ملبوس۔ پاس اُن کا اسلحہ بھی پڑا ہوا تھا...... تقدس مآب بزرگ سیاہ جبہ اوڑھے سر پہ دستار' ہاتھ میں عصا' خطبہ ارشاد فرما رہے تھے...... ظاہر ہے کہ ہم دیر سے پہنچے تھے...... ڈرے سہمے سے ہم دونوں لفنٹرے پیچھے چٹائی کے کونے پہ ہی گئے تھے۔ نماز کے بعد فوجیوں نے فرداً فرداً بزرگ بابا سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور اپنے اپنے راستوں پہ ہو گئے۔ کچھ اور مقامی لوگ بھی تھے بعد میں مزارات کی اوٹ سے کچھ بوڑھی جوان خواتین اور بچے بھی آئے...... جو بزرگ بابا کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے...... ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان انہوں نے درمیان بچھے ہوئے دستر خوان پہ سجا کر رکھ دیا۔ پنیر' کھجوریں' زیتون کا پھل' دودھ' دہی......

تھوری روٹیاں' سرکے میں ڈوبا ہوا اچار' خشک میوے اور حلویات بھی تھے...... کھانے سے پہلے بابا
سے علیک سلیک کی حال احوال دریافت کیا...... پھر بسم اللہ کہہ کر کھانے کا اذن دیا...... عربی تھوری
اور زیتون...... ان تینوں کا اکٹھا استعمال بھی اک علیحدہ ہی تجربہ اور ذائقہ ہے۔ ساتھ دو چار کھجوریں
سبحان اللہ!...... اس سے بہتر مکمل اور سادہ غذا دُنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتی...... ہلکی پھلکی باتیں اور
بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے...... قہوے کے فنجان بھی تھے' آدھا آدھا گھونٹ قہوہ بھی نصیب ہُوا......
کا جزو لاینفک ہے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو بزرگ بابا ہاتھ مُنہ دھلوا کر چبوترے پہ تشریف
اب باری باری ایک ایک فرد وہاں پہنچ بزرگ بابا سے اپنی بات کرتا...... میں نبیل کے ساتھ دُور
بزرگ بابا ہر اک کی بات غور سے کان لگا کر سُنتے' کسی کو مشورہ دیتے' کسی کے سر پہ ہاتھ
آنکھیں پہ کچھ پڑھتے...... پھر پھونک دیتے...... کسی کے سینے پہ [illegible] کر' کسی کی آنکھوں پہ دم کرکے
بچے جوان بوڑھے عورتیں' لڑکیاں سب ہی اپنی اپنی باری جاتیں۔ [illegible] مطمئن سی ہو کر واپس

نے کہنی سے مجھے متوجہ کیا...... مجھے [illegible] بہت دیر سے خاموش [illegible] اب میرے

......؟''

میں نے بظاہر بے پروائی سے جواب دیا کہ شاید ٹل جائے مگر وہ ایسی چکنی مٹی کا بنا تھا کہ جس پہ پانی'
آنسو اوس' شہد' شراب' کسی بھی چیز کی بوند نہیں ٹھہرتی تھی

اب اُس نے ہاتھ سے میرے گھٹنے کو ہلاتے ہوئے کہا۔

''خان! دیکھ رہو...... یہ خوش عقیدہ' خوش فہم اور خوش خواب...... سیدھے سادھے' لکیر کے فقیر
جان لو کہ ہم تیسری دُنیا کے مسلمان ذہنی اور فکری طور پہ [illegible] مگر مذہبی خوش عقیدگی اور خوش فہمی
[illegible] ہیں۔ [illegible] اور فریب۔ انسان کبھی بھی اپنے ہم عصروں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتا اور نہ
ترقی کا ساتھ دے سکتا ہے۔''

میں نے بڑی ناگواری سے اُس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''یہی کہ آج کی ضرورت اور وقت کا تقاضا' پیر سے دُعائیں کروانا' اُس کے ہاتھ پاؤں چومنا یا تعویذ
[illegible] مروانا نہیں...... جدید ٹیکنالوجی' ایڈوانس سائنس کو پڑھنا' سیکھنا اور حاصل کرنا ہے...... تم نے میری

سپیڈ مشین دیکھی ...... یہ کس نے بنائی، ایجاد کی ...... تم اس کے میکنیزم کو دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔ یہ دور اس مشی کہیں اوپر خلاؤں میں گردش کرتی ہوئی مشینوں کا ہے۔ کیا کبھی ان سادہ لوح انسانوں نے غور کیا کہ یہ کس نے بنائی ہیں، کس کی ہیں، ان سے کون فائدے حاصل کر رہا ہے؟ ...... سفر کے لئے تمہاری بیل گاڑ اور گھوڑا گاڑیاں کیا اس دور کی بدلتی ہوئی سفری ضروریات کا ساتھ دے سکتی ہیں۔ یہ دوغلا پن ہے کہ میرے واجب الاحترام دادا، میرے اصرار کے باوجود کبھی اس سپیڈ مشین پہ نہیں بیٹھتے کہ وہ اسے شیطانی چرخہ کہتے ہیں ...... لیکن موٹر کار، جیپ یا بس پہ شوق سے بیٹھ جاتے ہیں۔ میں اس شیطانی چرخے پہ یہاں سے تک بیس منٹ میں پہنچ جاتا ہوں وہ ڈیڑھ گھنٹہ لگا دیتے ہیں ...... میں تو اپنے محترم دادا کو مشورہ دیتا رہتا ہوں کے لئے یہ جُبے، عبائیں، دستاریں اُتاریں اور جین، جیکٹ، پی کیپ پہنیں۔ دین کو صدیوں پرانی ایسی نہ بنائیں جو محض لڑنے جھگڑنے، [illegible] کرنے کے لئے ہی ہو۔ چلیں اس جگہ نہ سہی، کہیں اور ایک جدید یونیورسٹی کا تصور کریں۔ جہاں عہدِ حاضر کے جملہ علوم سے آگاہی حاصل سکے ...... خدا، رسول، قرآن، دین، مسلک، شریعت اپنی جگہ۔ اس سے انکار و فرار ممکن نہیں [illegible] وقت کے کا بھی تو خیال رکھیں کہ لمحہ موجود اور آنے والا کل آپ سے کیا چاہتا ہے۔ اس وقت ایک [illegible] اجتہادی سوچ کی ضرورت [illegible] یہاں تک ہو، تم بھی ان سے کوئی علم ولم وظیفہ وغیرہ سیکھو گے۔ آنکھوں میں بے پناہ احترام بھر کر ان کے ہاتھ گے ...... ان کے پاؤں کی خاک تبرکاً حاصل کرو گے۔ ان صدیوں پرانے مزاروں کی بابت پوچھو گے ان کے حُجرے میں جاؤ گے وہاں رکھے ہوئے تبرکات دیکھو گے۔ واپسی پہ میرے دادا تمہیں کچھ تبرکاً وغیرہ دیں گے۔ سر کا رومال، تسبیح، مٹی، منکا یا کوئی تعویذ، لوح، دھاگا ...... او مائی گاڈ! ...... دنیا کہاں سے پہنچ گئی اور ہم ابھی تک حُجروں سے باہر نہیں نکل پائے۔"

ایکا ایکی وہ ایک لمحہ کے لئے خاموش ہوا جیسے اُسے کچھ اچانک یاد آ گیا ہو۔ لمبی لمبی سانسیں کھینچتے ہوئے کہنے لگا۔

"معاف کرنا دوست! مجھے اس وقت شدت سے سگریٹ کی طلب محسوس ہو رہی ہے اور کلثوم بھی رہی ہے ...... جانتے ہو میری منگیتر کلثوم دقیانوسی خیالات کی کوئی پردہ نشین یا صرف تہجد نمازیں پڑھنے والی نہیں۔ وہ سوشل سائنس میں گریجوایٹ ہے ...... مثبت سوچ رکھتی ہے ...... فرسودہ رسم و رواج اور غیر ضروری مذہبی حد بندیوں کی قائل نہیں جبکہ وہ ضرورتمندوں کی مدد کرتی ہے ...... ناخواندوں کو فری پڑھاتی ہے باغبانی، ڈرائیونگ، کلنگ شوق سے کرتی ہے اور سنیما بھی دیکھتی ہے۔ جین، سکرٹ، سگریٹ نوشی، میک

میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی...... اسی لئے مجھے پسند ہے کہ وہ کوئی بیک ورلڈ دقیانوسی نہیں بلکہ اس زمانے کی قدروں' تقاضوں سے ہم آہنگ لڑکی ہے......"

وہ مجھے ہکا بکا کر کے پیچھے سے نیچے ڈھلوان کی جانب اُتر گیا۔

بزرگ بابا نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عقیدت مند بھگتا دیئے تھے...... لوگ باگ فارغ ہوتے ہی سے کر اپنی اپنی راہ ہو لیتے...... زیادہ تر مرد' عورتیں پیدل ہی تھیں جو پہاڑی راستوں پہ اُترتے رہے تھے...... دو چار بوڑھے اب بھی یہاں موجود تھے' جنہیں بزرگ بابا اشاروں سے کچھ سمجھا رہے تھے۔

جونہی ان سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے اشارے سے اپنے پاس طلب فرمایا...... میں سلام کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے کچھ عربی میں ارشاد فرمایا...... اپنی محدود فہم کے مطابق میں نے یہی سمجھا کہ وہ مجھ سے اپنے پوتے نبیل کے بارے میں پوچھ رہے ہیں کہ وہ کہاں گیا ہے۔ میں نے بہ مشکل گلابی عربی لفظوں کا سہارا لے کر انہیں بتانے کی کوشش کی کہ وہ سگریٹ پینے گیا ہے۔ وہ [illegible] گے پھر کھل [illegible] گے۔ [illegible] بار کچھ کہتے رہے مگر میں کوشش کے باوجود سمجھنے سے قاصر رہا۔ اپنی تجاہل [illegible] کی خاطر میں [illegible] سمجھتے ہوئے [illegible] ادھیڑ عمر اجو شاید یہاں نگہداری پہ مامور تھا' ہمارے پاس آیا...... بعد میں پتہ چلا کہ وہ بہت [illegible] دمشق میں [illegible] گائیڈ کے فرائض بھی انجام دیتا رہا ہے۔ اس کا نام بھی یحییٰ تھا...... اس کی وساطت سے [illegible] نے بتایا کہ اس کا پوتا بڑا [illegible] اور اپنی ایک علیحدہ سوچ کا مالک [illegible] یقین ہے کہ اس نے تم کو تنگ کیا ہوگا اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم اسے پسند کرتے ہو لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ اس کی اکثر [illegible] میرے لئے پسندیدہ نہیں ہیں۔ اس کے خیالات و نظریات سے متفق ہونا میرے لئے ممکن نہیں ہے لیکن [illegible] میں بھی تمہاری طرح اسے بے حد چاہنے پہ مجبور ہوں کہ وہ میرے اکلوتے شہید بیٹے کی واحد نشانی ہے [illegible] آئندہ نسل کی بقا محض نبیل یمانی کی مرہون منت ہے۔

بزرگ اک لمبی ٹھنڈی آہ بھر کر بتانے لگے کہ اس کا شہید باپ بھی بالکل اسی جیسا تھا' ایسے ہی جدید [illegible] رجحانات کا حامی...... مذہب' دین و مسلک اس کے نزدیک بڑی ذاتی سی چیزیں تھیں...... وہ کہا کرتا تھا [illegible] کے غلط استعمال سے مسلم امۃ کو ناقابل تلافی حد تک نقصان پہنچا ہے۔ اس نے یہاں کسی اسلامی یونیورسٹی [illegible] انگلستان میں تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اس نے اپنے لئے عسکری تربیت حاصل کرنا اپنا مقصد بنا لیا۔ اس کے نزدیک عالم فاضل یا مولوی مبلغ بننا وقت کی ضرورت نہیں تھا۔ وہ عسکری

میدان میں کوئی کارنامہ ہائے سرانجام دینا چاہتا تھا۔ ایک لمبا عرصہ گزارنے کے بعد جب واپس آیا تو یکسر بدلا ہوا تعلیم یافتہ مضبوط انسان تھا۔ وطن پہنچتے ہی اُسے فوج میں کمیشن مل گیا۔ اپنی عسکری قابلیت تربیت کی بنا پہ بہت جلد اعلیٰ عہدے پر پہنچ گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد وہ مزید ایک کورس کے لئے انگلستان گیا...... لگ بھگ تین سال بعد جب وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھ ایک بیوی اور بچہ بھی تھا۔ وہ بچہ نبیل یمانی ہے...... نبیل یمانی کا باپ یعنی میرا مجاہد بیٹا' عین اپنی خواہش کے مطابق اسرائیل کے ساتھ جھڑپ میں شہید ہو گیا۔ خوش قسمتی سے میری بہو بہت اچھی تھی تھی تو وہ انگریز مگر اس نے میرے شہید بیٹے لئے اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ وہ تو شادی سے بہت پہلے ہی مسلمان ہو چکی تھی...... اس نے مشرقی مذہب اسلام پہ باقاعدہ ڈگریاں حاصل کی ہوئی تھیں...... پانچ نماز' قرآن کی تلاوت اور حد تو یہ کہ وہ عربیوں کی طرح بولتی تھی...... اسے مسلمان معاشرے میں رہنا بہت اچھا لگتا تھا...... نبیل یمانی جب ہوا تو میری بہو نے محسوس کیا کہ یہ یہاں افراتفری کے عالم اور جنگ زدہ ماحول میں خاطر خواہ تعلیم حاصل کر سکے گا تو وہ میرے مشورے اور اجازت سے اس کو لے کر انگلینڈ چلی گئی۔ وہاں خود تو اس نے ایک میں ملازمت کر لی اور اسے ایک معیاری سکول میں داخل کروا دیا۔ اس دوران گاہے گاہے یہاں بھی رہتی۔ گرمیو [illegible] طرح نبیل دو متحارب معاشروں کے درمیان ایک پل کی مانند معلق رہا۔ پھر ایک وقت آیا نبیل یمانی بڑا ہو گیا' تعلیم ہوئی تو میری بہو اسے لے کر یہاں میرے پاس آ گئی' میں بھی بوڑھا ہو گیا ہوں' اب یہی دونوں خدمت اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اب ہم نبیل یمانی کی شادی کا سوچ رہے ہیں۔ اس کے لئے لڑکی بھی بھالی ہے...... بس کچھ ہی عرصے میں اس کی شادی بھی ہو جائے گی۔

میں بڑے انہماک سے اُن کی نجی باتیں سُن رہا تھا...... اور وہ بھی کچھ اس طرح سے بیان فرما رہے تھے جیسے میں اُن کے خاندان کا کوئی اہم فرد ہوں...... جبکہ میری اور ان کی آشنائی کا دورانیہ چوبیس گھنٹے سے کم تھا...... پانی کے چند گھونٹ پینے کے بعد وہ پھر فرمانے لگے۔

''تم سوچ تو رہے ہو گے کہ میں کیا کہانی لے کر بیٹھ گیا...... لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ تم اس کی سمجھ کر اُلجھی ہوئی گرہوں' اس کے اشغال و اعمال میں پڑی ہوئی ناپسندیدہ گانٹھوں کو اپنے ناخنِ تدبیر سے سُلجھانے کی صلاحیت رکھتے ہو......''

پھر وہ دُزدیدہ نگاہی سے مجھے تولتے ہوئے فرمانے لگے۔

''مجھے یقین ہے کہ تم میری ضرور مدد کرو گے......''

ان کی یہ بات سُن کر میں تو مارے حیا اور خجالت زمین میں گڑ گیا...... ہاتھ باندھے نہایت عاجزی سے عرض کیا۔

"بابا جی آپ کیا فرما رہے ہیں...... میں تو خود ہدایت کا طلبگار ہوں...... قریہ قریہ گھاٹ گھاٹ دربدر [illegible] کوئی ملے جو میرا ہاتھ پکڑے مجھے میں میں کی بکری...... کیوں کیوں' کیا کیا کا' کاگا اور ٹر ٹر کرنے [illegible] مینڈکی بننے سے بچالے...... آپ اپنی موجودگی میں مجھ جاہل نااہل کو اپنے جلیل القدر شہید بیٹے [illegible] جوتی کی تراش خراش کے لئے کہہ رہے ہیں۔ وہ بھی ایسے وثوق سے کہ جیسے آپ......؟"

انہوں نے میری بات قطع کرتے ہوئے فرمایا۔

"عزیز من انجیل یمانی اور تمہاری طرح میں زیادہ باتیں تو نہیں کر سکتا...... بوڑھا آدمی ہوں' ڈھنگ [illegible] دیتا ہے اور نہ سُنائی۔ حافظہ مخدوش اور دماغ مفلوج جبکہ قویٰ ڈھیلے ڈھیلے...... لیکن ایک بات [illegible] وثوق سے کہتا ہوں کہ تم دونوں میں بہت سی قدریں مشترک ہیں۔ اپنی سی کر گزرنے والے اور اپنی ذاتی [illegible] لے...... ٹھوکر کھائے ہوئے سے سیکھنا تم دونوں کا چلن نہیں تم دونوں ٹھوکر کھا کر سیکھتے ہو۔ میں [illegible] اپنے گاؤں سے یہاں تک اور تجھے [illegible] آنے جانے [illegible] لئے اعزاز [illegible] ہے۔

وہ [illegible] چند پرانی زنگ آلود بڑی بڑی چابیاں دکھاتے ہوئے بولے۔

"یہ چابیاں جن پہ ہمارے آباؤ اجداد کے ہاتھوں کے نشان اور ان کی خوشبوئیں باقی ہیں...... میرے [illegible] ہوگا جو ان کی حفاظت کرے گا...... ان کی حُرمت و تقدس کو جانے گا...... آؤ میرے ساتھ......"

وہ بہ دقت اُٹھتے ہوئے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے...... مزارات کی جانب بڑھ گئے۔

صدیوں کی صداؤں میں متانت اور وقار سے استادہ در و دیوار...... دریچے' طاق' چھت' فرش' [illegible] مسدس' مخروطے' مثلثے' قوسیں' قبے...... یہ سب انسانوں نے تعمیر کئے تھے یا جنوں نے...... ایک [illegible] ایک ایک آہن' ایک ایک چوب' ہر نقش' ذرہ ذرہ' زاویہ اپنے اپنے حال احوال کی الگ الگ کتھا لئے ہوا [illegible] اک عجیب سی مہک بسی ہوئی تھی جسے ناک نہیں روح نے محسوس کیا تھا۔ جسے کوئی نام یا پہچان نہیں [illegible] سکی تھی۔

مجھے دنیا میں مختلف مقامات پہ اللہ کے نبیوں' پیغمبروں' ولیوں' قُطبوں' قلندروں' درویشوں کے [illegible] کی خاک بوسی کے مواقع نصیب ہوئے۔ ہر ہستی کے مزار کی اپنی ایک الگ ہی خوشبو پائی۔ مگر ایسی انوکھی

سی مہک میرے لئے ایک جداگانہ تجربہ تھی۔ عود خالص کو اگر بتی کستوری اور برگ حناء کے عطر میں کسی ڈھنگ سے ہم آمیز کیا جائے اور جو شکل بنے یہ شاید ایسی ہی کوئی مہک تھی۔ ہر برگ و گل کی اپنی ایک پہچان، خوشبو ہوتی ہے۔ ہلکی، مدھم، تیز، خاموش، دھیمی، لرزا اور چونکا دینے والی، سلا یا جگا دینے والی —— اور رُلا دینے والی، غور و خوض، کچھ سوچنے اور محسوس پر آمادہ کر دینے والی۔ بعینہ ہر صاحب مزار کی درجات و مقامات کے مطابق اپنی ایک پہچان، خوشبو پھیلی ہوتی ہے۔ ایسی خوشبوؤں کو صرف اور صرف لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں...... یہ خوشبو ان کے مطہر و منزہ اجسام و وجود سے ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ان کی اردگرد کی مٹی بھی اکسیر ہوتی ہے یہاں تک کہ وہاں سے گزرنے والی ہوائیں بھی عطر بیز ہو جاتی ہیں۔ قدموں میں بیٹھ کر لبوں کی چھتریوں اور سینوں کی کابکوں سے اُڑنے والے دُعاؤں کے برقی کبوتر، بن جاتے ہیں۔ ان کے آستانوں پہ ہوائے عطر بہت [illegible] ہے۔ وقت بڑے وقار سے قطرہ ہوتا ہے۔ یہاں ظاہری انتظام بندوں کے پاس اور خفیہ نظام قدسیوں کے ہاں ہوتا ہے۔

وقت کے ہاتھوں سیاہی بنے آہنی بھاری [illegible] والے [illegible] میں [illegible] تھا۔ بھاری [illegible] یا کھلا میرے اک جہان حیرت کا در کھلتا ہے۔ غلام گردش کی مانند اک طویل نیچی چھت والا حجرہ نما کمرا...... اسی مناسبت بہت لمبی سی تنگ قبر جس کی مخدوشی اور خستگی لپک لپک کر ان گنت صدیوں زمانوں کے عروج و زوال زیست بے ثباتی اور مرگ کی بالادستی کی [illegible] دہائیاں دے رہی تھی کہ انسان اعلیٰ ادنیٰ، آقا ہو یا غلام، شہنشاہ ہو یا درویش ہر ایک نے اک دن اسی طرح رزق خاک ہونا ہے...... لیکن برگزیدہ انسانوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو عام انسانوں کی طرح مٹی سے مٹی نہیں ہوتے بلکہ آسودہ ہوتے ہیں۔ ایسے عالی مرتبت انسانوں کی پہچان ہی الگ ہوتی ہے...... ان کی لحدیں سانس لیتی ہیں سے لبالب دلوں کی مانند دھڑکتی ہیں۔ ان کے پُر سوز قلوب کی سوزش محسوس کی جا سکتی ہے۔ ایسی جاوداں کی مہک ہی الگ اور رنگ ہی جدا ہوتا ہے۔ صبح و شام، رات دن کا کوئی پہر ایسا نہیں جب وہاں قرآن تلاوت اور ذکر و اذکار نہ ہوتا ہو...... رجال ظاہر و غائب قطار در قطار تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں عنبریں مقامات پہ ہر لحظہ ہر لمحہ مالک کی رحمتوں، برکتوں اور تجلیات کا نزول ہوتا رہتا ہے...... اللہ کے تابانیوں اور جلوہ افروزیوں سے مقامات، مرقد و منازل منور رہتے ہیں...... چراغ، دیئے، شمعیں، قندیلیں روشن و درخشندہ رہتے ہیں...... آندھیاں چلیں، طوفان آئیں، بھونچال و سیلاب اور ارضی سماوی آفات

[illegible] ہوں' حکومتیں تبدیل ہوں...... یہاں کے موسم نہیں بدلتے' اِدھر کے معمولات میں مُو برابر فرق نہیں [illegible] یہاں سکون ہی سکون' طمانیت ہی طمانیت' بہجت ہی بہجت کا ماحول و موقع ہوتا ہے...... مگر کچھ [illegible] مقامات ایسے بھی دیکھنے میں آئے...... جہاں یہ سب چیزوں کا عشرِ عشیر بھی نظر نہ آیا۔ خوشبو' دیا [illegible] پھول نہ پتی۔ اُدھڑے تانے کی کوئی چادر غلاف تک دکھائی نہ دیا...... اک عجیب سی ویرانی' اُداسی [illegible] وقت ٹھہرا ہوا نہیں بلکہ خودکشی سے حرام موت مرا ہوا محسوس ہوا...... ایسی صورت میں دو باتیں سمجھ [illegible] اولاً صاحبِ مزار اصل نہیں ہیں...... کسی بھی طرح غلط روایت سے کچھ کا کچھ مشہور ہو چکا ہے اور [illegible] عقیدت والے زائرین بلاتحقیق و تمیز کچھ کا کچھ سمجھ رہے ہیں۔ دوم' صاحبِ مرقد ہیں تو اصلی مگر کسی بھی وجہ سے ان کے مراتب و مقام میں کوئی سقم واقع ہو گیا...... وہ کسی تعزیر و گرفت میں ہیں۔

میں ایسی ہی سوچوں کے [illegible] میں ڈبکیاں لے رہا تھا کہ بزرگ نے مجھے ہاتھ کے ٹھوکے سے فاتحہ پڑھنے کے لئے اشارہ کیا...... نماز کی مانند کسی میت مزار پہ فاتحہ پڑھنے کا عمل بھی بڑی واضح حقیقت [illegible] پڑھنے والا اپنی نماز' دُعا اور فاتحہ کے مستجاب ہونے یا نہ ہونے کی بابت اُسی وقت محسوس کر لیتا [illegible] لب ہلتے رہے' پلکیں جھکی ہوئی تھیں...... میں نے اپنی سی کوشش کی کہ [illegible] اندر سے دُعا' [illegible] کرتے [illegible] دُعا فاتحہ پوری کی...... مزار کے گرد آہستہ آہستہ ایک چکر پورا کیا...... اس دوران بہت سے [illegible] اُبھرے مگر یہ شاید ان کا محل نہیں تھا۔ دانتوں تلے اپنی تشنگی دبائے میں بزرگ بابا کے پیچھے پیچھے [illegible] باہر نکل آیا...... جاتے جاتے مزار کے حجرے پہ لکڑی کے طباق میں پھل پڑے دکھائی دیئے۔ بزرگ بابا [illegible] عقیدت مند اور اس مترجم نے جس نے ہمارے درمیان گفتگو کی گنجائش نکالی تھی آگے بڑھ کر ہمیں چبوترے [illegible] سیب' سنگترے' انگور پتہ نہیں کیا کچھ تھا...... میں نے ایک سوال داغنے کی اپنے اندر جرأت پیدا [illegible] سے پوچھا۔

”بزرگ بابا! شاید میرے سوال میں کچھ معقولیت نہ ہو' تاہم اجازت ہو تو میں کچھ پوچھوں۔“

انہوں نے میری جانب مشفقانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ضرور پوچھو...... اگر میرے علم میں کچھ ہُوا تو میں بخوشی جواب دینا پسند کروں گا۔“

میں نے ایک معصوم سی ساعت کے لئے پھر اپنے سوال کی نوعیت پہ غور کیا...... ایمانداری سے مجھے [illegible] کہ میرا سوال ہر لحاظ سے بچگانہ سا ہے' جواب دینے والا علمی طور پہ خواہ کیسی ہی ثقہ حیثیت کا مالک [illegible] وہ اس کا جواب حتمی طور پہ نہیں دے سکتا...... قرآن حدیث کا سہارا لے گا یا پھر سینہ بہ سینہ منتقل ہونے

والی روایات کو دُہرائے گا...... قرآن حدیث کے علاوہ کوئی روایات سند نہیں بن سکتی۔ شرعی سہو و [illegible] اختراع میں افتراق کا احتمال بہر طور موجود رہتا ہے۔ وہ شاید میری گومگوں سی کیفیت جان گئے تھے اور [illegible] مجھے خاموش پا کر کمال شفقت سے میرا ہاتھ تھام کر میری ہمت بڑھاتے ہوئے بولے۔

’’جو بھی دل میں آئے ضرور پوچھو...... سوال کرنے کے لئے اور جواب دینے کے لئے ہوتا ہے۔‘‘

میں نے اپنا خشک حلق تر کرتے ہوئے پوچھا۔

’’مشفق بابا! کیا واقعی یہ مزارات ہابیل وقابیل علیہ السلام کے ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولین [illegible] میں سے تھے اور ایک بھائی دوسرے سگے بھائی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا...... کفن دفن کے طریقے میں ایک [illegible] نے راہنمائی کی تھی...... اور کیا یہ واقعہ اسی جگہ پیش آیا تھا جہاں آج یہ مزار ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو ظاہر ہے حضرت آدم علیہ السلام کی بود و باش بھی کہیں قریب ہی رہی ہوگی۔‘‘

میں نے ایک ہی سانس میں کئی ایک سوالات کی پوری میگزین خالی کر دی تھی...... خاموش ہو [illegible] ناک سے ایسے ہی دھواں نکل رہا تھا جیسے پورا میگزین فائر کرنے پہ گن کے نتھنوں سے خارج ہو رہا ہوتا ہے۔ [illegible] روشن چہرے [illegible] قطبی [illegible] آنکھوں میں ایسا [illegible] تھا دیکھنے [illegible]

میں سر ڈالے بیٹھا [illegible] اور وہ فرمانے لگے۔

’’مجھے از حد خوشی ہوئی کہ میرا تمہارے متعلق اندازہ بالکل درست نکلا۔ تم اور میرا پوتا دونوں ایک دلق میں لپٹے ہوئے معصوم مگر بے تاب روحوں والے نٹ کھٹ بچے ہو...... جن کی دنیا ان کی چادر کے اندر تک محدود ہے مگر تم شریروں نے اپنے اندر کی گھٹن اور تنگی سے نجات پانے کی خاطر اپنی تیز طرار انگلیوں سے کچھ سوراخ بنا رکھے ہیں...... ان چھوٹے بڑے سوراخوں سے تم باہر کے منظر دیکھنے کی اپنی سی سعی کرتے ہو اور کم از کم تم اتنا تو جانتے ہی ہو کہ کسی دریدہ سوراخ سے باہر کا منظر دیکھنے کے لئے صرف ایک آنکھ پہ ہی [illegible] کرنا پڑتا ہے...... اور کوئی منظر اپنی پوری جلوتوں اور وسعتوں کے ساتھ اس وقت تک نہیں کھلتا جب تک دونوں آنکھوں کے وسیلے سے نہ دیکھا جائے...... اب اس جہان آب و گل میں کچھ منظر ایسے ہوتے ہیں جو دونوں آنکھوں سے دیکھنے پہ بھی واضح نہیں ہوتے۔ انہیں کماحقہ طور پہ جاننے سمجھنے کے لئے تیسری آنکھ کی ضرورت پڑتی ہے...... اس سے آگے بڑھو تو جانو کہ کئی حقیقتیں تو تب بھی اپنی گیرائی کی [illegible] نہیں کھولتیں۔ اس مقام پہ ظاہری ابصارت ماند پڑ جاتی ہے۔ عقل کی گواہیاں ختم...... علم و ادراک کی [illegible] حجرو کے بند...... اب جہاں سے کشف، مراقبہ، دھیان اور جذب وغیرہ کی منزلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ تم [illegible] بچے بھی دوسرے لوگوں کی طرح دین و دنیا کو دیکھنے کے لئے اپنی ظاہری آنکھ استعمال کرتے ہو...... جو [illegible]

ہے جس کا دھندلا سا عکس دکھاتی ہے۔ اس کے باطن بھیتر تک پہنچنا اس کے بس کی بات نہیں۔ اندھیرے میں دیکھنے والی عینکیں، ایکسرے، میٹل ڈیٹیکٹر، الٹرا ساؤنڈ، لیزر گن، کیمرے گائیڈڈ میزائل وغیرہ اسی نوع کی ایجادات ہیں اس کی ادنیٰ سی مثالیں ہیں۔ باقی رہی بات کہ یہ واقعی ہابیل قابیل کا مزار ہے یا نہیں؟ سمجھو کہ آج تک حقیقی یا اصلی جیسے الفاظ کی معنوی لحاظ سے تصدیق یا توثیق نہیں کی جا سکی...... مسلمان تو محض سنی سنائی، پڑھی پڑھائی کبھی دکھائی، سینہ بہ سینہ، صدیوں کا سفر کرتی ہوئی باتوں حکایتوں اور روایتوں پہ آمنا صدقنا کہتا ہوا چلا آیا ہے...... ہم ایمان بالغیب پہ کاربند لوگ ہیں...... آخر مان لینے میں حرج ہی کتنا ہے۔ یہاں پہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی وہ حکایت یاد آتی ہے...... ایک لادین شخص حاضر ہوا، کہنے لگا۔

”یا علی ابن ابو طالب! میں اللہ کو وحدہٗ لاشریک نہیں مانتا...... جبکہ آپؓ مانتے ہیں۔ اب آپؓ یہ بتائیے کہ مجھ اور آپؓ میں کیا فرق ہے...... کھانا پینا پہننا آپؓ کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے اور میرے ساتھ بھی...... میں بھی خوش ہوں آپؓ بھی...... پھر مجھے آپؓ کے اللہ کو ماننے یا کلمہ پڑھنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی؟“

آپؓ مسکرا دیے بڑی نرمی سے فرمایا۔

”فرض کرو کہ میدانِ حشر بپا ہے...... خدا اور اس کی خدائی وہاں پہ موجود ہے، نہ ماننے والوں کو جہنم ملنے والی [illegible] گھاٹے میں تم ہو یا میں......“

وہ بد بخت ملحد بولا۔

”یقیناً میں گھاٹے میں ہوں کہ اللہ کو نہیں مانتا......“

اب آپؓ پھر فرمانے لگے۔

”اب فرض کرو کہ بقول تمہارے کہ اللہ کا وجود نہیں...... تو پھر کیا صورت ہوئی...... یعنی کوئی نہ تمہیں نقصان نہ مجھے کوئی گھاٹا......“

وہ بد بخت ملحد بولا۔

”بالکل درست......“

آپؓ مسکرائے اور فرمانے لگے۔

”پہلی صورت میں تم گھاٹے میں تھے...... دوسری صورت میں ہم دونوں برابر...... تو کیا یہ نفع کا سودا نہیں کہ ہم مان لیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے...... تاکہ کسی کو بھی نقصان گھاٹے کا احتمال ہی نہ رہے۔“

وہ مشرک یہ کھلی دلیل سن کر ایمان لے آیا...... مقصد بیان کرنے کا یہ تھا کہ سوائے موت کے کسی اور

اُمر کے لئے ''واقع'' کا صیغہ کا استعمال کرنا بڑا مشکل ہے۔ موت بھی اس لئے کہ یہ ظاہری آنکھوں کے
''واقعی'' واقع ہوتی ہے۔'' کچھ دیر آنکھیں بند کرنے کے بعد پھر فرمانے لگے۔

''اب ہمارے سامنے صرف ایک ہی سلامتی اور تشفی کا راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ ہم ایمان یا یقین کا دامن مضبوطی سے تھام لیں۔ عقلی دلائل نہ مانگیں...... حجت نہ پیش کریں یعنی جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنتے آئے ہیں اُسی کو درست جانیں...... شرط صرف یہ ہے کہ کیا ہمارے اسلاف راہِ حق پہ تھے؟...... آخر کسی نہ کسی آدمیوں کے گروہ نے یہ مزار تعمیر کئے ہوں گے...... انہیں کفنایا دفنایا ہوگا...... ان کی اگلی نسل...... پھر اس سے اگلی نسل...... یہاں تک کہ تم اور مجھ تک کا زمانہ آ لگا...... اسی طرح یہ سلسلہ آگے بھی روزِ حشر تک جاری و ساری رہے گا۔ یاد رکھو تسلیم و رضا یعنی حق' خیر کی بات کو مان لینا ہی بہتر ہوتا ہے...... مانو کہ ہمیشہ حق سچ کا پودا ہی [illegible] طرح پروان چڑھتا ہے۔ اس کا پھل میٹھا اور خوشبو دار ہوتا ہے...... جھوٹ' افترا اور باطل کو دوام نہیں۔''

بزرگ بابا اب میرے چہرے پہ نگاہیں گاڑے کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہو گئے جیسے وہ مزید گفتگو کرنے کے لئے اپنی توانائی مجتمع کرنے کے لئے رُکے ہوں پھر بڑی [illegible] سے بولے۔

''[illegible]! میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم میرے جواب سے کچھ مطمئن سے ہو گئے ہو گے اور مجھے کچھ یہ اندازہ ہے کہ [illegible]؟''

''ہاں بابا!...... میں جانتا ہوں کہ آپ کا وقت بہت قیمتی ہے اور آپ یوں زیادہ دیر بیٹھ بھی نہیں سکتے۔ صرف آخری سوال ان مزارات پہ ایسی اُداسی' بے رونقی اور ویرانی سی کیوں ہے؟...... میں بے شمار نبیوں پیغمبروں' ولیوں' قطبوں کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں...... لیکن ایسی بے سروسامانی دھندلاہٹ اور دل کو جکڑ والی گھٹن کہیں اور نہیں دیکھی...... یہاں پہنچ کر کچھ......؟''

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے میری بات کو بیچ میں ہی قطع کر دیا۔

''ہر صاحبِ مزار کا اپنا مزاج اور ماحول ہوتا ہے۔ پھر اور بھی کچھ محرکات ہوتے ہیں جو ان کے دانستہ یا غیر دانستہ طور پہ سرزد ہو جانے والے اعمال یا کسی سہو کا شاخسانہ ہوتے ہیں۔ بہت سی مثالوں میں سے ایک مثال ہاروت ماروت فرشتوں کی دی جا سکتی ہے...... شیطان کے بہکاوے میں آ کر جن سے گناہ سرزد ہوا جس کی پاداش میں انہیں قیامت تک کنویں میں اُلٹا لٹکا دیا گیا...... انسان روشنی کے لئے دیا تو جلا سکتا ہے اس کو جلائے رکھنا اس کے اُجالے سے ظلمت کے اندھیرے دُور کرنا تو اس کے بس میں نہیں ہوتا...... یہ تو قادرِ مطلق کا کام ہے...... اور قبر کے اندر کا حال وہی جانتا ہے...... تمہیں تو تجربہ ہوگا کہ کسی مزار پہ پہنچ کر کنول کی مانند کھل اُٹھتا ہے...... کہیں طبیعت ملول ہو جاتی ہے...... اور کہیں رونے' آہ و بکا' سینہ کوبی کرنے کو

[illegible] کہیں تو ہونٹوں پہ چپ کی مہر ٹھک جاتی ہے، دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ کہیں پہنچتے ہی صاحبِ مزار کا [illegible] ہو جاتا ہے...... اور کہیں ساری عمر کی حاضریوں سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا...... لیکن بیٹا! ہمیں ان [illegible] طرف دھیان نہیں دینا چاہئے۔ فاتحہ شریف دُعا ہوتی ہے...... ہمارا کام یہی ہے کہ ہم ان کے [illegible] کے لئے دُعا مانگیں۔“

[illegible] وہ نشست کو سمیٹنے کی غائیت سے فرمانے لگے۔

[illegible] خیال ہے کہ اب تمہارے سوال ختم ہو چکے ہیں...... میں نہیں جانتا کہ تمہارا اگلا سیر و سیاحت کا [illegible] ہے...... اگر وقت ہو تو جب تک چاہو مجھ عاجز کو شرفِ میزبانی بخشو...... نبیل یمانی کے ساتھ اس [illegible] پہ خوب گھومو پھرو...... ایک دوسرے کی رفاقت میں تم دونوں کا وقت خوب گزرے گا...... اور [illegible] ہے کہ صرف تم ہی اس کی سوچوں اور خیالات میں کچھ مثبت تبدیلی لا سکتے ہو۔“

[illegible] آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں...... میں تو خود بڑا بگڑا ہوا افلاطون ہوں...... میری [illegible] سیدھی نہیں۔“

[illegible] مسکراتے ہوئے بتانے لگے۔

[illegible] کی اجازت [illegible] درخواست دی جاتی ہے جیسے کہ تم نے بھی دی۔ یہ درخواستیں عسکری تحفظات [illegible] محکمہ جانچ [illegible] کرتا ہے پھر اس زائر کے پاسپورٹ اور دیگر کاغذات کی نقلیں اور ضروری معلومات وغیرہ [illegible] ہیں...... میں یہاں متولی ہونے کے علاوہ سرکاری [illegible] اور اس علاقے کا قاضی بھی [illegible] سے میں تمہارے متعلق تمام ضروری معلومات رکھتا ہوں...... ثمیر یمانی بھی تمہیں [illegible] تم نے دیکھا کہ وہ خراماں خراماں تمہیں لینے کے لئے ہوٹل پہنچا تھا۔“

[illegible] نبیل بھی پہنچ گیا...... وہ نبیل سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

[illegible] آج کے دن کے لئے ان سے فراغت ہوئی۔ اب تمہاری عملداری میں ہے...... اسے [illegible] دمشق کی سیر کراؤ...... کھلاؤ پلاؤ...... یہ تمہارا دوست بھی ہے اور بھائی بھی۔“

[illegible] یمانی نے مجھے وہاں سے ٹلنے کے لئے آنکھ لگائی...... بزرگ بابا کی دُعاؤں کے ساتھ میں [illegible] رخصت ہوا۔

[illegible] دمشق میں کئی روز سے مقیم تھا۔ میرا ایک زیرو سٹار ہوٹل شہر کے وسط میں ایک شاہراہ پہ واقع تھا [illegible] کی آسانیاں میسر تھیں۔ میں عموماً اپنے مختصر سے قیام کے لئے اسی ہوٹل میں ٹھہرتا تھا۔ اس

کا مجہول سا مالک جو اس کا منیجر، بیرا، چوکیدار، باورچی اور نہ جانے کیا کچھ تھا، میرا خوب آشنا تھا۔ اسے جب موقع ملتا شامی سٹائل انگریزی میں وہ مجھ سے خوب مزے مزے کی باتیں کرتا رہتا...... اس ہوٹل کے سامنے دمشق بلدیہ کا دفتر، اس کے پیچھے کی جانب جامع اُمیہ، ساتھ ہی سوق حمیدیہ...... اور گردو نواح میں اور جدید بازار، گلیاں، کوچے، قلعہ دمشق، بس سٹیشن، چوک، فوارے، ستون، چبوترے جھروکے...... جا بجا ہوئی انگوروں کی بیلیں، آڑوؤں، شفتالوں سے منڈھی ہوئی سنگی دیواریں...... پانی کے سنگی حوض، ان میں تیر ہوئے گلِ ریحان اور موگرے کی کلیاں......!

بغداد، دمشق، قاہرہ اور استنبول دُنیا بھر میں یہ چار تاریخی بلد ایسے ہیں جن کے بازار، گلی کوچے اور پہاڑ...... ان کی تہذیب، رسم و رواج پر اسراریت یہاں کے لوگ، [illegible] یہاں کی روایات، قدامت انسان کو دیوانہ بنا دیتی ہے۔ شرط فقط یہ ہے کہ بندہ ذرا کھسکا ہوا ہونا چاہیے۔ [illegible] پرانے دمشق کے گلی بازاروں کی مجہول جگہوں اور خوبصورتیوں میں کھویا ہوا انسان بڑی مشکل سے باہر نکلتا ہے۔ [illegible] میں قریب پانچوں نماز [illegible] جامع اُمیہ میں ہی ادا کرتا تھا...... باقی وقت [illegible] شہزادی بی بی زینب [illegible] پہ چلا جاتا کوچوں [illegible] چل [illegible] پھرتا [illegible] جہاں [illegible] ت گئے لوٹا ہوا ہوٹل واپس پہنچ جاتا۔

اگلے روز دوپہر سے کچھ پہلے نبیل ہمانی نے ہوٹل میں داخل ہوتے ہی مجھے حکم دیا۔

”جنٹلمین! فوراً تیار ہو جاؤ۔ آج تجھے میری پھلجھڑی سے ملنا ہے۔“

میں بڑا سٹپٹایا۔

”بھائی! مجھے وہاں مت لے جاؤ...... وہاں میرا کیا کام......؟“

وہ حسبِ عادت آنکھ دبا کر بولا۔

”دوست! ذرا میری پھلجھڑی تو دیکھو...... میں نے کل اس سے تمہارا ذکر کیا تھا کہ انگلینڈ سے ایک دوست سیاحت کے لئے یہاں آیا ہے۔ وہ خوشی سے چہکتے ہوئے کہنے لگی۔ اس سے ضرور ملواؤ نے آج لنچ پہ تمہارے لئے خصوصی طور پہ فش اینڈ چپس گارلک بریڈ...... مشروم سوپ اور سٹیم بروسٹ کا اہتمام کیا ہے...... اور رات کو ہم تینوں فلم دیکھنے چلیں گے...... ییلو رولس رائس...... اوہ گ صوفیہ لورین اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اس فلم میں جلوہ آرا ہے۔“

وہ پانچوں انگلیوں کی پوروں کو اکٹھا کرتے ہوئے چوم کر کچھ مزید کہنے لگا تو میں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"پیارے بھائی! کل کی تھکن ابھی تک دُور نہیں، رات صبح سے سو بھی نہیں سکا۔ سر میں ہتھوڑے سے چل رہے ہیں۔۔۔ خدا کے لئے مجھے آج معاف کر دو۔۔۔ انشاءاللہ! کل لنچ اور فلم دونوں پہ چلیں گے۔۔۔"

وہ میری التجا بھری درخواست پہ خاک ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔

"دوست! میری کلثوم سے ملو گے تو درد وَرد سب بھول جاؤ گے ایسی الٹرا اسمارٹ اور روشن خیال و خواب صورت لڑکی تم نے زندگی بھر نہ دیکھی ہوگی۔۔۔ اگر پھر بھی کوئی کسر رہ گئی ہوگی تو ییلو روس رائس میں صوفیہ لورین پوری کر دے گی۔۔۔"

میں نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ شروع ہو چکا تھا۔

"شاید تمہیں معلوم ہو کہ صوفیہ لورین کو بچپن کے تمام عرصے میں کالا یرقان ہو گیا تھا۔۔۔ باقاعدہ سبب کوئی تھا نہیں، مسکین ماں علاج کروانے سے عاجز تھی۔۔۔ صوفیہ پہلے ہی پیلی پھٹکی سی تھی یرقان نے مزید پیلا کر دیا، نتیجہ وہ ابھی تک پیلی مینڈک سی ہے۔ ییلو رولس رائس اس کی مناسبت سے بالکل درست نام ہے۔۔۔ یہ فلم میں ان گنت بار دیکھ چکا ہوں، یہاں تو خیر عربی میں [illegible] کر کے دکھائی جا رہی [illegible] سے اس کا [illegible] انگریزی میں [illegible] کے صوفیہ کا مافی الضمیر بتاتا جاؤں گا۔۔۔"

میں نے اس کی لن ترانی سے زچ ہو کر کہا۔

"بھائی! میں نے بھی اتفاق سے یہ فلم دیکھ رکھی ہے۔ اب میں اسے مزید عربی میں نہیں دیکھ سکتا۔۔۔ عربی میرے نزدیک بڑی مقدس اور پُر وقار زبان ہے۔۔۔ آئی لو یو والی زبان نہیں۔۔۔"

اس نے فوراً بات اُچکتے ہوئے کہا۔

"مہربان! میں یہ فلم تمہیں عربی زبان کے حوالے سے دکھا نہیں رہا ہوں میں تو صرف تمہیں اس فلم کی پچھلی سیٹ ملاحظہ کرنے کے لئے دکھا رہا ہوں۔ سن ۲۷ کے ماڈل کی پیرا اگیز یو سپیشل ایڈیشن ۶ سلنڈر سیٹ ییلو کلر کی رولس رائس۔۔۔ ہائے ہائے! اس کے لمبے سے انجن سے لگ کر وہ جب مڈگارڈ پہ اپنی کہنی ٹکا کر کھڑی ہوتی ہے۔۔۔ پیلا لباس، پیلی چھتری، پیلا پرس۔۔۔ کاپر آبرن شیڈ بالوں میں اڑسی ہوئی پیلی جوہی کی کلیاں! پچھلے پہیے۔۔۔ اس فلم کا یہ فریم دُنیا کا سب سے خوبصورت فلمی فریم ہے۔"

میں نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"آخر تمہیں پیلا رنگ اس قدر کیوں پسند ہے؟"

کھٹ سے اُس کا جواب آیا۔

''اس لئے کہ میری منگیتر کلثوم کو یرقان ہے۔ اُس کی آنکھوں میں سرسوں پھولی رہتی ہے۔ چہرے پہ بسنت بہار کا سماں رہتا ہے...... گالوں' ہونٹوں اور ناخنوں میں خون کی رمق نہیں۔ دانت حد سے زیادہ پیلے۔ وٹامن سی اور کیلشیم کی بے انتہا کمی...... وزن ساٹھ پونڈ سے کم' کمر سترہ انچ اور سینہ......؟''

میں ہاتھ جوڑے رونی سی صورت بنا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

''ظلِ سبحانی یا نبیل یمانی! اگر تم میں رتّی بھر بھی حسِ ایمانی موجود ہے تو میرے اگلے پچھلے گناہ بخش دو اور مجھے آج نہ لے جاؤ۔ دیکھو میرے سر میں بلا کا درد ہے......''

وہ انتہائی ڈھٹائی سے گھسیٹ کر مجھے کمرے سے باہر کرتے ہوئے بولا۔

''تم میرے ساتھ تو چلو...... میرے پاس سب دردوں کے علاج موجود ہیں......''

یہاں میں نے اندازہ کر لیا کہ اس پاگل کے آگے میری کچھ ہاں ناں چلنے کی نہیں۔ یہاں تو اس کے قابلِ قدر والد ثنائی نے بھی ہتھیار ڈال دیئے ہوئے ہیں' بھلا میں کس باغ کی مولی ہوں۔ میں جب بھی کچھ کہنے کے لئے لب کھولتا وہ میری بات اُچک کر مجھے کسی اور الجھن پہ ڈال دیتا...... اس صورتِ حال کا ادراک کرتے ہو[illegible] [illegible] ...ے کر دیا کہ ہو سو جو ہو......!

ایک دریائی سفر کے دوران مجھے ایک دریا دیدہ ملاح نے بڑے کام کا ٹوٹکا بتایا تھا...... غرق ہونے والے کو اگر یہ احساس ہو جائے کہ بپھرے تند دریا کے سامنے اس کی ایک نہیں چلے گی تو اس کے لئے لازم ہے کہ خود کو ڈھیلا ڈھالا چھوڑ کر بہاؤ کے رحم و کرم پہ ڈال دے...... ہاتھ پاؤں ہلانا چلانا بالکل بند کر کے اور حواس برقرار رکھتے ہوئے اپنی توانائی کو ضائع نہ ہونے دے۔ سانس روکنے اور بھرنے پہ دھیان رکھے جب دریا اُسے نیچے لے جائے تو فوراً پھیپھڑوں میں ہوا بھر کر بلا کسی مزاحمت کے نیچے چلا جائے۔ پیٹ میں ہوگی تو پانی پھر اُسے اُوپر سطح پہ لے آئے گا اور پہنچتے ہی فوراً ہوا خارج کر دے۔ پھر نیا سانس بھرے۔ اگر پھر نیچے لے جائے تو بغیر کسی مزاحمت کے پھر نیچے چلا جائے۔ یہی عمل دہراتا رہے تا وقت کوئی ایسا آئے کہ وہ معمولی سی کوشش سے کسی کنارے لگ جائے۔ اس ٹوٹکے پہ صاد کرتے ہوئے میں نے خود کو بلائے ناگہانی نبیل یمانی کے سپرد کر دیا تھا۔

کم و بیش گھنٹہ بھر کے طوفانی سفر کے بعد ہم خیر خیریت سے اس کے سسرالی گاؤں (جو محض چند

[illegible] مٹی کی چھتوں والے ڈربہ نما گھروں پہ مشتمل تھا) پہنچے تو سورج کی تمازت میں خاصی تلخی آ چکی [illegible] شہر ابوری میں اس نے موٹر سائیکل ایک دیوار کے سائے میں کھڑی کی۔ مجھے گھسیٹتا ہوا وہ اپنے سسر [illegible] داخل ہوا...... علیک سلیک چوما چاٹی کے بعد تعارف ہُوا...... ٹھنڈے میٹھے مشروب سے تواضع ہوئی [illegible] کے عقب کی جانب نکل آئے یہاں الگ تھلگ سے مکان میں اُس کی منگیتر کلثوم رہتی تھی۔ وہ مجھے [illegible] اندر داخل ہوا جیسے میں یہاں سے بچھڑ کر بھاگا ہوا تھا...... دستک نہ کوئی کھنگورا...... سیدھے [illegible] یہاں صحرائی گھرانوں میں نشست و برخاست' طعام و قیام کے طور طریقے بڑے سادے اور فطری [illegible] فرشی نشست بڑا سکون اور آرام دیتی ہے...... بات چیت' کھانا پینا' آرام و قیلولہ اور شب بسری [illegible] کوئی تکلف نہ تکلیف' کلثوم کے گھر والے مجھے یوں ملے جیسے میں ان ہی کے خاندان کا ایک فرد [illegible] مدت کے بعد پردیس سے لوٹا ہوں...... کلثوم نے ایک تنگ سی قمیص اور ہاف بلاؤز پہنا ہوا تھا۔ بال [illegible] اور ناخن ابھی تراشے ہوئے تھے' اونچی ایڑی کے سینڈل...... ہلکا ہلکا میک اپ...... وہ پھرکی کی [illegible] تھی...... ہمارے اندر داخل ہونے پہ بھی اس کے لپ سٹک پُتے ہونٹوں [illegible] سنہری تیلی والا [illegible] جبکہ تھوڑی دیر اس کی ماں' چھوٹی بہن اور [illegible] بھی اسی [illegible] کا شکار نظر آ [illegible]

[illegible] اس چھوٹے [illegible] تمباکو کا دھواں بُو باس پھیلی تھی۔ الٰہی امتیں کہاں دھرا گیا؟ بغلی کمرا [illegible] باورچی خانہ [illegible] دوں کچا [illegible] کے تلنے جلنے کی بوئیں' خوشبوئیں آ رہی تھیں...... جس [illegible] بھوک بھی انگڑائی توڑ [illegible] پڑی...... مگر اس سے پہلے مختلف انواع کے پھل اور مشروب رکھ دیئے گئے۔ بڑا سا کیرم بورڈ بھی آ [illegible] چھوٹے بڑے بلا تمیز و امتیاز' ادب و حجاب' ایک دوسرے میں ضم و پیوست کیرم کھیل رہے ہیں [illegible] منہ [illegible] پھیلائے' اس جنتی مسکراتی' غمِ دوراں سے بے نیاز' انسانی لسانی تعصبات و کدورتوں سے [illegible] فیملی کو دیکھ رہا تھا...... چاروں ادھر مصروف تھے۔ میں پاس بیٹھا فارغ اور کلثوم باورچی خانے [illegible]

[illegible] کلثوم نے اندر باورچی خانے سے ہی ہانک لگائی۔

[illegible] ان پاگلوں کو اُدھر لگا رہنے دو...... تم میرے پاس اندر آ جاؤ...... کام بھی کریں گے اور ساتھ ساتھ [illegible]

[illegible]

میں اندر جانے نہ جانے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ نبیل نے مجھے آنکھ نکالی اور منہ بگاڑتے [illegible] چی خانے میں جانے کا اشارہ کیا۔

باورچی خانہ کیا تھا اِک کباڑ خانہ تھا...... شاید ان لوگوں نے یہ مکان عارضی طور پہ بنا رکھا تھا۔

سلنڈر گیس کا چولہا...... اِدھر اُدھر بے ترتیب سے رکھے کھانے پینے کے برتن...... بے ہنگم سی فریج' جو بار بار جھٹکے لے رہی تھی...... پانی کے لئے پلاسٹک کا ایک ڈرم...... خشک پیاز' لہسن کے لٹکے ہوئے ہار...... اور کچھ کے پارچے جو جھنڈیوں کی طرح اس دیوار سے اُس دیوار تک پلاسٹک کی رسیوں پہ لٹکے سُوکھ رہے تھے۔ اب سمجھ میں آیا کہ مچھلی کی بُوباس کہاں سے آ رہی تھی...... کلثوم نے انگریزی میں ہائے کرنے کے بعد مجھے پوٹیٹو پیلر پکڑاتے ہوئے کہا۔

"تم آلو چھیلو میں سبزیاں کاٹتی ہوں۔"

ذرا اندازہ کریں کہ کیا خوبصورت بے تکلفی تھی...... آتے ہی بیس منٹوں میں اُنہوں نے مجھے چھیلنے پہ لگا دیا...... اور وہ خود کیرم کھیلنے میں مگن......!

"محترم دادا سے مل کر تم یقیناً خوش ہوئے ہو گے...... سچ سچ بتاؤ تم نے ایسے شفیق' فرشتہ سیرت انسان اس سے پہلے کہیں دیکھے ہیں؟"

وہ آکسفورڈین لہجے میں بڑی نفیس انگریزی میں بات کر رہی تھی۔

"ہم بڑے خوش قسمت ہیں کہ ان جیسے مہربان [illegible] ہمیں نصیب ہوئے ہیں...... نبیل بتا رہا تھا کہ تم انگلینڈ میں رہتے ہو...... [illegible] بزرگوں بابوں اور مزاروں کی زیارت تمہارے مشاغل ہیں...... تم لکھنے لکھانے سے بھی شغف رکھتے ہو...... اور سب سے بڑی بات کہ تم آوارہ منش ہو کہیں شام کہیں تمہاری زندگی ہے...... مجھے یہ سب کچھ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی...... اسی لئے میں نے نبیل کو تاکید کی تھی کہ وہ تمہیں یہاں ضرور لائے......"

وہ بُجھتے ہوئے سگریٹ کے ساتھ نیا سگریٹ سلگا کر نبیل کی طرح مجھے آنکھ ٹکا کر کہنے لگی۔

"ہم دونوں بھی تمہاری طرح ہیں۔ یعنی ہماری تمہاری ایک ہی برادری ہے لیکن تعجب ہے کہ تم سگریٹ نہیں پیتے...... دیس بدیس' لمبے لمبے سفر' طرح طرح کے لوگ میرا مطلب ہے تم اپنی بوریت کیسے دُور کرتے ہو؟" وہ مقامی سگریٹ کا پیکٹ بڑھاتے ہوئے بولی۔

"لو ایک سگریٹ سلگا کر دیکھو...... یہ سیریا کے بہترین تمباکو سے بلینڈڈ ہیں......"

"شکریہ! میں تمباکو کی بُو سے الرجک ہوں...... لیکن کبھی موڈ موقعہ ہو تو پی بھی لیتا ہوں لائٹ مائیلڈ لائیک اے سیلم برانڈ یا پھر مینتھل...... شامی' مصری تمباکو بڑا اسٹرانگ ہوتا ہے۔"

وہ سبزیاں دھو کر چھلنے میں ڈالتی ہوئی بولی۔

"گولی مارو تمباکو کو...... اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں پیرا نارمل سائنسز سے کس حد تک دلچسپی ہے...... یہ تو مجھے

[illegible] ایسے ہی راستوں کے مسافر ہو لیکن میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ تم اب تک اس منزل کا کتنا راستہ [illegible]......؟"

مجھے قطعی توقع نہیں تھی کہ ایسی الٹرا ماڈرن، مادر پدر آزاد لڑکی اچانک ایسا سوال داغ دے گی کہ جس کا [illegible] اس کی ذات صفات سے نہیں ملتا...... جب فوراً کچھ جواب بن نہ پڑا تو میں نے انٹ شنٹ [illegible] کیا۔

"میڈم! واضح کر دوں کہ میں نمیل اور تمہاری طرح کوئی پڑھا لکھا ڈگری ہولڈر نہیں...... اَن پڑھ جاہل [illegible]...... آپ نے ابھی جو مشکل سا لفظ بولا ہے میں تو اس کے معنی تک نہیں جانتا...... بس مجھے در بدر [illegible] اور خوار ہونے کا شوق ہے۔ باقی رہا کہ مجھے مزاروں، قبرستانوں سے دلچسپی ہے اور بزرگوں بابوں [illegible] رہتا ہوں تو یہ سب کچھ مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں خود کو جاننے پہچاننے کے راستے پہ ہوں۔ خوش نصیبی [illegible] یونیورسٹیوں تک تو میری رسائی نہ ہو سکی لہٰذا میں حجروں، خانقاہوں، مسجدوں، معبدوں اور بابوں [illegible] کی جستجو میں ہوں جو میری غیر ضروری ظاہریت، مادیت سلامتی کی حد تک جلا کر راکھ کر دے [illegible] خرد کو خیرہ اور سوچ و فکر کو سلجھا [illegible] مجھے خوب پتہ ہے میں [illegible] ایک بار کسی [illegible]

[illegible] اڑو گے تو نئے ارض و سما دیکھو گے۔ روشنی بن کر پھیلو گے تو نئے زمانہ و زماں دیکھو گے...... [illegible] بکھرو گے تو نئے شہر و چمن دیکھو گے...... پرندے کا کام اڑنا، روشنی کا کام پھیلنا اور خوشبو کا کام [illegible] ہے۔ درویش...... پرندے روشنی اور خوشبو کی مانند ہوتا ہے...... جنہیں درس گاہوں کی گھٹن راس نہیں [illegible] جانوں کی شاہراہوں پہ نکل جائیں...... کہتے ہیں کہ سوار سے زیادہ پیادہ حاصل کرتا ہے...... راستوں [illegible] بھی اور منزل کا ثمر بھی......"

میں اپنے فلو میں کہے جا رہا تھا اور وہ بت بنی مجھے تکے جا رہی تھی...... سگریٹ اس کی انگلیوں میں [illegible] رہا تھا...... وہ شاید اپنی روٹین کا کش لگانا بھی بھول گئی تھی...... وہ آنکھیں جھپکے بنا کہنے لگی۔

"پرندوں، روشنیوں اور خوشبوؤں کے بارے میں میرے اندازے تجزیے تبصرے اکثر درست [illegible] ہیں...... اور اگر اس میں کچھ کوے کتے اور گھوڑے بھی شامل کر لو تو یہ بھی صحیح ہو گا...... شاید تم جانتے ہو گے [illegible] روشنی اور خوشبو ایک طرح سے مختلف رویے رخ ہیں۔ یہ تینوں آپس میں اس طرح سے ضم ہیں کہ ان [illegible] کسی ایک دوجے سے الگ نہیں کیا جا سکتا...... یہی علامتی استعارے پیرانارمل سائنسز کی اصل بنیاد [illegible]

میں حیران پریشان کہ یہ کھل ٹجل جنیاسی لڑکی...... کیسی ادق فدق سی باتوں میں اُلجھ رہی ہے۔ مختلف چیزوں کی اشتہا انگیز بھاپ اور خوشبو نے دل و دماغ کی کھڑکیاں جھروکے بند اور معدے پیٹ کا کھول دیا تھا...... میں نے بات کا رُخ پلٹنے کی خاطر کہا۔

”میڈم! پیٹ میں پیرا ابنارمل سی بھوک نے فساد برپا کر دیا ہے...... آپ کی فش اور چپس ڈیپ چین سے کب برآمد ہوں گے......؟“

وہ ملی جُلی شرارت اور محبت سے مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

”میں جانتی ہوں ہم تھرڈ ورلڈ کے بے چاری لوگوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ بھوک بھی ہے طور پہ وہ بے سواد اور سویٹ ٹیسٹ لوگ جو سگریٹ نوشی‘ تاش‘ کیرم بورڈ‘ موسیقی‘ ڈانس اور پلے بوائے میگزین پڑھنے کے فوائد سے واقف نہیں انہیں بھوک کا مسئلہ اور پیاس خوب لگتی ہے۔ جس بے سواد پینے کے علاوہ کسی اور تفریح سے دلچسپی نہ ہوگی وہ کیا جیئے گا۔ بہر حال صبر کے اونٹ کے گھٹنے باندھ اللہ بہترین رزق دینے والا ہے۔“

”بھوک کی بات میں سگریٹ‘ کیرم‘ تاش‘ موسیقی اور پلے بوائے میگزین کہاں سے [illegible]

وہ [illegible] فلو میں بولی۔

”بالکل اسی طرح‘ جس طرح ہماری تمہاری اس خوشگوار ملاقات کے درمیان باسی مچھلی اور سائنسز آگھسی ہے...... اور نشاستے سے بھرپور آلو‘ جنہیں فش اینڈ چپس کی صورت میں نگل لینے کے بعد ذہنی طور پہ بولا اُٹھتا ہے۔ پھر وہ کوئی نفسیاتی‘ جنسیاتی یا اور کوئی واہیاتی قسم کی تخریب کاری تو کر سکتا ہے تعمیری‘ تخلیقی طرز کا کوئی شہکار ترتیب نہیں دے سکتا۔ مائی ڈیئر انٹلکچوئل ٹورسٹ! تعمیر سے تخریب اور تخریب تعمیر وابستہ ہے...... یہ انسانی سائیکو پہ مبنی کھیل تماشے‘ تمثیلیں‘ رقص‘ پاپٹ‘ دنگل‘ سرکس‘ شطرنج‘ تاش‘ کیرم کرکٹ وغیرہ یہ سب کیا ہیں؟ محض انسانی بہلاوے‘ وقت گزاری کی دلچسپیاں...... کھیل ہی کھیل میں ذہانت‘ طینت‘ اس کی خوبیوں خرابیوں اور کمینگیوں کے نمود و اظہار کے استعارے۔ جس طرح پھول میں قید نہیں رہ سکتی‘ پھلوں میں مہک اور مٹھاس بند نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح پھوڑے‘ گھاؤ میں زہریلا بھی اپنا اظہار اور نمود چاہتا ہے خوبی اور خرابی کا نمود و اظہار...... صحت مند خیالات‘ متوازن سوچ‘ رائج فطری طرزِ زندگی کا انداز ہے۔ یہیں دیکھ لو کہ تم میرا مغز چاٹ رہے ہو اور اپنا سر کھپا رہے ہو...... اور سارے زن و مرد‘ پیر و جوان کیرم پہ بیٹھے دُنیا و مافیہا سے بے خبر‘ دکھ غم بھوک پیاس سے بے نیاز ایک دوسر

ے میں مصروف ہیں۔ قہقہے، لطیفے، پھبتیاں، جگتیں، بے ایمانیاں، بے تکلفیاں سب چل رہی ہیں...... سمجھتے ہیں کہ یہ محض کھیل ہے...... حقیقت نہیں...... یہ فلمیں، رسالے، میوزک، ڈانس، سگریٹ، چھوٹے موٹے کے بغیر، لڑائیاں جھگڑے سب اسی طرح کے کھیل تماشے ہیں...... محض زندگی کو بہلانے، خوشگوار بنانے کو بہانے...... مذہب، عقیدہ اپنی جگہ پہ دُرست رکھو...... مگر زندگی بسر کرنا بھی سیکھو...... قرآن حکیم اپنی عظمت کے ساتھ ہمیشہ زندہ و تابندہ ہے مگر اس کے علاوہ بھی تو زمینی آسمانی کتابیں پڑھی جا سکتی ہیں...... بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دین کے ساتھ دُنیا بہت ضروری ہے ورنہ اُدھورے، لولے لنگڑے اور رہ جاؤ گے...... مائی گاڈ!"

میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا نبیل اور اس کا قارورہ ایک ہی ہے۔ اللہ نے خوب جوڑی ملائی ہے...... شادی کے بعد بچے و بچے انہوں نے کیا پیدا کرنے ہیں۔ انشاء اللہ یہ ساری عمر آپس میں سینگ پھنسائے رہیں گے اور یہ اگر ایک دوسرے کو برداشت کر بیٹھے تو دونوں پاگل ہو جائیں گے۔ میرا تجربہ ہے کہ جیسے کسی پاگل سے واسطہ پڑ جائے تو فوراً خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔ بس کہیں کہیں ہاں ہوں کرتے ہوئے [illegible] متفق بھی [illegible] مستفید بھی ہو رہے ہیں۔ یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے میں کئی بار ایسے ہی جھلوں سے خود کو بچا چکا ہوں۔ ایک چھوٹے وقفے کے درمیان جب اس نے اُبلتی ہوئی سبزیوں میں ایک گاجر کا ٹکڑا نکال کر چکھنا شروع کیا تو میں موقعہ پا کر کیرم والے کمرے میں کھسک لیا...... نبیل یمانی نے میری جانب دیکھے بغیر ہی پوچھا۔

"کھانے کی کیا خبر ہے...... [illegible]......؟"

میرا باورچی خانے سے ٹلنا ہی بہتر ثابت ہوا کہ کیرم بورڈ اُٹھانے اور دسترخوان بچھانے کا حکم صادر ہو گیا...... اُبلی ہوئی سبزیاں، تلی ہوئی مچھلی، آلو کے چپس...... تنوری مخروطی روٹیاں، روغنِ زیتون، شہد، پنیر اور سرکہ ے، شلجم، سبز مرچیں اور گوبھی...... بھوک کسی آندھی کی مانند اُمڈی ہوئی تھی...... لکڑی کے ایک بڑے سے طبق میں ماحضر ڈھیر کر دیا گیا اور پھر ہر کوئی مرد و زن اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نبرد آزما ہو گیا...... کھانے پینے کا اصل لطف بھی ایسی چھینا جھپٹی اور نفسا نفسی میں ہی حاصل ہوتا ہے۔ اُنگلیاں، ہاتھ، منہ، پیٹ، نیت، آنکھیں سب مصروفِ کار یعنی اک میدان حشر بپا تھا...... اس طباقی میدان میں پتہ چلتا ہے کہ آدمی، انسان تو کبھی کبھی مزید درندہ اکثر ہی ہوتا ہے۔

نبیل یمانی نے اگلے ایک دو روز اپنی سپیڈ مشین پہ مجھے خوب گھمایا...... کلثوم بھی ساتھ نکلتی اگر موٹر سائیکل پہ تینوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی...... لبنان کی جانب نکلنے سے پیشتر میں ثمیر یمانی کے ساتھ

بزرگ بابا کو سلام کرنے کی غرض سے گیا' بہت خوش ہوئے بہت سی دعائیں دیتے ہوئے نصیحت کی کہ جس بنیاد کسب حلال پہ ہوگی اُس کا مینارہ کلمۂ حق ہوگا۔

میری سمجھ میں کچھ نہ پڑا۔

پھر فرمایا۔

"کتابوں' مدرسوں میں عنوان ملتے ہیں...... علم و حلم کی پہچان سفرِ بے وسیلہ میں ہوتی ہے۔"

یہ فرمودہ بھی پلے نہ پڑا...... نیچے سڑک تک چھوڑنے آئے...... تاکید کی کہ جب بیروت پہنچو تو صید کے ساحل پہ درویش سلیمانی آفی کی سرائے میں ضرور جانا اُسے میرا سلام کہنا...... دُرویش کسے کہتے ہیں یہ تمہیں اس سے مل کر اندازہ ہوگا...... دمشق والے بزرگ بابا کے مشورے کے تحت اب میں اُدھر ہولیا۔

* * *

یہ ساری کتھا لکھنے کا مقصود صرف یہ تھا کہ میں فی الحال بیروت کے قریب' ساحل سے کچھ پرے سلیمان آفی کی کیکروں والی سرائے میں صرف دُرویش دیکھنے کے لئے پڑا ہوا تھا......

فریدا کالے میڈے کپڑے کالا میڈا ویس
گناہیں بھریا میں پھراں لوک کہن درویش

دُرویشی ہوتی ہی کالی شیا ہے...... لفظ دُرویش کو جس رنگ ڈھنگ میں بھی پڑھیں...... اندر سے کالی کالک اور سواہ ہی گھلی ہے...... "دُر" پڑھیں یا "دَر" پڑھیں...... دُر دُر کہیں یا دَر دَر کہیں...... ویش لیں یا ویس پڑھیں۔ اس سے ملامت ہی چھلکتی ہے...... ملامتی اور ملامتی بڑے گپت ہوتے ہیں جذبات' کرب اور صدق کے خمیر سے ان کی گل تیار ہوئی ہوتی ہے۔ پھر اک جگ سے نرالا قالب ڈھلتا اور اس کلبوت کے اندر انوکھے سے کرتوت ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں کی سدھ اُلٹ کی قطعی سمجھ نہیں آتی۔ یہ مومن دکھائی دیتے ہیں اور نہ زاہد زندیق' یہ عجیب سے باریک ہوتے ہیں...... بھیتر جگ مگ' ظاہر تاریک ہوتے ہیں اور جان کو جان سمجھتے ہیں کُتّا یا انسان نہیں......!

میں روزِ اوّل سے ہی سلیمان آفی اور اس کے دونوں بیٹوں پہ نگاہ رکھے ہوئے تھا...... عجیب گل سے بنے ہوئے گلدان تھے...... کہ بن میں برگ و گُل تو بے دیکھے دکھائی نہ دیئے...... البتہ خشک خس و خاشاک خار خرابوں کی کمی نہ تھی...... دن کو دیکھو تو کھانے پکانے میں لگے ہوئے اور رات کو بھی پہر دیکھو تو کسی نہ کام دھندے میں جُتے ہوئے ہیں۔ نہ انہیں کبھی سوتے موتے دیکھا اور نہ ہی کبھی ہنستے روتے پایا۔ دیکھی بُشرے پہ نہ جُتنے پہ تھکن پائی...... ہر لمحہ مستعد اور ہر پل مہرباں اور کبھی یوں محسوس ہوتا کہ جیسے وہ

صحرائی ریگستان نہ ہوں کوئی آفاقی مخلوق ہوں جو بشری تقاضوں انسانی حد بندیوں سے ماورا...... یا پھر جاپانی سہولت جو اپنے مہیا کیئے ہوئے طے شدہ نظام کے تحت بے تکان و تکدر بر سرِ عمل رہتے ہیں...... کیسے کیسے فضول مشغلے جو شیلے جھیلے' زرے چرکتے چپر غٹو' ازلی آوارہ گرد' پیدائشی بدحرام...... جنم جنم کے نکھٹو اور مُفتے معذور بیچے یہاں آتے جاتے رہتے ہیں...... اکثر اپنے کریا کرم تک یہیں پڑے رہتے...... کسی کا کوئی اندراج اور نہ کسی سے کوئی پوچھ گچھ...... کالا ہے یا گورا...... ٹھگنا ہے یا لم ڈھینگ...... ہندی ہے یا اعرابی...... افریقی ہے یا ہسپانی...... سنگڑیا بھگوڑا۔ یہاں کوئی تخصیص نہیں...... اس صحرائی حمام میں سب ایک سے ننگے تلنگے ہیں۔

لطف یہ کہ کسی کی کوئی اجارہ داری نہیں...... نہ لڑائی بھڑائی یا تُو تکرار...... جیسے یہاں آسرا کرنے والے اپنے دماغ' زبانیں' سوچیں اور نفرتیں محبتیں کہیں گروی رکھ آتے ہیں۔ وہ یہاں صرف دو آنکھیں دو پاؤں اور ایک پیٹ والے کیکڑے ہوتے ہیں جنہیں باری باری پکڑ کر یہاں اٹی اپنے مشہور زمانہ ثرید میں ایک جان کرتا رہتا ہے...... اس بہت سے کیکڑوں میں ایک میں بھی تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ وہ کیکڑے ضرورتاً یہاں پڑے رہنے پہ مجبور تھے اور میں صرف کیکڑوں والے کی ہیکڑی کیکڑی ملاحظہ کرنے کو یہاں پہنچا تھا۔

• ازخواب [illegible]

میں شاید ایک جہاں گرد تھا...... اور جہاں گردی صرف فقیر' درویش کی اک پہچان ہے...... جس کے لیے نیا اڑھائی قدم اور دیگر جہانوں کی اڑھائی اڑھائی پڑاؤ کی منزلیں ہوتی ہیں...... جہاں گرد کے پاس اک محقق کی باریک بینی...... سیلانی سا تجسس...... سیاح کی جستجو اور اک آوارہ گرد کی تیسری آنکھ ہوتی ہے۔

دیکھا جائے تو سانپ محض اس لئے خطرناک نہیں کہ اس کے اگلے دانتوں کے غدودوں میں مہلک زہر ہوتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ مہلک زہر تو انسان کے علاوہ کئی ایک نباتات' معدنیات اور جمادات میں بھی موجود ہوتا ہے...... سانپ اس لئے خوفناک اور پُر اسرار ہے کہ اس کے پاس دل مسوسنے والی سرسراہٹ ہے اور لپک ہے...... زبان دوشاخی...... جو اک خودکار ریڈار کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ آنکھ کے پپوٹے ہی نہیں ہوتے کہ سوئے جاگے کا پتہ لگ سکے...... اپنی مخصوص ساخت و نوعیت کا پُر اسرار حشرات الارض کہ جس کے ہاتھ پاؤں کان پپوٹے نہیں ہوتے...... مگر وہ رفتار میں اسپ تازی کو پیچھے ڈال دیتا ہے۔ میلوں' میلوں دور کسی جاندار کے قدموں کی چاپ تک سن سکتا ہے اور جس کو پکڑ جکڑ لے ہڈی پسلی ایک کر دیتا ہے...... سانپ' کوّے' نیولے' بلّی' اُلو' شاہین اور شیر کی آنکھوں میں ایک ایسی مقناطیسیت ہوتی ہے جو مقابل کے

دماغی اور اعصابی نظام کو شل کر کے اک خوف و دہشت کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ ان کی جسمانی ساخت لیک اور آنکھوں میں مسخر کر دینے والی قوت ہی ان کی دفاعی اور بقائی صلاحیتوں کی اصل ماخذ ہوتی ہے پاتال اور چھپتال کی خبر لاتے ہیں...... سخت کوش' سخت جان' موسموں' ماحول' بھوک' پیاس کی صبر آزما جھیلتے ہیں...... فقیرانہ احوال والے اور درویشانہ چال والے' کچھ قیل والے کچھ قال والے...... تال والے...... جلال والے اور جمال والے...... کوئی سیاح' ہرست آگاہ...... کوئی محقق سی مہم والا تو کوئی کی میلان رکھنے والا...... کوئی بادلوں' خوشبوؤں' خوابوں خیالوں سا آوارہ گرد لیکن ان سب میں ایک آنکھ کی طاقت اور پُراسراریت مشترک ہوتی ہے۔ جہاں گرد ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ ان مذکورہ بالا نکات کا حامل نہ ہو...... کہیں وہ در در کا کُتا بنا دُور دُور کے آوازے سنتا ہوا کوئی چبائی چچوڑی ہوئی ہڈی کرتا ہے' کہیں وہ عالم بالا پہ شاہین کی مانند اڑان بھرتا ہے۔ جدھر سے وہ عالم ہست کو اک حقیر پرکاہ کی دیکھتا ہے...... اور کبھی کبھی وہ سانپ کی طرح موسموں' انسانوں سے بدک کر اپنی ذات کی کھوہوں اندھیروں' ویرانوں میں کہیں روپوش ہو کر بھوکا پیاسا اور بے حس و بے جان سا پڑا رہتا ہے...... کہیں وہ [illegible] عمر کھائے بڑے بڑے [illegible] کے پاس [illegible] ہی ہوتی ہے...... کہیں پی کی خبر لاتا ہے تو کہیں پیاسے کو آب بصارت کی کنوئیں کی راہ سجھاتا ہے...... کیا کیا؟...... کیوں کیوں؟...... کی منادی کرتا ہوا ہاتھوں اپنے کان دیے [illegible] "میں میں" کی رٹ لگاتی ہوئی بے وقوف بکریوں کے سروں پہ منڈلاتا رہتا ہے کبھی جہانِ رنگ و بو میں کسی انوکھی طرح [illegible] تلاش کرتا رہتا ہے تا کہ وہ دھیان تپ تپیا کے لئے کسی ویراگی کی طرح سمادھی جما سکے۔

درویش کسی بوڑھے بے برگ و برکت درخت کے نیچے بیٹھا اس دُنیا و مافیہا کی حقیقت اور پہ غور و فکر کرتا رہتا ہے۔ چکا چوند روشنیاں اور طرب و تفنن آمیز چہکارے اس کے لئے آگ کے ہوتے ہیں۔ اس لئے...... گھٹا ٹوپ اندھیرے' اُداسیوں ویرانیوں کی جانگسل آواز' نحوستوں اور حکومتیں' خامشیوں اور چُپ سادھیوں کے راج تاج' اس کی قلمرو بنتے ہیں اور کہیں تو وہ گُربہ کی نرم روی شتیل ہوتا۔ اس کی سوچیں بھی بلی کے نرم نرم پاؤں کی گدیوں میں چھپے نوکیلے خطرناک ناخنوں کی طرح ہیں وہ روشنی میں کم اور تاریکی میں خوب دیکھتا سونگھتا ہے' اُسے اپنے علم و ادراک کے چوہے سے کھیلنا خوب لگتا ہے...... کتنی پستی سے اُبھرے سر نہیں اُٹھاتا اور کیسی بلندی سے گرے پنجوں بل ہی گرتا ہے سے اُترنے کے داؤ تو سکھا دیتا ہے مگر دار پہ چڑھنے کا بھید کسی کو نہیں بتاتا...... جب کوئی راہِ مفر نہیں

[illegible] سے لگے کے دل پہ جھپٹتا ہے۔ جب جی چاہتا ہے بلک بلک کر بین کرنے لگتا ہے اور جب جی نہیں [illegible] کھسیانا ہو کر اپنی ہی بوٹیاں نوچنے لگتا ہے۔ ظاہر نجس مگر باطن نجیب...... تن تونگر طبیعت غریب...... [illegible] جہاں جہان بھر کی جہاں زیبیاں اور جہاں سوزیاں جمع ہو جائیں تو وہاں ایک جامِ جم اترتا ہے جو کسی [illegible] کے لئے ہوتا ہے اور پھر اس درویش کے لئے واقعی یہ جہاں ایک جامِ جم کی صورت ہی ہوتا ہے...... [illegible] کی ساری گردشیں...... یقین و امکاں کی ساری منزلیں اس کے ادراک سے شروع اور اس پہ ہی ختم [illegible]

ہر شے مسافر ہر چیز راہی......!

سلیمان اخی کسی سے بھی بات کرنے کا روادار نہیں تھا اور نہ ہی وہ کوئی ایسا مردم بیزار...... وہ شاید عادتاً [illegible] طور کا کوئی از قسم یاد جو تھا...... تیلی کے چکر دھاری تیل کی مانند شاید وہ کولہو کے طواف مسلسل کا [illegible] سارا سفر جیسے تمام باورچی خانے اور مسافر خانے کے مابین ہی تمام ہو جیسے قسام ازل نے [illegible] یوم نشور تک اسی سفر کے لئے منتخب کر رکھا ہے...... کھاتے پیتے سانس لیتے [illegible] بشر کے [illegible] بھی ہوتے ہیں۔ کھانا پینا، نہانا دھونا [illegible] حجامت یا پھر [illegible] ضرورت تھا اور نہ [illegible]!

میں کئی روز تک [illegible] اس ٹوہ میں لگا رہا کہ کہیں تو اسے کوئی ایسا کام سرانجام دیتے ہوئے دیکھوں جس [illegible] ہو سکے کہ یہ بھی گوشت پوست کا بنا ہوا انسان ہے اور اس کے بھی کچھ بشری تقاضے ہیں...... مگر [illegible] میں اسے از روئے اعمال و خصائل اور وسائل و دلائل، بندہ بشر بھی سمجھنے سے قاصر رہا...... اس کے [illegible] بیٹے بھی سو فیصد نہ سہی پچاسی نوے فیصد اس کی کاپی تھے...... اللہ! یہ کس مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ [illegible] دو...... دن رات آئے گئے مسافروں کی خدمت گزاری میں جتے ہوئے ہیں...... کوئی ایک بار [illegible] یا اس بار وہ شکلیں یاد نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی برتن پیالے گنتے...... ان کا کام صرف یہ تھا کہ جو مانگے [illegible] اسے اس کی خدمت کرو اور جو جائے اس کی پشت مت دیکھو......!

منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی......

میرے باباجی نے ایک مرتبہ مجھے نصیحت فرمائی۔

"درویش کھاتا کم ہے کھلاتا زیادہ ہے...... فرمایا۔ اللہ کی مخلوق کی بلاتخصیص و تمیز تواضع...... ان کے [illegible] شرب کا اہتمام کرنا درویشی کی خشتِ اول ہے۔ دوم یہ کہ وہ درویش ہو ہی نہیں سکتا جو مینہ کی مانند نہ

ہو جائے' جو اچھے بُروں سب پہ برابر برستا ہے...... بادل! جو سب پہ یکساں سایہ فگن ہوتے ہیں...... کی مانند جس سے ادنیٰ و اعلیٰ خوب فیض یاب ہوتے...... زمین کی طرح جو سب کے نیچے بڑی عاجزی سے رہتی ہے...... ماہتاب و آفتاب' نجوم و پروین...... قوس و قزح' شفق' چودھویں کا چاند' کہکشائیں' ہلالِ عید' قطبی تارا...... یہ سب چراغ' یہ سارے گلاب یہ نظارے' نعمتیں' عنایتیں یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کے لئے ہیں۔

ڈرویش ثواب و اجر کے چکر میں نہیں پڑتا وہ تو مالک کے آگے سالک...... سالک کے مالک...... مالک کے آگے نوکر...... نوکر کے آگے چاکر اور پھر چاکر کے آگے احقر بن کر اپنی ڈیوٹی ہے...... یہ مقام مالک کی ڈیوڑھی کے باہر دروازے سے ہٹ کر دُم ہلانے کا ہوتا ہے اور یہ ''تمیا محل'' کی پہلی سیڑھی بھی ہوتی ہے۔ مجذوب باہر سے بے ہوش اور اندر سے باہوش ہوتا ہے۔ ڈرویش باہر سے باہوش اور اندر سے بے ہوش ہوتا ہے۔ یہی الکھ جگاتا اور الکھ ملاتا ہے۔

- طبیبا یکے دفترِ خویش بکشا مگر درد مارا دوائے بر آید......!

سلیمان اُٹّی بھی باہر سے باہوش اور اندر سے بے ہوش قسم کا ڈرویش تھا۔ دیکھنے کو باہر گونگا ہوتا ہے...... اور اندر سے راجہ اندر کا اکھاڑا ہے...... یہ گونگا پہلوان ہر وقت لنگوٹ کسے اپنے پٹھوں اور اُلّو کے پٹھوں کی خاطر مدارت میں جتا رہتا تھا۔

ایک دوپہر وہ شرید کا بڑا دیگچہ' صحرائی بھربھری ریت سے رگڑ رہا تھا...... جن دیگچوں برتنوں کی گھی تیل کے داغ دھبے' بُو بساند یا جلے ہوئے پکوان کی گار' تلچھٹ چپوائی ہو اس کے لئے ریت سے چیز نہیں گو اس مقصد کے لئے آگ' راکھ' چونا مٹی کو بھی استعمال کیا جا سکتا ہے مگر صفائی کے ساتھ تاب و چمک صرف راکھ اور ریگ سے پیدا ہوتی ہے مگر اس میں تھوڑی سی قباحت ہے کہ یہ برتنوں کے ہاتھوں کو بھی رگڑ لگا جاتی ہے...... ناخن اور ہاتھوں کی جلد کمزور اور بدنما ہو جاتی ہے۔ سلیمان اُٹّی کے کچھ ایسے ہی تھے۔ وہ انسانی ہاتھوں کی بجائے کسی اونٹ کے پاؤں لگتے تھے۔ چپٹے' موٹے بھدے تو جیسے تھے ہی نہیں اور اُنگلیاں اگر تھیں تو ایسی کہ ہتھیلی کے ساتھ جنگلی ادرک کی پیوند کاری کی گئی ہو بازو بھی چھت کی چوبی کڑیوں کی طرح کڑیل...... سینہ وادیٔ سینا کی مانند فراخ...... اور جثہ صحرائے بیٹھا ہوتا تو کوہِ سلیمان لگتا' کھڑا ہوتا تو کوہِ ارارط......!

میں اُسے مختلف زاویوں' قرب وجوار کے فاصلوں...... اندھیروں اُجالوں' تھپیڑوں اور مختلف سَموں' [illegible] سمت آڑے دیکھا کرتا...... یوں محسوس ہوتا جیسے بیتتے وقت کی ہر جنبش' کروٹ کے ساتھ اُس کے [illegible] بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں...... یوں کہ خود کچھ بھی نہ ہو۔ وہ صرف وقت ہو' زمانہ ہو...... جو ہر پل' [illegible] ہیئت' رفتار اور گفتار بدلتا رہتا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا وہ ریت سے دیگچے رگڑنے میں لگا ہوا تھا۔ یہ حلیم' ثرید' چنے' ہریسہ اور شب دیگ یا [illegible] تیار کرنے والے دیگچے برتن اکثر جھلوسے ہوئے سڑے بلے' بے برکتے سے دکھائی دیتے ہیں۔ وجہ یہ کہ [illegible] کے ساتھ ہوتی بہت بُری ہے...... ہجر فراق کے مارے آشفتہ حال عاشق' دمہ دق کے بوڑھے مریض یا کسی [illegible] نوجوان بیوہ کی طرح یہ ساری رات زندہ در آگ چولہا رہتے ہیں۔ دیگچوں میں اگر مسلسل گھوٹنا گھوٹا [illegible] تو پیندے تھلّے میں گاد لگ کر جلنا شروع ہو جاتی ہے جو کچھ دیر کے بعد جل کر کوئلے کی مانند سیاہ اور سخت [illegible] ہے۔ پھر ذائقہ ہی خراب نہیں ہوتا...... کھانے کا رنگ بھی سیاہ ہو جاتا ہے' جلے ہونے کی دھانس الگ [illegible] اور ساتھ دیگچے کا بھی ستیاناس ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے لگے سڑے برتن دیگچے کو صاف کرنا ایک [illegible] ہے۔ جس کے لیے وقت' رگڑ' [illegible] طرح خواہ حوصلہ [illegible] جلونے' [illegible] دیگچے...... ان کو مانجھنا' دھونا' رگڑنا' چمکانا' پھر پکانا اور کھلانا کسی باورچی خانے کی طرح کسی [illegible] کے [illegible] اصطلاحیں ہوں۔

بڑے بڑے شہروں میں کھانے پینے کی جگہوں پہ استعمال شدہ برتنوں کی صفائی کے ضمن میں بڑی [illegible] برتی جاتی ہیں۔ نیم گرم گندے پانی میں' گندی صافی سے پلیٹیں گلاس کٹلری وغیرہ صاف کی جاتی [illegible] گندی کی جاتی ہے۔ یہی حال بڑے بڑے برتنوں کا ہوتا ہے کہ جن میں کھانا پکتا ہے۔ ان دیگچوں [illegible] جھانک کر دیکھیں پیندے میں جلی ہوئی سیاہ گاد جمی ہوئی ہوگی۔ جبکہ یہ صدیوں پرانی جمی ہوئی گاد اتر [illegible] سکتی کہ پیندے کا حصہ بن چکی ہوتی ہے...... اور پیندے سے پونگے کی صفائی رگڑائی درویش کا کام ہے [illegible]......!

وہ گہرے دیگچے میں آٹا گوندھ رہا تھا یا اس کے پیندے پہ جمی ہوئی گاد کو ریت کی رگڑائی سے اُتار رہا [illegible] یہ دور سے دیکھنے والا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا...... اُس کے نیم گنجے سر اوپر' سوا نیزے پہ کھڑا [illegible] اپنی تمازت کی پوری توجہ سے اس کی کارکردگی ملاحظہ کر رہا تھا اور میں بہت اِدھر اُونٹ کی سڑی [illegible] پوشین کے سائے میں اُس کی مشقت اور محویت کو عجوب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا...... شاید یہی کچھ

دیکھنے جاننے کے لئے ہابیل قابیل والے بزرگ بابا نے مجھے ادھر اس لق و دق صحرا میں بھیجا تھا...... سوچ [illegible] کہ میں اور کتنے روز یونہی یہاں پڑا رہوں گا۔ بس یہ کچھ دیکھنے کے لئے وہ آ رہا ہے وہ جا رہا ہے...... [illegible] ہے کھلا رہا۔ دھو رہا ہے بھگو رہا ہے...... بس یہی کچھ تو تھا جو ایک بار دیکھا یا سو بار دیکھا۔

میں بلا ارادہ اُٹھ کر اُس کے پاس چلا آیا۔ "السلام علیکم یا سلیمان آفتی!"...... کہو کیسے ہو [illegible] اکڑوں سا اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ مگر کیا مجال جو اُس نے اِک نظر اُٹھا کر بھی مجھے دیکھا ہو۔ ہو سکتا ہے [illegible] زیرِ لب سلام کا جواب بھی دیا ہو جسے میں واضح طور پہ سُن نہیں سکا ہوں گا...... میرا پاس بیٹھنا شاید فضول [illegible] کہ وہ تو اسی انہماک سے رگڑا رگڑی میں جتا ہوا تھا۔ اِس کے پاس کون ہے اُسے کچھ خبر نہ تھی...... میں نے جرأت کر کے اِک کھنگورے سے اُسے متوجہ کیا اور ہاتھ سے دوسرے دیگچے کی جانب اشارے کرتے ہوئے یہ کہنا چاہا...... اگر اجازت دو تو میں اس گندے دیگچے کی صفائی کر کے تمہاری مدد کروں؟...... اُس نے میری اس مخلصانہ پیش کش کو کسی بھی طور درخورِ اعتنا نہ سمجھا بلکہ ہاں یا نہ کا کوئی اشارہ دینے کی بجائے اپنے [illegible] میں مزید انہماک دکھانے لگا۔ جیسے اُسے میری یہ مداخلت پسند نہ آئی ہو۔

سلیمان آفتی کو مہمان مسافر تو ایک طرف [illegible] سے بھی کسی قسم کی کوئی [illegible] لینا گوارہ نہیں [illegible] شاید یہی وجہ تھی وہ [illegible] سے بے تکلف ہونا اور [illegible] کے منہ پہ بات کرنا بھی پسند نہ کرتا تھا...... کبھی کبھی [illegible] کے سنیاسی [illegible] ہونے کے ساتھ ساتھ یہ احساس بھی اُبھرتا کہ وہ کانوں سے بہرہ اور اخلاقی طور پہ [illegible] بھی ہے...... جنوں جیسے [illegible] جسم جُثے اور بظاہر بددماغی کی بنا پہ لوگ باگ اِس سے کوئی بھلی بُری بات [illegible] ہوئے خاصا [illegible] تھے۔ مجھے اپنی [illegible] کا کوئی مثبت جواب نہ پا کر خاصی مایوسی ہوئی تھی کہ یہ بندہ تو پٹھے پہ ہاتھ رکھنے نہیں دیتا...... سوچنے لگا کوئی ایسی ترکیب ہو کہ یہ شاہین، دام میں آئے...... [illegible] دماغ کی کوئی بند کھڑکی کھلی...... کیوں نہ میں ہابیل قابیل والے بزرگ بابا کے حوالے سے بات کروں۔ [illegible] نے ہمت باندھتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی عربی اور آسان سی انگریزی میں بزرگ بابا کا حوالہ دیتے ہوئے تعارف کرایا اور استدعا کی کہ میں درویشی کی راہ کا کمزور سا مسافر ہوں، زادِ راہ ہے نہ ہی ہمت و سکت [illegible] بھٹک رہا ہوں، ٹھوکریں، رسوائیاں، رت جگے، جاں ماریاں میرا نصیب ہیں۔ مجھے یہی حکم ہے کہ [illegible] پاک اللہ کی زمین، آسمان، پہاڑ، دریا، صحرا، جنگل، ویرانے، گل خانے تمہارے منتظر ہیں۔ جاؤ! ان سے [illegible] پیدا کرو۔ پاپیادہ، جانوروں کی پیٹھ پہ، بڑے چھوٹے گول پہیوں والی مشینوں پہ۔ آہنی پروں والے پرندوں پہ، سمندروں کے سینوں پہ تیرتے ہوئے راج ہنسوں پہ، یاد رکھوں یہ درویشی دریوزہ گری نہیں ہے دریدہ دری اور رفوگری ہے......"

سلیمان اُخی کو یوں بریک لگی جیسے اچھی خاصی چلتی، کام کرتی مشین بجلی بند ہو جانے سے پران چھوڑ [illegible] ہاتھ ساکت، موٹی سی گردن موڑے...... موٹے موٹے ڈیلے نکالے، مجھے خفیہ والوں کی طرح [illegible] جیسے میں نے انجانے میں کوئی انتہائی حساس سی بات کہہ دی ہو...... اس کے اچانک بھونچکانے پہ [illegible] میں بھی ٹپٹا سا گیا تھا۔ یوں چند مضطرب سی ساعتیں ہمارے درمیان خاموشی سے گزر گئیں...... [illegible] میری آنکھوں سے اپنی آنکھیں نکالے بغیر ہی پاس پڑے ہوئے اَن دُھلے بڑے سے دیگچے کو گھسیٹ [illegible] آگے کر دیا، دو مٹھیاں ریت، دیگچے میں ڈالیں پھر اپنی پھسلتی عربی اور لڑکھڑاتی انگریزی میں کہا۔

"گندہ کرنا ایسا مشکل نہیں جتنا مشکل پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ چلتی ہوئی ہوا کی مانند مست خرامی [illegible] سو یہاں روح نہیں ہوتی جیسی حالت قید و قیام روح فرسا ہوتی ہے...... کہہ بول لینا بھی اتنا دُکھ درد کا [illegible] ہوتا جتنا کہ چُپ گُم جان جلاتی ہے۔ چکی کا قطب تو [illegible] گڑا اور پڑا رہتا ہے مگر مدار کے [illegible] پھریاؤں کو جمائے، چلائے، بھگائے رکھتا ہے۔ آسمان، ستاروں سے...... زمین، ذروں سے...... سمندر، [illegible] وسعت و دمن، اشجار و اثمار سے جل تھل ہوتے ہیں......"

"دو مٹھی ریت کی ایک اور مٹھی گند [illegible] دیگچے میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

"[illegible] خدمت [illegible] ریت کے اَن گنت اربوں کھربوں ذروں کا خشک سمندر نما صحرا ہوتا ہے...... [illegible] کا چوندا اُجالے [illegible] اور تھا تو پ اندھیرے میں قطبی تارا!...... حاصل گھات تو کبھی بگڑے [illegible] کاٹ...... دلق اویس تو [illegible] قیس۔ یہ فغانِ یعقوب بھی ہے اور کبھی صبر ایوب بھی۔ یہ [illegible] فرش [illegible] بھی ہے اور عصائے سلیمانی [illegible] یہ ہنرِ آذری بھی ہے اور سحرِ سامری بھی ہے......"

فرطِ حیرت سے میری آنکھیں شق تھیں...... الٰہی! یہ کس نگر کے لوگ ہوتے ہیں...... ہوتے کچھ [illegible] کچھ اور دیتے ہیں...... گُم صُم، گونگا گنوار کیسے گُونا گُوں گُنوں کا گوہر آب دار نکلا...... کلام میں ایسی [illegible] فصاحت اور جز بندی کہ معانی و مطالب سمجھنے جاننے میں شمہ بھر بھی دقت نہ ہوئی...... بین البیان سے [illegible] کی مانند چھنک چھنک کر سطحِ ادراک پہ منکشف ہوتا رہا۔ معلوم ہوا کہ عشق و مشک کا عودِ تصوف کی [illegible] مہک بھی لاکھ چھپائے نہیں رہتی اور من و مطلب کی بات چیت، کسی عربی، فارسی، اُردو، انگریزی کی [illegible] نہیں ہوتی۔ جس لہجے اور ملی جلی زبانوں میں اس نے گفتگو کی تھی اگر اسے لکھ کر میرے سامنے، سمجھنے کے [illegible] دیا جاتا۔ سمجھنا تو درکنار، میں شاید اسے صحیح سے پڑھ بھی نہ سکتا مگر بھلا ہو میری خانہ خرابی، شوق و مطلب [illegible] صاحب اسرار و صفات کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ، میرے باطنی شعور پہ میرے لئے قابلِ فہم صورت میں

القا ہوا...... اور شاید اسی طریق تکلم سے وہ بھی میرے سوال وطلب کے مافی الضمیر سے آشنا ہوا تھا۔

جب عربی عجمی درمیان سے ہٹے تو اب دو طالب و مطلوب' عاشق و معشوق...... معتوب و[illegible] آمنے سامنے تھے۔ پانچوں انگلیوں والی ریت بھری مٹھی دیگچے میں ڈال کر بولا۔

''لو...... تم بھی اپنا شوق پورا کرلو...... لیکن یہ یاد رکھنا کہ تمہیں خوب معلوم اور محسوس ہونا چاہئے کیا کر رہے ہو اور کیوں کر رہے ہو......''

میں ان الفاظ کے اندر جھانکتا ہی رہ گیا اور وہ پھر اپنے رگڑائی صفائی میں جُت گیا...... دیگچے میلے چیکٹ پیندے میں بکھری ہوئی سفید موٹی بھر بھری سی ریت میری توجہ کی منتظر تھی...... آستینیں چڑھا [illegible] نے بھی ہلہ بول دیا...... مگر چند ابتدائی رگڑوں سے ہی میری چیں بول گئی...... میں نے محسوس کرلیا تھا کہ صفائی ستھرائی کے کام کو میں نے جتنا آسان سمجھا تھا حقیقت میں یہ اتنا آسان بھی نہیں۔ عملی طور پہ [illegible] نمٹنے کے لئے محض جسمانی ہمت و طاقت کی ہی ضرورت نہیں بلکہ صبر' ہنر اور روحانی بُردباری کی بھی [illegible] ہے...... جبکہ [illegible] میرا پلہ خالی تھا۔

میں نے ہلکی سے جھکائی لیتے ہوئے کالی آنکھوں [illegible] کی جانب دیکھا...... [illegible] کی گل [illegible] شش جہت [illegible] دیگچے [illegible] کاسہ و سر یا فرات کنارے کے بہلولی کدو کا پون پیٹ...... کرۂ ارض کا تھوتھا قرنہ۔ وہ اپنے ظاہری باطن کے ساتھ ہادیہ کے اوپر کاویہ بنا ہوا تھا جبکہ میرے ہاتھ انگلیاں ریت کی رگڑ [illegible] سفید سی گئی تھیں اشتیاق اور استغراق دیکھ کر مجھے [illegible] خجالت سی محسوس ہوئی [illegible] اٹھائے ہلکے ہلکے ہاتھوں [illegible] ہو گیا...... ریت' میرے نرم نرم ہاتھوں انگلیوں کو چاٹ سی گئی...... پوروں' جوڑوں سے خون رسنے [illegible] درانتیاں سی چلنے لگیں مگر میں دانتوں تلے جیب دبائے ڈٹا رہا...... ماتھے پہ تریلی اور چہرے پہ تردد کی [illegible] گئی تھیں...... معاً جو نظر پڑی تو میرے دیگچے میں پیندے کی کالک میں اب سُرخی بھی شامل ہو چکی تھی [illegible] اپنا لہو دیکھ انسان بدحواس سا ہو جاتا ہے وہ لاشعوری طور پہ نقاہت سی محسوس کرنے لگتا ہے...... ہاتھ کھینچے کی مانند مُرغ نے کھنچے...... رگڑ کھائی ہوئی جگہوں سے خُون رس رہا تھا...... شاید اس روشن ضمیر نے دیکھ لیا [illegible] نگاہ اُٹھائے اور ہاتھ روکے بغیر وہ بولا۔

بات ہاتھ سے نکلتے نکلتے جب تک جگر تک نہ پہنچے' درویشی کے راہ راستے جگر مگر نہیں ہوتے...... تمہاری اتنی رگڑائی ہی کافی ہے۔''

اگلے کئی روز میرے ہاتھ سُرخ بُوٹی چکیلے چکیلے اور سُوجے رہے...... مُنہ ہاتھ دھونا [illegible]

...تھی کہ کسی چیز کو چھونا تک اجیرن ہو گیا...... موٹی موٹی باسی روٹیاں توڑنا تو کجا...... ٹکڑوں والے ... مُرے چمچے کو مُنہ تک لے جانا بھی کاردارد بن گیا۔ زیتون کے تیل چپڑے چیتھڑے لپٹے ہاتھ ... تک بینت بینت رکھتا رہا کہ ہوا تک چھونے سے بھی ٹیسیں اُبلنے لگتیں اور جی بے حال ہو جاتا۔

...ش یا امریکی کوئی فلم کمپنی تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ فلموں کا دور دورہ تھا...... فلم کے شروع ٹائٹل میں ... ے جہازی ٹل پہ ایک قد آور پہلوان نما آدمی دبنگ وآہنگ سے چوٹیں لگاتا...... ڈن ڈن ڈن! ... میں بیٹھا ہر تماشائی یہ آہنگ ودبنگ اپنے دماغ وسماعت میں بُری طرح محسوس کرتا۔ لہٰذا فلم کے ... تمام جینوں پہ ایک نامحسوس سا دبدبہ یا خوف سا طاری ہو جاتا تھا اور فلم جیسی بھی بھلی بُری ہوتی بڑی ... ے دیکھی جاتی۔

...ب سلیمان اُنگی کی زبانی یہ دیگچوں کے پیندوں کی جلن سڑن تپش اور ہاتھوں کے بُرے حال کا سُن ... ے تو طوطے اُڑ گئے۔ اِدھر میرے ہاتھوں کا فی الواقع یہ حال کہ جیسے ابھی ابھی دہکتی کٹھالی ... ہوں...... ریت کی رگڑائی اور مچھائی [illegible] ہتھیلیاں کا فوری ... [illegible] اور انگلیوں ... تا

● فرنگی زدورجل کو ہستانی......!

...پنجابی' راولپنڈی کی اگلی جانب رہنے والے ہر باشندے کو پٹھان سمجھتے ہیں جبکہ حقیقت میں ایسا ... ہزارہ وال' ماچھی چھاچھی' پشاوری' کابلی' پٹھان' افغانی وغیرہ یہ سب مختلف قومیں ہیں۔ ان کی ... اور طور طریق ایک دوسرے سے جُداگانہ ہیں...... ان علاقوں کے اچھوں بُروں سے میں بڑا ... خاص طور پہ علاقہ پار اور پشاور کے اصیل پٹھانوں سے کہ یہ بلا کے ہوزمغزے ہوتے ہیں...... ... اور معاملت میں بڑے انتہا پسند اور سخت گیر...... پولیس والوں کی طرح نہ ان کی دوستی اچھی ... دشمنی۔

میرے بے شمار عقیدت مند ان علاقوں کے باسی ہیں۔ ان میں خالص پٹھان بھی ہیں اور اصیل افغانی ... کے علاوہ بھی جو یہ کچھ نہیں ہیں...... میں عام طور پہ کسی عقیدت مند کے گھر نہیں جاتا کہ میرا طریق اور

چلن کچھ اور ہے لیکن خاص طور پہ پنڈی کے اس پار تو بالکل نہیں جاتا کہ پٹھانوں اور افغانیوں کا پیروں فقیروں یا درویشوں کے معاملے میں "اندازِ عقیدت" کچھ دِگر قسم کا ہوتا ہے۔ یہ دُعائیں اور مُرادیں بھی کلاشنکوفوں کے ذریعے زبردستی حاصل کرتے ہیں۔ ادھر شمالی علاقہ جات بھی ہیں۔ یہاں کے باسیوں میں پٹھانوں والی بات تو نہیں لیکن بے علمی اور توہم پرستی عروج پہ ہے۔ سر بفلک سرسبز پہاڑ' شوریدہ دریا' رواں چشمے اور جھرنے کھلی فضائیں اور رسیلی ہوائیں' پھل پھول' خوشبوئیں' نظارے۔ غرضیکہ قدرت کی بے پناہ فیاضیوں نے ان علاقوں کو جنتِ نظیر بنا رکھا ہے۔ یہاں کے باشندے 'صحت مند' قانع' دھیمے مزاج والے محنتی اور جفاکش ہیں۔ تعلیم و تہذیب سے قریب قریب بے بہرہ۔ دُور دراز اور دُشوار گزار ہونے کی بنا پہ ترقی پذیر دُنیا سے کٹے ہوئے۔ یہاں کے مسلمانوں کی اکثریت میں نام نہاد زیادہ ہیں۔ بیشتر مختلف فرقوں کے پیرو اور بہت سے لادین اور کافر...... گو بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں بے شمار مثبت تبدیلیاں ہوتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر ناخواندگی قدامت پسندی اور توہم پرستی کے سبب یہاں کے باشندے صحت مند تبدیلیوں کو قبول کرنے سے قدرے اجتناب برتتے ہیں۔ وہ اسی پرانے ماحول اور اپنے آباء و اجداد کی کہنہ روایات کے مطابق زندگی بسر کرنا مناسب سمجھتے ہیں...... نئے وقت اور رواں دور کی مشینی ترقی' سائنسی جدید تجربات و ایجادات کو ناراض دیوتاؤں کا [illegible] ہیں۔

یہاں کچھ قدیمی لوگ اور قبیلے ایسے بھی ہیں جو خود کو پہاڑوں اور دیوتاؤں کی اولاد مانتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ان جنت نظیر وادیوں اور سربفلک چاندی ایسی برف سے سرپوش پہاڑوں صدیوں سے جمی گلیشیروں' رواں جھرنوں اور [illegible] بہتے دریاؤں' آبشاروں کے وہ مالک و امین ہیں...... یہ ان کے اور وہ ان کے بن ادھورے ہیں۔ غیر ملکیوں' اجنبیوں کا کوئی خاص چاہت و گرم جوشی سے سواگت نہیں کرتے۔ یہاں بیمار و لاچار ہونے کا تصور بھی ناپید ہے...... پڑھے لکھے لوگوں' ڈاکٹر' انجینئر' وکیل' سکول ٹیچر کسی محکمے کے افسروں کو وہ عجیب سی نظروں سے تولتے ہیں۔ ہاں جھاڑ پھونک' ٹونے' سحر پھونکنے اور کالی ڈوریوں پہ فسوں پڑھ کر گانٹھیں لگانے والوں کو پہاڑوں کے راستے آسمان سے اُترنے والا تصور کرتے ہیں۔ یہی پہاڑوں کے بیٹے یہاں کے حکمران ہوتے ہیں۔ صدیوں سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے اور شاید ایسے ہی ہوتا رہے گا۔

میں ان دُور دراز پس ماندہ اور پُر اسرار علاقوں میں خوب خوار و خراب ہوا ہوں...... وہ علاقے جو شہروں کے قُرب و جوار میں ہیں ان میں آپ کو کسی طرح کا کوئی ایڈونچر نہیں ملے گا۔ اصل اسرار جلال و جمال تو بہت پرے ہے۔ دُشوار و تنگ رہ گزاروں' خوفناک دروں' گھاٹیوں...... اُترائیوں چڑھائیوں اور موسم کی چیرہ دستیوں سے آگے...... جہاں پہنچ کر محسوس ہوتا ہے کہ انسان بالکل فطرت کے آنگن میں

[illegible] ہے —— جسم و جان اور سوچ و فکر کی ساری کثافتیں...... دُنیا داری کے سارے جھمیلے کہیں دُور بہت پیچھے رہ گئے ہیں —— یہاں تک کہ مذہب و مسلک بھی کہیں آسودہ ہو جاتا ہے کہ یہاں اِنسان جیسے نیا جنم لیتا ہے اور [illegible] بچہ فطرتِ سلیم پہ پیدا ہوتا ہے۔

[illegible] کا ایک آسودہ حال تاجر بچہ جو کاروباری سلسلے میں لاہور آتا جاتا رہتا تھا میرے ساتھ ہلکی سی [illegible] سے وابستہ تھا۔ شجرِ چلغوزہ سی اُٹھان والا اچھا خاصا پڑھا لکھا اور خوش خیال و خواب جوان کہ جسے دیکھ [illegible] سامنے آجائے...... مزید برآں یہ شکرور کے قدیمی اہلِ ثروت و حشمت خاندان سے تعلق رکھتا تھا [illegible] صاحبِ اختیار سمجھا جاتا ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر جو حیرت کا مقام کہ یہ خاندان اہلِ سنن و احناف سے متعلق تھا۔ جبکہ وہاں کٹر قسم کے اہلِ حدیث اور اسماعیلیوں کا تناسب زیادہ ہے...... یہ اللہ کا ولی اپنا سلسلہ [illegible] سے جوڑتا تھا۔ نام مشہود الرحمٰن گیلانی...... اس کے ساتھ پہلی ملاقات داتا ہجویریؒ کے ہاں [illegible] صحن میں ہوئی تھی...... عجز و ادب کی اوس میں تر بتر چہرہ' حیا کھائی ہوئی کٹورا آنکھیں...... اس کا ہاتھ [illegible] ہی مجھے ایک خفیف سا جھٹکا لگا کہ اس کا قلب جاری تھا۔ خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد [illegible] مناسب سی جگہ پہ بٹھایا...... اسی اثنا میں [illegible] کا تھا کہ یہ کن دُور دراز [illegible] سلسلوں سے [illegible] پہنچا ہے [illegible] یہ پہلی [illegible] ہوا کہ یہ [illegible] کسی جوہری [illegible] بھی آچکا ہے۔

وہ ہر چاند کی پہلی جمعرات کو داتا دربارؒ پہنچتا تھا جسے نوچندی جمعرات کہتے ہیں...... مجھ سے [illegible] کے بعد وہ خاموشی سے [illegible] ہو کر بیٹھ جاتا' نہ کوئی دُعا [illegible] اور نہ کسی تشنہ لبی کی شکایت...... [illegible] ٹک' کنج سے دو سر نہوڑے جیسے کسی مراقبے کے قبے میں اُتر جاتا...... میں بھی مخل ہونا پسند نہ [illegible] پانی کرتا اور نشست کے برخاست ہونے پہ مجھ سے بھری بوتل پانی دم کرواتا اور رُخصت ہو جاتا۔ [illegible] بار جب وہ معمول کے مطابق نہ پہنچا تو میں نے اس کی کمی کو غیر معمولی طور پہ محسوس کیا۔

اِنسان کوئی بھی ہو وہ اپنی شکل و صورت' دولت و حشمت' لباس و لن ترانی کی بناء پہ کم ہی پہچانا جاتا ہے [illegible] سرشتوں' خوبیوں' کردار و قماش اور ادب و اخلاص سے زیادہ نمایاں و نم دار ہوتا ہے۔ یہاں بھی شاید [illegible] تھا کہ اس کا دل آویز سا سراپا' سراسر لطف و ملنت اور حفظِ مراتب کا اک نفیس سا نمونہ تھا...... جیسے کہ [illegible] بھی کہیں عرض کر چکا ہوں کہ ہر انسان اپنا ایک جبلّی جانور اور اپنی مخصوص بُو رکھتا ہے...... یہ جانور [illegible] بھی ہو سکتا ہے چرندہ' پرندہ اور خزندہ بھی۔ اسی طرح اس کے بدن بطون کی بُو...... خوشبو بھی ہو سکتی ہے [illegible] بھی...... یہ کچھ قسّامِ ازل کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور زیادہ کچھ انسان کی اپنی سوچ طینت اور

کرم وکرامات کا شاخسانہ بھی...... اگر آپ صاحب حس وذکا ہیں تو محسوس کیا ہوگا کہ آپ سے ہاتھ مل والا معانقہ کرنے والا یا قریب نشست اختیار کرنے والا آپ کو نامحسوس سی طمانیت یا انجانی سی بہجت سے آ کر گیا ہے...... بھینی بھینی خواب آگیں سی مہک نے آپ کا احاطہ کرلیا ہے۔ آپ اس شخص سے صرف بات کر ہی نہیں بلکہ اس کی قُربت کے خواہش مند بھی ہوتے ہیں۔ اسے اپنی نگاہ کا محور بنا لیتے ہیں...... جبکہ وہ آپ کوئی قرابت دار یا جاننے والا بھی نہیں ہوتا۔

اسی طرح بہت سے ملنے والے قریبی رشتہ دار یا آس پاس کے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن تصور بھی آپ کے لیے سوہانِ روح ہوتا ہے۔ ان کی قُربت سے طبیعت میں خلجان پیدا ہوتا ہے اور فی آپ کو بدبُو کا احساس ہونے لگتا ہے۔

کچھ مخصوص ہستیوں کے ہاں یہ صلاحیتیں چنداں زیادہ ہی ہوتی ہیں...... ان کی ظاہری باطنی حسیں اتنی شارپ اور شاندار ہوتی ہیں کہ سایہ، سراپا، سروپ، ساعت، سانچ اور ساز جیسے پڑھنے دیکھنے اور سمجھنے میں انہیں ذرہ بھر دقت نہیں ہوتی...... اُڑتا پرندہ، بیٹھا چلتا پھرتا انسان پشو ان کے سامنے کھلی کتاب اور بولتے حرف کی مانند ہو [illegible] بدلتے موسموں کے تیور افلاک کی گردش [illegible] کی گھن [illegible] سمندر کے بھید ساگروں [illegible] پہاڑوں جنگلوں کے اسرار سب ان پہ واشگاف ہوتے ہیں...... یہی برگزیدہ ہستیاں ہوتی ہیں جو قادرِ مطلق کے ہاں خلیفۃ الارض ہیں...... یہی ہیں وہ لوگ جن کی بابت میرے مُرشد حکیم الامت نے فرمایا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مشہود الرحمٰن گیلانی، طویل غیر حاضری کے بعد جب داتا سرکار پہنچا تو میں نے نگاہوں ہی نگاہوں میں اس سے غیر حاضری کی وجہ دریافت کی تو وہ کچھ جواب دینے کی بجائے حسبِ معمول سر جھکا کر کہیں مراقبے میں اتر گیا۔ نشست سمیٹنے سے پہلے اُسے اپنے پاس بلایا...... حال احوال پوچھا، حسبِ معمول وہ سر اور نگاہیں جھکائے الحمدللہ الحمدللہ کہتا رہا...... یہ واحد میرا عقیدت مند بچہ تھا جو خاموشیوں کی زبان سے مجھ سے متکلم ہوتا تھا...... میں نے خود ہی کہا۔

"لاؤ مجھے پانی کی بوتل دو دم کردوں۔"

وہ اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے بولا۔ "شاہ جی نے کہا تھا، اب میرے لیے پانی لانا چھوڑ دو...... افاقے کی کوئی صورت نہیں اتنی دور سے بوجھ اٹھا کر لانے کا کیا فائدہ؟"

میں نے چند ثانیے اس کی بات پہ غور کرنے کے بعد پوچھا۔

"شاہ جی' کون ہیں اور اقامتے' قائمے والی کیا بات ہے؟"

کچھ ساعتیں پس و پیش کرنے کے بعد ایک لفافہ میرے پاؤں کے پاس دھرتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا جی! میں نے اپنی غیر حاضری کی وجہ اور اپنے بڑے بھائی مسعود الرحمن گیلانی کی پریشانی تفصیل کے ساتھ تحریر کر دی ہے...... آپ برائے مہربانی اس مہمل سی تحریر کو پڑھنے کی زحمت فرمالیجیے گا۔"

میں نے اس موٹے سے لفافے کو ہاتھ سے تولتے ہوئے کہا۔

"میرے بچے! پڑھنے لکھنے سے تو میں پہلے ہی بہت عاجز ہوں اور نہ ہی میرے پاس اتنی فرصت ہوتی ہے۔ مناسب سمجھو تو مختصر الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کر دو۔" وہ خجل سا کہنے لگا۔

"بابا جی! بیان کرنا بھی چاہوں تو شیخ سے تمام حالات و واقعات بیان نہ کر سکوں' آپ کے روبرو [illegible] زبان کھلتی ہے نہ آنکھ اٹھتی ہے اور آپ کے قیمتی وقت کا بھی احساس......"

میں نے اسے اذن رخصت دیتے ہوئے کہا۔

"تم نے درست کہا ہے لیکن یہ بھی درست ہے کہ [illegible] قسم کے خطوط نہیں [illegible] مختصر سا [illegible]

اس کے لاہور پہنچنے میں ابھی بیس روز باقی پڑے تھے کہ اس نے ٹیلیفون پر سلام دعا کے بعد ڈرتے جھجکتے ہوئے دریافت کیا کہ میں نے [illegible] اس کے کاغذات ملاحظہ کیے یا نہیں...... ظاہر ہے میں نے اس کا لمبا چوڑا [illegible] اس قسم کی تحریروں والی فائل میں بن پڑھے ہی رکھ دیا تھا کہ مہینے بھر کا وقفہ ہے کسی وقت فرصت میں دیکھ لوں گا...... میں نے مصروفیت کا بتا کر کہا کہ ابھی میں اسے نہیں دیکھ سکا...... انشاءاللہ جلد دیکھ لوں گا...... تم اپنے بھائی کا بتاؤ وہ اب کیسا ہے؟...... ویسے میں نے اس کے لیے دعا کر دی تھی۔

"بابا جی...... میں پنڈی سے بول رہا ہوں...... صورت حال بڑی آزمائش کن ہے۔ ہم سب یہاں بڑی تشویش [illegible] اور پریشانی کے عالم میں پڑے ہوئے ہیں...... آپ سے دست بستہ دعا کی التجا ہے۔"

میں اس کی گفتگو کے اندر چھپے ہوئے کرب کو بڑی اچھی طرح محسوس کر رہا تھا...... میں جانتا تھا وہ بڑے صبر تحمل والا بچہ ہے یقیناً وہ کسی بھیانک افتاد میں گھرا ہوا ہے۔ دریں صورت وہ کبھی اس انداز میں دعا کے لیے نہ کہتا۔

میں نے قدرے وقفہ لینے کے بعد بڑے تجسس سے پوچھا۔

"بچے! اللہ رحم کرے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جب معاملہ امکانی تدابیر سے آگے نکل جائے پھر مشیت ایزدی پہ توکل کرنا چاہیے...... یقیناً اللہ کریم کبھی کسی کو اس کی جسمانی، روحانی استطاعت سے آزمائش میں ڈالنا پسند نہیں فرماتا۔ مختصر الفاظ میں اپنی پریشانی بتاؤ۔"

جواب میں وہی ہچکچاہٹ، ممیاہٹ......!

میں نے زچ ہوتے ہوئے جھلا کر کہا۔

"سیدھی طرح بات کرنی ہے تو کرو دریں صورت ٹیلیفون بند کر دو۔"

وہ جیسے بغل میں منہ ڈالے بات کر رہا تھا۔

"بابا جی! اگر آپ سے بات کرنے کا یارا ہوتا تو لکھ کر کیوں پیش کرتا...... اور یہ قصہ تو ویسے بھی بتانے سنانے لائق نہیں...... بابا جی! سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں...... اللہ حافظ کہہ کر اس نے ٹیلیفون بند کر دیا...... میں کئی بوجھل لمحے بند ٹیلیفون کان سے لگائے اس کی بات کی تشنگی پہ غور کرتا رہا۔

اس دن میں نے پہلی فرصت میں اس کے دیئے ہوئے ورق مطالعہ کے لئے نکالے...... بڑی عمدہ نستعلیق اور منطقی سی تحریر تھی۔ ایسی تحریریں منشی، عالم، فاضل قسم کے مدرس، مہتمم وغیرہ لکھتے ہیں...... معمولی سمجھ کے پڑھے لکھوں [illegible] بغل میں [illegible] تھا۔

"محترم المقام بابا جی! السلام علیکم

اللہ پاک آپ کے درجات بلند فرمائے۔ گزشتہ ماہ، معمول کے مطابق میں سرکار ہجویرؒ کے قدموں میں بوجوہ حاضر نہ ہو سکا۔ اس طرح آپ کی زیارت سے بھی محروم رہا لیکن یقین فرمائیں کہ میں غیر حاضری کے باوجود باطنی طور وہیں پہ موجود تھا...... بابا جی! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس اپنی گھریلو پریشانی کس طرح بیان کروں...... گو اس کا تعلق میرے بڑے بھائی مسعود الرحمٰن گیلانی کی ذات سے ہے تاہم اس کے بہت گہرے اثرات بالواسطہ میری ذات پہ بھی مرتب ہیں۔ میں تو کسی نہ کسی طور برداشت کر لیتا ہوں لیکن ہمارے ضعیف العمر والدین اور بھائی صاحب کے بیوی بچوں کے لئے یہ اذیت مسلسل ناقابل برداشت ہے۔ بھائی صاحب ایک ایسے ناگہانی اور ناقابل فہم و شنید آزار میں مبتلا ہیں کہ وہ نہ تو جیتوں میں ہیں نہ مردوں میں...... ہم انہیں دن رات کے کسی لمحے اکیلا نہیں چھوڑتے کہ وہ ماضی میں کئی بار خودکشی کی ناکام کوشش بھی چکے ہیں۔ اب بھی وہ اسی جستجو میں رہتے ہیں کہ کہیں موقع ملے اور وہ اپنا قصہ پاک کر جائیں۔"

یہاں تک کا مضمون صرف ایک قرطاس پہ تھا۔ اس سے آگے اسی طرح کے کئی صفحے تھے جنہیں پڑھنا اب میرے لئے بہت مشکل تھا کہ میں کسی کے اندوہناک حالات مسلسل ایک نشست میں سننے پڑھنے کا متحمل

[illegible] — جتنا کچھ میں پڑھ چکا اُسی پہ کڑھتے ہوئے غور کرنے لگا...... بقیہ اوراق میری گود میں دھرے [illegible] حالت میں پڑے پڑے نہ جانے کس اونگ بونگ میں بور کے لڈو بٹنے لگا۔

بڑی لمبی چوڑی زمینیں...... جہاں مکئی، جو، جوار...... پھل پھول اور خوب ہری بھری سبزیاں اُگا کرتی تھیں — [illegible] ک اور بھیڑ بکریاں، دودھ، گھی مکھن کی فراوانی...... گھریلو ملازم، حویلیاں اور بڑے بڑے باڑے۔ [illegible] اور مرغزاروں میں کھلیارے...... ادھر کے قدیمی متموّل صاحب حیثیت گیلانی سادات سے تعلق تھا — کئی نسلوں سے اِن دشوار گزار پہاڑوں کی دلآویز وادیوں گھاٹیوں اور نباتات سے آسودہ آڑھے ترچھے [illegible] — موتی برساتے جھرنوں اور کرنوں کے جھالے جھلاتے آبشاروں کی جلو میں سادگی اور نا آشنائی [illegible] میں بھری زندگی بسر کر رہے تھے...... گیلانیوں کا یہ گھرانہ شاید محدودے چند گھرانوں میں سے ایک تھا جو [illegible] انداز کی دینی تعلیم و تدریس کے علاوہ عصری تعلیم کے تقاضوں کو بھی سمجھتا تھا...... چنانچہ سید غلام قادر گیلانی [illegible] دونوں بیٹوں مسعود الرحمٰن گیلانی اور مشہود الرحمٰن گیلانی کی دینی اور دنیوی، دونوں انداز کی تعلیم پہ [illegible] ہزار مشکلوں اور جان ماریوں کے بعد دونوں [illegible] اُن چند مخصوص تعلیم یافتہ گھرانوں میں سے [illegible] تہذیب و تمدن، روایات، ثقافت اور [illegible] قدروں کے بھی امین تھے اور جنہوں [illegible] سیاست و نقابت، فلاح و بہبود اور علمی، فکری پسماندگی کے لیے بھی بڑا موثر و مربوط کردار ادا کیا۔

والد صاحب جب عملی طور پہ وظائف زندگی سے علیحدہ ہوئے تو خاندان کی تمام ذمہ داریاں [illegible] گیلانی کے کندھوں پہ [illegible] اپنے علاقائی روایتی طرز معاش [illegible] جدید انداز و طریق سے کاروبار کی ٹھانی۔ پٹرول پمپ بنایا، گھی تیل آٹا کی ایجنسیاں حاصل [illegible] — چھوٹا مشہود الرحمٰن گیلانی چونکہ کنوارہ تھا، سیر سپاٹے کا شوقین اور کاروباری سوجھ بوجھ بھی بدرجہ اتم [illegible] لین دین اور خرید و فروخت کے سلسلہ میں بیشتر وقت شہر در سے باہر ہی رہتا۔ اس نے اپنا [illegible] پروگرام کچھ اس طور وضع کیا ہوا تھا کہ نئے چاند کی پہلی جمعرات وہ بہر صورت داتا نگری [illegible] ہجویری کی چوکھٹ اقدس پہ حاضری دیتا، فاتحہ تلاوت اور تسبیح و تہلیل کے بعد کچھ وقت میری صحبت میں [illegible]

درویشوں، فقیروں، مجذوبوں اور بابوں کے اردگرد بیٹھنے، کھڑے ہونے والے لوگ بھی عجیب و غریب [illegible] ہیں۔ اکثر تازہ یعنی از قسم کریدو مرید و ہوتے ہیں۔ کھڑے بیٹھے گھورتے رہیں گے، پاس نہیں پھٹکتے کہ [illegible] سے نظارہ کرتے ہیں۔ جیسے سینما ہال کے باہر غریب غربا، ایکٹروں کے قد کی بڑے بڑے بینر اور

فوٹو سیٹ ہی دیکھ کر اپنا رانجھا راضی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح یہ رُوحانی بھونڈ بھی ہوتے ہیں ...... یہ باطنی مقامات کے اندازے لگاتے رہتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا' تاش' شطرنج یا گنجفہ کی چوپال جمی پڑی ہے اصل کھلاڑی تو دو چار ہوتے ہیں مگر ملاحظیئے اور مشیر و مندوب زیادہ ہوتے ہیں۔ بابوں کی چوپال میں باادب و باامر دو چار دانے ہی ہوتے ہیں۔ باقی اکثر شبراتیئے' رمضانیئے یا عیدو قسم ہوتے ہیں' جو کمیٹیوں' لاٹریوں کے نمبروں کی تلاش میں ہوتے ہیں یا پھر ویزوں' امیگریشن کے چکروں' لڑکیوں سے کے افیئر چلانے والے ...... کچھ قرضوں اور کاروباری اُلجھنوں میں جکڑے ہوئے ...... یہ سب برساتی کی طرح ہوتے ہیں کہ حالات کے موسم میں کہیں ہلکی سی گرمی سردی آئی تو یہ چڑھ دوڑے مزاروں اور فقیروں کے ڈیروں پہ ...... اور جونہی حالات میں بہتری آئی تو پھر وہی پہلی سی بیگانگی۔

جیسے کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں کہ یہ چھوٹا مشہود الرحمٰن گیلانی کم از کم ایسا نہیں تھا۔ اس کے ولی نے تو کبھی ملاقات سے اٹھائی اُکھڑوں سے زیادہ بات ہی نہیں کی تھی ...... نہ کچھ جھجک سے اوپر نہیں ملائی تھی۔ بس پہلو بدلے دو زانو تہہ ہوئے قعدے میں پڑا رہتا جیسے یہ دُنیا و مافیہا سے پرے دھیانی گیانی

مشہود الرحمٰن گیلانی کو اپنے چھوٹے بھائی سے زہد و تقویٰ ادب و بردباری کے معاملے میں آگے ہونا چاہیے تھا مگر بدقسمتی سے ایسا نہیں تھا ...... کارمختار اور بڑا ہونے کے زعم اس میں کچھ خود سری خود پسندی آ گئی تھی ...... فرشتہ سیرت باپ کے بیمار ہونے کے بعد خاندانی روحانی سلسلے کی باگ ڈور جب کے ہاتھ آئی تو قدو قدر میں مزید [illegible] اب جو نخوت و نمود نے بھی پھن سیاست و قیادت نے بھی طاقت و طمع میں اک چمک چوندھ پیدا کر دی تھی ...... بس یہیں توازن بگڑ گیا۔ کسر عیش پسند احباب نے پوری کر دی ...... مسعود الرحمٰن گیلانی راہِ راست سے اُتر کر عشرت و غزلت کی کھائیوں کی جانب بڑھنا شروع ہو گئے۔ شراب و کباب کے ساتھ طاؤس و رباب اور یہیں سے حسن و شباب یعنی ان سب کے ڈانڈے آپس میں ملتے تھے۔ خاندان سے ہی اک قبول صورت سادہ سی بیوی بڑی جس کی گود میں دو پھول سے بچے' باپ کی صورت اور شفقت کے لیے ترسے ہوئے تھے ...... اپنی سماجی اور کاروباری مصروفیات کی آڑ میں کئی کئی شب و روز گھر سے غائب رہنا اک معمول بن چکا تھا ...... کاروبار اچھے بُرے کارندوں کے سپرد تھے۔ جو مالک کی عیش کوشی اور عدم توجہ کی وجہ سے دونوں ہاتھوں سے لُوٹ رہے تھے ...... مشہود الرحمٰن گیلانی' باپ کی جگہ کھڑے بڑے بھائی کی ہر حرکت سے واقف تھا۔ حدِ ادب میں رہتے ہوئے بھائی کی غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ مصروفیات پہ تشویش کا اظہار بھی کر چکا تھا

[illegible] کے آگے چھوٹا بھائی ہونا' نری ذلت ہوتا ہے۔ منہ کھولو تو سوائے جھاڑ پھٹکار' کچھ حاصل [illegible] سے یہی جواب ملتا...... تو اپنے کام سے کام رکھ۔ میں خوب جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے اور [illegible] تو مہینے کے پچیس دن باہر رہتا ہے۔ یہاں مجھے اچھے بُرے سب سے صاحب سلامت رکھنی [illegible] میں زندہ رہنا کچھ ایسا آسان بھی نہیں ہوتا...... ویسے بھی سیاسی اور کامیاب لوگوں کے دشمن [illegible] ہیں...... تو اِدھر اُدھر کی باتیں نہ سنا کر...... مشہود الرحمٰن گیلانی کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ بھائی [illegible] نکلا ہے اُن راہوں کے آگے تباہی بربادی اور رسوائیوں کی گہری کھائیاں ہیں...... وہ اپنی [illegible] ننھے ننھے بچوں کو جھوٹی سچی تسلیاں دیتا رہتا...... اور اپنے کاروباری سفر کے دوران ہر اُس [illegible] دکھائی دے جاتا...... لاہور' داتا صاحبؒ کا درِ اقدس تو اس کی التجاؤں کا آستانہ تھا۔

[illegible] کہتے ہیں۔ معصیت ایک اُترائی ڈھلوان کا سفر ہوتا ہے۔ جو ایک بار یہ راستہ اختیار کر [illegible] اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ لاکھ چاہے تب بھی قدم جما کر ٹھہر نہیں سکتا بلکہ اپنے بوجھ [illegible] ہے...... جبکہ عبودیت اونچی چڑھائی یعنی اُٹھان کا سفر ہوتا ہے۔ جو اختیار کرنا جوکھم کا کام [illegible] اس پہ چل نہیں سکتا...... پیچھے دھکا دے کر آگے کھینچنے والا نہ ہو تو [illegible] کر چکنا چور [illegible] ہے۔ پر بڑا بھائی [illegible] چڑھائی پہ چڑھ رہا تھا [illegible] سے اوپر کھینچ [illegible] بھی کوئی دھکا لگانے والا موجود ہوگا۔ جبکہ بڑا بھائی ڈھلوان سے لڑھکتا ہی چلا جا رہا تھا۔

[illegible] کی چاردیواری میں چاروں عیب شرعی داخل ہو چکے تھے۔ [illegible] جوا تو خیر معمولی چیز تھی [illegible] شغل میلہ...... [illegible] تھا اب رہا حُسن و شباب...... تو اس [illegible] حساب کی ضرورت ہوتی ہے...... جن بدنصیبوں کو کھانے پینے میں باہر کے چسکے لگ جائیں [illegible] روٹی زہر لگتی ہے۔ علاقہ ایسا تھا کہ یہاں فحاشی نہ ہونے کے برابر...... مقامی لوگ' شرم و حیا [illegible] کا یہاں تصور تک نہ تھا۔ لہٰذا پنڈی' پشاور اور لاہور تک سے بے حیا' عصمت فروش عورتیں [illegible] ہیں۔ زنا' جھوٹ اور ناشکری' روزی رزق کو کھا جاتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے جنہیں کچھ [illegible] ایسا لگتا ہے کہ یہ علتیں انہیں راس ہی آ گئی ہیں یا شاید قدرت ان کی رسّی دراز کر دیتی ہے اور [illegible] بے خبر اپنی جوانی مستی اور دولت طاقت کے زعم میں برابر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں...... [illegible] ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا ان کی ڈھیلی رسّی اچانک کھینچ لی جاتی ہے۔ ان کی [illegible] اور رعونت کا سارا کاروبار چھپکلیوں کا فضلہ بن کر عبرت و کراہت کا سامان بن جاتا ہے۔

مسعود الرحمٰن گیلانی اور اس کے بدقماش دوستوں نے اپنی عیاشی کے لئے کئی ایک خفیہ ڈیرے بنائے

ہوئے تھے۔ عام آبادی سے دُور پہاڑوں کی محفوظ غاروں میں ہر ممکنہ آسائش و سہولت سے آراستہ طرح کے کوٹھی خانے تھے۔ معزز مہمانوں اور سیاحوں کے رُوپ میں یہاں بڑے بڑے شہروں سے مُجرے والی طوائفوں اور گانے بجانے والوں کا آنا جانا لگا رہتا...... ہپی ٹائپ کے مخنّث لفنگے جوڑوں کی عادی میموں کی چرس چانڈو کی ضروریات پوری کر کے انہیں عیاشی و فحاشی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یہاں منشیات کا ہلکا پھلکا دھندا بھی ہوتا تھا۔

آج کل دُنیا میں عجیب و غریب فلمیں بن رہی ہیں۔ ان کا کوئی سر پیر نظر نہیں آتا۔ دیکھنے والے بچارے دِیدے ٹکائے دھک دھک دِل دھڑکائے دہشت و وحشت زدہ سے فلم دیکھتے رہتے ہیں۔ بھوت سے بنے یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ یہ کیا تھا...... کدھر تھا اور کیوں تھا؟...... یہ سوچتے سوچتے وہ فلم کا ایک کردار محسوس کرنے لگتے ہیں۔ ایک دو تین چار پانچ ... اس طرح کی مافوق العقل و ماورائے فطرت و جبلت غیر منطقی آغاز و انجام والی ہیجان خیز فلمیں دیکھنے کے بعد بندہ بندے کا بچہ وہ ایک شیطانی چرخہ سا بن جاتا ہے...... انسانیت اور رُوحانیت تو کہیں غائب ہونا شروع ہو جاتی ہے کی جگہ ابلیسیت اور دیوثیت دَر آتی ہے...... پھر ذہنی قلبی جسمانی جنسی اور رُوحانی عوارض اس اپنی آماجگاہ [illegible] کا شغل ٹونے بازی...... بازاری قسم کی جنسی قوت بڑھانے والی اشتہاری دوائیں اور ذرد رکی لعنتیں اور ٹھوکریں مقدر بن جاتی ہیں۔ کچھ اسی طرح یہ با اختیار صاحب حیثیت متمول لوگ جب تن آسانی اور عیش کوشی میں ہیں تو پھر کوئی بے اعتدالی بے راہ روی اور بے حیائی بے غیرتی اُن کی آخری حد نہیں ہوتی وہ چھلانگ پہ چھلانگ چھلانگتے ہی چلے جاتے ہیں...... پھر ایسی ہی کوئی چھلانگ ان کی آخری چھلانگ ٹھہرتی ہے۔ جس گوڈے رہتے ہیں اور نہ گٹے...... یہی کچھ چند ناآسودہ اور اندھے لمحوں میں ظہور پذیر ہو گیا تھا۔

مارتھا مرسڈیز! بون جرمنی کی رہنے والی تیئیس بائیس برس کی نیلی آنکھوں والی چنچل سی اک تھی...... بون یونیورسٹی سے اُس نے مشرقی اقدار و علوم میں تحصیل کرنے کی ٹھانی...... پتہ نہیں کیا خناس میں سمایا کہ اس نے اچانک پاکستان خاص طور پہ شمالی علاقہ جات کی تعلیمی معلوماتی سیاحت کا فیصلہ بون میں پاکستانیوں کی ایک خاصی تعداد موجود ہے...... ہر نوع کے لوگ پڑھے لکھے۔ ہنر مند کاروباری معمولی محنت کش بھی...... کچھ بھلے لوگ تعلیم و تحقیق کے میدان میں بھی تھے۔ تعلیم کے زمانے میں اُس کا یونیورسٹی فیلو اورنگ زیب تھا...... جو ایبٹ آباد کے ایک متمول آسودہ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اورنگ

[illegible] تھا۔ ــــ مخلص، آنکھ اُن کا حیادار جامہ زیب اور جاذب نظر...... انہی اوصاف کی بناء پہ وہ مارتھا [illegible] میں گھسا بیٹھا تھا۔ مگر وہ یہاں صرف تحصیل علم کے لئے آیا ہوا تھا۔ اس کے پیش نظر صرف اپنا [illegible] گوری کو پھنسا کر یہاں کی شہریت حاصل کرنا...... وہ خاصا عرصہ قریب رہ کر یہ محسوس کر چکا [illegible] خیالات کی لڑکی نہیں۔

[illegible] کھاتے پیتے اور روشن خیال گھرانے کی چشم و چراغ تھی۔ خدا جانے وہ کیوں اور کس طرح [illegible] تمدن سے متاثر ہوئی تھی۔ خاص طور پہ شمالی علاقہ جات، یہاں کا رہن سہن، رسم و رواج موسیقی، [illegible] کھانے کھاجے...... ان علاقوں کے متعلق، اس نے ڈھیروں لٹریچر اکٹھا کر رکھا تھا...... اور شاید [illegible] سے غیر معمولی دلچسپی کی ایک وجہ یہ بھی ہو کہ اُس کا تعلق بھی اسی خطۂ ارض سے تھا...... ویسے تو [illegible] پہ پیدا ہوا مگر [illegible] تھی...... اورنگ زیب خان [illegible] سے پہلے ہی اُس کا رجوع اسلام کی طرف تھا...... دیگر ادیان و مذاہب کی الہامی، مذہبی کتابوں [illegible] مجید کا مطالعہ بھی مکمل کر لیا ہوا تھا...... نماز، روزہ اور دیگر مناسب و ارکان [illegible] بھی خاصی [illegible] اگر کوئی کسر تھی تو وہ باضابطہ مسلمان [illegible] گئی تھی...... اورنگ [illegible] کے روپ [illegible] بے حد کارآمد [illegible] یہی کہ وہ اسے اپنے دل اور روح کے قریب محسوس ہوا...... یہی وجہ تھی کہ اس نے [illegible] معاونت کی تھی۔

[illegible] زیب خان کا [illegible] اشراف سے تھا [illegible] وہ لیے دیے میں رہنے والا [illegible] شخص اپنے کام سے مطلب رکھنے والا۔ دیکھا ہے کہ ایسے سنجیدہ طبع لوگوں کی انا بڑی تیکھی ہوتی [illegible] سی نرگسیت یا [illegible] سے غرور کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ کیا کہیے کہ اس کی یہ خامی بھی [illegible] میں اک خوبی ٹھہری تھی۔

[illegible] زیب خان، اس کی آنکھوں میں تیرنے والے لگاوٹ کے ترمروں کو محسوس کرتا تھا۔ اس [illegible] سراپا پاس تھا...... بحیثیت ایک ساتھی خوبرو دوشیزہ کے بھی وہ بصد قبول تھی...... اس [illegible] صاف ستھری عادات...... پاکستان اور دین اسلام سے محبت بھی قابل ستائش تھی...... مگر ان [illegible] وجود اس نے اپنے اور اُس کے درمیان ایک سدِ حرمت و احترام اٹھا رکھی تھی...... اس نے [illegible] سے پیش قدمی کا تاثر نہیں دیا تھا اور نہ ہی کبھی اس کے سامنے خود کو ایک ماورا انسان کے [illegible] صوم و صلوٰۃ کا پابند کٹر مسلمان بننے کا سوانگ رچایا تھا۔ نہ اشارے کنایے سے بھی کبھی کوئی ایسی

آس اُمید دلائی تھی جس سے مارتھا ''جواب آں غزل'' سمجھ لیتی......!

کمال کا کمال کہ چار سال کا عرصہ دیکھتے ہی دیکھتے بیت گیا اور دونوں اپنی اپنی جگہ پہ قائم...... اپنا بھائی ہوتا تو کم از کم چار بچے اور کئی بار طلاق بھی ہو چکی ہوتی...... جیسے گیا تھا ویسے کا ویسا ڈگری لے لوٹ آیا۔ ایئر پورٹ پہ رخصت ہوتے ہوئے نہ کوئی وعدہ' نہ کوئی آنسو ہچکی...... اور الوداعی بوسے کا تو ہی پیدا نہیں ہوتا تھا...... ہلکی سی ممنونیت بھری مسکراہٹ کے تبادلے کے بعد' دونوں اپنی اپنی راہوں پہ گئے...... ایسے کہ کسی نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

وہ دونوں شاید اپنی اپنی انا کے غلام تھے۔ عورت اندر سے بڑی نازک سی چیز ہوتی ہے۔ پندار ذات کا بڑا دھیان ہوتا ہے' وہ لاشعوری طور پہ اس امر پہ ایمان رکھتی ہے کہ کائنات کا سب سے قیمتی اور اعلیٰ اثاثہ اس کے پاس محفوظ ہے...... وہ اسے بہت اہم رکھتی ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ عورت کی سنبھالی ہوئی اس دولت کو آپ اس کی عزت نفس کہہ لیں یا چاہت' پیار وغیرہ...... یہ بھی افشا ہوا کہ عورت کی سب سے قیمتی چیز اس کا چاہے جانے کا احساس یا خواہش ہے...... وہ سب کچھ سہہ لینے کا جگرا رکھتی ہے مگر کوئی اس کی محبت یا وفا کو نظر انداز کرے اس کی بردا[illegible] وقت ہے جب کوئی اسے یہ احساس دلا دے کہ وہ اس کی نظر میں خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ وہ عورت اپنے حسب کسب و کمال حسب و جمال کی اہمیت کو چنداں ایسا اہم نہیں گردانتی۔ وہ تو اپنی جنس کے حوالے والی اہمیت سمجھتی ہے...... حسن و جمال' [illegible] ذوق و [illegible]' کسب و کمال' حسب و نسب وغیرہ تو قوس قزح کے رنگوں کی جھلمل ہے...... مکمل عورت تو نسائیت (جنس) کے کچے رنگوں سے رنگی چنری ہوتی ہے...... جس اپنی نسائیت کی توہین برداشت نہیں......!

یہاں اورنگ زیب خان اور مارتھا مرسیڈیز والے قصے میں بھی شاید یہی کچھ تھا۔ مڑ کے دیکھے وہ ایئر پورٹ سے نکل گئی اور وہ بھی اپنی ازلی بے اعتنائی سے بورڈنگ لاؤنج کی جانب بڑھ گیا تھا۔ کُھد بُھد دونوں جانب رہی ہوگی۔ انسان بالآخر انسان ہی ہوتا ہے پتھر تو نہیں...... چند برس ہی کی سہی کی رفاقت تو تھی۔

راستے میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوچ رہی تھی...... خان نے رخصت ہوتے سے کوئی اُمید جھوٹی تسلی تک نہ چھوڑی۔ یوں ہاتھ چھڑا گیا جیسے کوئی اجنبی تھا...... کیا مسلمان' پاکستانی ایسے ہی ہوتے ہیں اپنے کام سے کام رکھنے والے یا مطلب پرست...... اس نے ایک لفظ' شکریہ تک کا منہ سے نہ نکالا

شرافت ذات' نسائیت ہر چیز کو الانگتا پھلانگتا آگے بڑھ گیا۔

مختلف جنسوں کے درمیان کوئی بھی رشتہ یا تعلق ہو کہیں نہ کہیں جنس ضرور کارفرما ہوتی ہے اور کی نہ کسی سطح پہ ظہور پذیر ہوئے بغیر نہیں رہتے...... اور اگر کہیں نہیں ہوتے تو وہ یقیناً کوئی ہوں گے...... عورت' عورت ہی اور مرد' مرد ہی ہوتے ہیں۔ خواہ اُن کا تعلق کسی بھی رنگ' نسل' یا مشرق و مغرب سے ہو...... جذبات و احساسات' جنسی جبلی رویے۔ غم' غصہ' پیار' اظہار تو سب ہی ہوتے ہیں۔

پہ اس کا دماغ مختلف نوع کی باتوں' سوچوں اور خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ ایسے ہی اُس کی تو وہ خان کی اس طور بیگانگی اور سرد مہری پہ اک نئے زاویہ نگاہ سے غور کرنے لگی...... دماغ اک کی مانند رواں وقت کے بازیگر کے ہاتھوں گردش میں تھا۔ گمان گزرا شاید یہ انداز بھی ہی شخصیت کا کوئی انوکھا سا زاویہ ہو۔ انسان بھی شاید کسی تراشیدہ یا ناتراشیدہ گوہر کی مانند ہوتا ہے تو کہیں مخروطے' مسدسے' مثلث...... ظاہر باطن کئی کئی رنگ' انگ' مختلف مزاج' اثرات گئے اور اُبھرے...... شفاف اور [illegible]...... نہیں [illegible] اور کہاں کچھ [illegible] سب کچھ اپنے باہر نکال پھینکا۔

روز خلاف توقع خان کا ٹیلیفون آ گیا کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ گیا ہے...... اُس نے شکریہ بھی آج پہلی مرتبہ یہ انکشاف ہوا کہ تم جرمنی میں ہو اور میں پاکستان میں۔ اپنا خیال رکھنا! ٹیلیفون کتنی دیر رسیور تھامے انتظار کرتی رہی شاید وہ کچھ مزید کہے گا۔

کا قطرہ یا ریت کا ذرہ' بظاہر بڑے معمولی اور غیر اہم دکھائی دیتے ہیں۔ مگر ذرا سا دھیان بدلو اور دریا اور ذرے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ چند ساعتوں کی اونگھ کے بعد آنکھ کھولو تو وقت کا پنچھوا کئی پیچھے چھوڑ چکا ہوتا ہے۔ اسی طرح کئی صبحیں اور کئی شامیں بیتاتے دو برس آ گئے تھے...... ٹیلیفون پہ وہ بھی چند رسمی جملے...... "کیسی ہو؟ پڑھائی کر رہی یا کوئی جاب؟ اپنا خیال رکھنا"...... یہ بھی کوئی تھیں؟ آخر ایک دن اس نے "مژدہ" سنایا کہ پچھلے ہفتے اس کی شادی ہو چکی ہے...... ماں سخت کی کوئی اُمید نہیں تھی...... اس کی آخری خواہش کے احترام میں میرا نکاح پڑھوا دیا گیا...... ٹیلیفون بھی کہ اب تم بھی شادی کر کے گھر بسا لو...... اس نے یہ سب کچھ یوں کہہ دیا جیسے بتا رہا ہو...... گرمی کی وجہ سے میرے چہرے پہ گرمی دانے نکل آئے تھے۔ میں نے فلاں کریم استعمال کی' جس

سے مجھے اتفاق ہوا' تمہارے چہرے پہ بھی دانے نکلتے رہتے ہیں۔ تم بھی یہ کریم استعمال کر کے دیکھو

حسبِ معمول' خان کی یہ اطلاع بھی معمول کی ایک واردات گردان کر دل میں "داخل دفتر" کر دی۔

ایک دن' اس نے بھی اُسے اطلاع کر دی کہ ہفتہ کی صبح ۷ بجے اسلام آباد پہنچ رہی ہے۔ پا موسم بہار اُترا ہوا ہے...... تیز رَو' شوریدہ دریا خوب دُھوم میں مچا رہے ہوں گے۔ جھرنوں اور آبشا بوچھاریں اُڑائی ہوں گی...... خوش نوا پرندوں کی چہکاروں نے اک سماں باندھا ہوگا...... جگنوؤں کے اُترے ہوں گے...... خوش رنگ گُلوں کی نکہت بیزیاں عروج پہ ہوں گی وغیرہ وغیرہ...... اور میں لے کر آ رہی ہوں۔ مجھے پورا یقین ہے تم مجھے اپنے رُوبرو پا کر پھولے نہیں سماؤ گے...... میں تم کیڈ بری اور سوئس چاکلیٹ اور تمہاری پسندیدہ کافی کا وافر سٹاک لے کر آ رہی ہوں۔

امیگریشن اور کسٹم سے فارغ ہو کر وہ باہر نکلی تو ایک بے ہنگم انسانوں کا ہجوم جیسے اُسی کا شور غوغا' بھانت بھانت کی آوازیں' آنکھوں میں [illegible]...... ہر کوئی اس کی جانب لپک رہا ہے رکشے اور ہوٹل والوں نے اُسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ عجیب وغریب قسم کی انگریزی میں اُسے خدمات پیش کر رہے تھے۔ ایک آدھ نے تو اس کے سامان کی ٹرالی پہ بھی ہاتھ رکھ دیا تھا...... وہ کچھ سمجھ نہیں [illegible] رہی تھیں وہاں ہوتا تو [illegible] نہیں دکھائی دیتا...... اسی شدومد میں جب کچھ وقت گزر گیا تو اس نے صورتِ حال کو سمجھنے کی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ خان یا تو لیٹ ہو گیا ہے یا پھر کوئی ایسی ناگہانی واقع ہوئی ہے کہ وہ یہاں پہنچ سکا...... اچانک اُسے [illegible] دکھائی دیا۔ اس نے فوراً آگے اُنہیں اپنی پریشانی سے آگاہ کیا...... اُنہوں نے اس اکیلی لڑکی کو ایسے واہیات لوگوں کے نرغے میں فوراً اس کے پاس پہنچے...... صورتِ حال کو جان کر' اُسے اپنے ساتھ ہی ہوٹل لے گئے۔ مشورہ دیا کہ ایک اکیلی لڑکی کا پاکستان آنا کچھ مناسب اقدام نہیں۔ یہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے...... زبان کا مسئلہ یہاں کا کلچر بہت مختلف اور دقیانوسی ہے۔ مزید مشورہ دیا کہ یہاں کسی پہ بھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے اگر روز رہنے کا ارادہ ہے تو فائیو سٹار ہوٹل کے علاوہ کہیں اور نہ ٹھہرنا...... ہوٹل کی ٹیکسیاں اور ٹورازم استعمال کرنا اور کسی بھی اجنبی کے ساتھ بے تکلف ہونے سے احتراز کرنا...... کسی بھی ناپسندیدہ صورت نمٹنے کے لئے پولیس اور اپنے سفارت خانے سے رابطہ کرنا بلکہ ابھی اسی وقت انہیں اپنے بارے میں یقیناً وہ تمہارا خیال رکھیں گے بلکہ یہاں تمہارے گھومنے پھرنے کے انتظامات بھی کر دیں گے۔

فوری ضروریات سے فارغ ہوتے ہی اس نے خان سے رابطہ کیا۔ خان ایئرپورٹ پہ آ

[illegible] میں گاڑی خراب ہوگئی تھی چنانچہ وہ ایئرپورٹ پہ دیر سے پہنچا اسی دوران مارتھا، ایئرپورٹ سے [illegible] تھی۔

[illegible] زیب ہوٹل پہنچا تو اُس کے ساتھ بھائی اور ایک سالا تھا۔ کمرے کی بجائے یہ ملاقات، [illegible] ستوران میں ہوئی۔ خان بڑا اُوپرا اُوپرا سا جان پڑا۔ بڑے رُوکھے رُوکھے انداز میں اُس نے [illegible] محسوس ہوتا تھا جیسے وہ طوعاً و کرہاً ایسا کر رہا ہو۔ اُس کے چہرے بشرے سے نہ تو خوشی ٹپکتی تھی [illegible] کے تکلم میں کسی گرم جوشی کا شائبہ تھا۔ وہ ایک روبوٹ کی مانند سامنے پڑا تھا۔ روبوٹ میں [illegible] سکتا ہے مگر اس کے پاس احساسات اور جذبات نہیں ہو سکتے...... درد اور سوز نہیں ہوتا...... وہ اسے [illegible] کے باوجود اس وقت متعجب تھی کہ یہ ویسا ہی پتھر کا پتھر ہے...... گفتگو کے درمیان وہ بار بار اپنی [illegible] پہ نظر دوڑاتا تھا...... تنگ آ کر مارتھا پوچھ بیٹھی۔

[illegible] محسوس ہو رہا ہے تمہارے پاس وقت کچھ محدود ہے، تمہیں کہیں پہنچنا ہو...... اگر ایسی کوئی [illegible] اگلی نشست پہ ہو جائیں گی اور ہاں تم نے تو پوچھا ہی نہیں کہ میں ہوٹل [illegible] اور کیوں کر [illegible] مختصر اپناتی ہوں......"

[illegible] اس وقت عجلت میں ہوں۔ یہ میرا دوست افضال ہے، کالج [illegible] کا مسئلہ پھنسا ہوا ہے مجھے اسی سلسلے میں ساڑھے دس بجے محکمہ تعلیم کے ایک افسر سے ملنا ہے [illegible] ہوٹل میں تمہیں ہر طرح کی سہولت ملے گی...... یہ بڑا اچھا اور پُرآسائش ہوٹل ہے۔ ایئرپورٹ [illegible] کلاک گاڑی کی [illegible] ایئرلائنز کے آفس، شاپنگ مال، جم [illegible] پول وغیرہ یعنی فائیو سٹار ہوٹل کی زبردست سہولتیں......"

[illegible] یہاں ہوٹل میں سڑنے کے لیے نہیں آئی...... میں تو ایبٹ آباد میں رہنا چاہتی ہوں...... تم [illegible] گھر کے فوٹو بھی دکھائے تھے جدھر مجھے رہنا ہے...... تمہارے پاپا، بہن بھائی اور ممی...... اور پھر تم [illegible] پاکستان، سرحد اور شمالی علاقہ جات گھمانے کا وعدہ بھی کیا ہوا ہے...... میوزیم، اسٹوپے، قلعے، پہاڑ [illegible] کی جھیل سیف الملوک......"

[illegible] زیب خان، ایک بار پھر گھڑی پہ نظر ڈالتے ہوئے اٹھ کر بولا۔

"مارتھا! پلیز، سمجھنے کی کوشش کرو، میرے دوست کے کیریئر کا سوال ہے۔ تم تھکی ہوئی ہو، خوب آرام [illegible] میں جلد ہی تم سے خود رابطہ کروں گا۔"

"اچھا، تم ضرور جاؤ، مگر کم از کم اپنی چیزیں تو لیتے جاؤ...... جو بطور خاص میں تمہارے لیے لائی

ہوں۔"

وہ پرس سنبھالتے ہوئے اٹھی۔ خان کو اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"میرے ساتھ کمرے تک آؤ اور سامان لانے میں میری مدد کرو......"

خان اپنے ساتھیوں کو وہیں چھوڑ کر، مارتھا کے ساتھ لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

مارتھا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے، خان سے سوال کیا۔

"خان! تم وہی تو ہو جو جرمنی میں، میرا یونیورسٹی فیلو ہوا کرتے تھے۔ جو لگ بھگ چا صبح و شام میرے ساتھ رہے...... تم سے میں نے اسلام اور مشرق کے بارے میں بہت کچھ جانا۔ قرآ پڑھنا سیکھا...... میں نے تمہارے وسیلے سے پاکستان کے کلچر، روایات، یہاں کے لوگوں کی ثقافتی سرگر دیکھنا چاہتی ہوں، محسوس کرنا چاہتی ہوں...... جرمنی سے ادھر آنے کا کیا مقصد ہے؟ ذرا سوچو! میں ہوں اور غیر ملکی...... تم مجھے یہاں ہوٹل میں اکیلی اور بغیر کسی تحفظ کے پڑا رہنے دو گے؟"

وہ پھر گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "مارتھا! پلیز، میں اس وقت سوال و جواب کی پوزیشن میں ہوں۔ تم میری مصروفیات اور ادھر پاکستان کی روایات اور معاشرے کے بارے میں [illegible] زیادہ نہیں اور یہ بھی [illegible] ہمارے [illegible] حجاب میں رہتی ہیں......"

"یہ سب کچھ میں جانتی ہوں اور ایسا مجھے اچھا بھی لگتا ہے۔ اگر میں حجاب لے لوں تو پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ زچ ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"پلیز، مارتھا! ٹرائی ٹو انڈر سٹینڈ...... میں پھر بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ تم جانتی ہو چند ماہ پہلے شادی، اپنے خاندان میں ہو چکی ہے...... میں تمہیں بہت عرصہ پہلے جرمنی میں واضح طور پہ بتا چکا تھا کہ خاندان میں شادیاں قرابت داروں میں طے پاتی ہیں۔ یہ ہمارے قبیلے کی پرانی ریت ہے...... تم بہترین دوست اور محسن ہو مگر تمہارے اور میرے مابین نامحرم، مشرقی اور مغربی ہونے کی بھی ایک آڑ ہے۔"

وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا تمہارے میزبانی کی روایات، جن پہ آپ نازاں رہتے ہیں اور فخریہ بیان کرتے ہیں۔ کسی خاتون کے لیے بھی کوئی گنجائش ہوتی ہے یا نہیں......؟"

"یقیناً ہوتی ہے...... اگر وہ اپنے محرم کے ساتھ اور حجاب میں ہو...... تم میری بات اور مجبوری پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا۔ تم اسی ہوٹل میں رہو...... ایک دو روز خوب ریسٹ کرو۔ میں تم سے خود رابطہ کروں گا۔"

اسی دوران دروازے پہ دستک ہوئی...... خان نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو باہر خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا ایک سالا کھڑا تھا...... وہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم اس کے ساتھ دروازہ بند کر کے کیا باتیں کر رہے ہو...... جلدی نیچے پہنچو دیر ہو رہی ہے۔"

مارتھا نے اس شخص کے معاندانہ رویے کو محسوس کرتے ہوئے خان سے پوچھا۔

"یہ اُجڈ آدمی کون ہے؟"

خان نے جرمن زبان میں جواب دیا۔

"یہ آدمی اُجڈ نہیں...... لیکن ایک ایسی بہن کا بھائی ہے جو اتفاق سے میری بیوی ہے اور ہمارے ہاں [illegible] اپنی بہن کے شوہر کو کسی نامحرم عورت کے ساتھ بے تکلف ہوتے دیکھ لے تو فوراً [illegible] کر دیتا ہے۔

[illegible] کا ہاتھ جیب میں اور انگلی ٹریگر پہ......"

[illegible]

مارتھا مسیڈیز [illegible] چوبیس گھنٹوں میں محض تین بار اپنے کمرے سے باہر نکلی...... سونا باتھ اور جم کے لئے اور کچھ لیٹرز اور پیکچر کارڈ پوسٹ کرنے کے لئے...... وہ جیسے اندر سے سہم گئی تھی۔ اس کو برٹش ایئرویز کی [illegible] باتیں یاد آئیں وہ جیسے خود کو یہاں غیر محفوظ سمجھنے لگی تھی...... اس کے دماغ کی گراریاں حرکت میں آ گئیں وہ سوچنے لگی کہ لمبا وقت اور زرِ کثیر خرچ کر کے بیرونی ممالک کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں ڈگریاں حاصل کرنے کا کیا فائدہ کہ انسان اپنی ذہنی گراوٹ اور فکری پس ماندگی سے نجات حاصل نہ کر سکے۔ اپنی [illegible] سے رستگاری نہ پا سکے۔ ایسی تعلیم سے تو کہیں بہتر ہے کہ ایسے قدامت پرست اور تیرگی پسند [illegible] کے جنگلات میں چلے جائیں جہاں آج بھی ایسے قبائل موجود ہیں جو حسین و جمیل متناسب الاعضاء [illegible] عورت کو چڑیل سمجھتے ہیں...... سورج کی ترچھی کرنوں کو اپنے جھونپڑوں میں اُترنے نہیں دیتے کہ ان کے ساتھ دشمن قبیلوں کی جادوگرنیوں کی روحیں لپٹتی ہوئی گھس آتی ہیں۔ غیر قبیلے کی کوئی عورت ہاتھ لگ جائے تو اس کی ناک کے اندرونی بانسے میں جنگلی سورنی کی دُم کے چمڑے کی تانت بٹ کر چھلی کی صورت ڈال دیتے ہیں...... تاکہ اس کے جسم کی لذت سے تو فائدہ اُٹھایا جائے مگر اس کے شر سے محفوظ رہا جائے۔

ایسے ہی سوچتے سوچتے جب وہ اپنی گلی بندھی حد تک آ پہنچی تو سوچ کا دھارا اُلٹے رُخ بہ یہ اس کی فطرت کا عجب خاصا تھا کہ وہ ہر مسئلے کے دونوں رُخوں پہ خوب سر کھپائی کرتی تھی۔ اُسے ذاتی رائے، تجربے، مشاہدے کی کسوٹی پہ پرکھتی بلکہ انسانی جبلت وسرشت کے تناظر میں بھی اس کا موازنہ کر اچھا خاصا بیڈ ریسٹ لینے اور خیال وخوابوں کے جنگل جزیروں میں خوب آوارہ گردی کرنے کے بعد نتیجے پہ پہنچی کہ اگر وہ خان کی جگہ ہوتی تو یہی کچھ ظہور پذیر ہوتا۔ اس میں خان کا کوئی دوش نہیں —— مزاج اور معاشرہ ہی کچھ ایسا ہے کہ فرد انفرادی طور پہ نہیں بلکہ دوسروں سے جڑ کر جیتا ہے۔ وہ نہ چا ہوئے بھی اپنے اردگرد سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ انسانی رشتے، سماجی رویے...... طبقاتی حد بندیاں اور مذہبی چیرہ دستیاں اُسے اسی راہ پہ گامزن رہنے پہ مجبور کردیتے ہیں جس پہ سب چل رہے ہوتے ہیں۔

وہ سوچ رہی تھی کہ جب اس کے گھر والوں کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ جرمنی سے کوئی لڑکی اُسے کے لئے پاکستان آئی ہے تو ظاہر ہے کہ اُس کی بیوی کے کان کھڑے ہوگئے ہوں گے...... دل ودماغ شک وشبہات کی گرد کا بیٹھ جانا بھی ایک فطری امر ہے۔ خان نے لاکھ توجیہہ پیش کی ہوگی لیکن سالا صاحب اور ایک دوست سمیت، دو افراد بطور حفاظتی گارڈ ساتھ آ گئے...... اب اس سب دھیان خان کے لئے [illegible] ایک [illegible] شاید وہاں سہولتیں بھی نہ ہوں جو کسی غیر ملکی کو ہوٹل میں میسر آسکتی ہے...... اس کی بیوی کبھی برداشت نہیں کرے گی کہ کے خاوند کی ایک دوست اُس کے گھر میں قیام کرے...... ایسی ہی طرح بے طرح کی باتیں سوچتے سوچتے جیسے مطمئن سی ہوگئی۔

پاکستان میں پہلی نماز اور جرمن ترجمے والے قرآن کی تلاوت کی سعادت، اُسے اسی ہوٹل کے کمرے میں نصیب ہوئی...... دوسرا ایک اہم کام جو اس سے ہوا۔ ہوٹل کی بوتیک سے قبا نما حجاب، چند دوپٹے، کچھ جوتے اور شلوار قمیضوں کے چند جوڑے خریدے اور دھوپ کے لئے ایک گہرا چشمہ بھی...... اب وہ کہیں غیر ملکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ حجاب نے اس کے حسن وقبح کو جیسے اپنی حفاظت میں لے لیا تھا۔ ہوٹل سے ایک گاڑی لے کر وہ اسلام آباد اور گردونواح کی بہت سی جگہیں گھوم آئی تھی...... ٹیکسلا کا میوزیم، فیصل شکر پڑیاں، سرکاری، غیر سرکاری عمارات، چمن باغ باغیچے وغیرہ۔ اب وہ مری اور بھوربن دیکھنے کا بھی پرو بنا رہی تھی...... ان دو تین روز کے درمیان اُسے خان کی جانب ایک پیغام اور ایک آدھ ٹیلیفون کال موص ہوئے تھے...... میں ابھی مصروف ہوں، پہلی فرصت میں تم سے ملنے آؤں گا...... اندر بڑی بورمت ہونا، گھو

[illegible] خوبصورت شہر ہے، یہاں اچھے اچھے کلب، جم، کورٹ، ہوٹل اور سیر گاہیں ہیں۔ یہ ایک [illegible] طور پہ غیر ملکیوں کے لئے...... فارن ایکسچینج کی ضرورت ہو تو بتانا وغیرہ وغیرہ۔

[illegible] ہیں اگر کسی کو پانی میں تیرنا سکھانا ہو تو اُسے اُٹھا کر کسی ندی دریا میں پھینک دو اور خود کانوں میں [illegible] آنکھیں بند کرلو...... ایک سو چھپتر تک گنتی گنو پھر یا حیی یا قیوم کی تسبیح شروع کردو، اگر اس [illegible] پیچھے سے پہنچ کر، آپ کی تواضع 'لاتوں مکوں اور گالیوں سے شروع کر دے تو سمجھ لینا [illegible] بھر کے لئے تیرنا سیکھ چکا ہے۔ دریں صورت اگر وہ برآمد نہیں ہوتا تو جان لینا چاہئے کہ "خس [illegible]" والا معاملہ ہو چکا ہے۔ کسی کو تیرنا یا جینا سکھانے کی اس سے بہتر کوئی اور ترکیب نہیں...... غور [illegible] آپ کو پتہ چلے گا کہ اس ترکیب کے ہر دو انجام میں آخرکار سیکھنے والے کا ہی فائدہ ہوتا ہے یعنی مر [illegible] گا تو غازی...... ڈوب [illegible] اگر اس نے کوئی حربہ ترکیب استعمال کرلی، [illegible] اور اوسان بحال رکھے تو کسی نہ کسی طور کنارے پہ آ لگے گا اور اگر عقل وخرد، سعی وجستجو کا [illegible] ذرا سی دیر میں تہہ میں جا بیٹھے گا۔

[illegible] ایسے فرد کو جینے کا کوئی حق نہیں جو اپنی آسودگی، زندگی، ضرورت، محبت، عزت اور اپنی جنت [illegible] اور جہد وجستجو [illegible] نے کا مقام ہے......!

[illegible] صورتِ حال نے وقت کے سمندر میں اُٹھا کر پھینک دیا تھا اور خوش قسمتی سے اُسے حالات کی [illegible] بہت جلد ہو گیا تھا۔ اُس نے خود کو مایوس اور مغموم نہیں ہونے دیا...... اُس کی تعلیم یا تربیت کا اثر [illegible] سے بدترین معاملات میں سے بھی کہیں خوش معاملگی کی کوئی صورت تلاش کرنے میں کامیاب [illegible] زندگی کو ایسے ہی ملے جلے اجزائے بے ہنگام کا مجموعہ سمجھتی تھی۔ اُس نے اپنے تئیں فیصلہ کرلیا کہ [illegible] یہاں قیام کرے گی، اپنی مدد آپ کرے گی...... خان کی مصروفیات میں مخل نہیں ہوگی اور نہ ہی [illegible] زندگی میں کسی قسم کا کوئی خلل پیدا کرے گی۔

[illegible] نے جرمن ایمبیسی اور محکمہ سیر وسیاحت سے رابطہ کر کے اپنے مطلب اور ضرورت کی تمام [illegible] حاصل کیں...... ایمبیسی کے مشورے سے اُس نے ہوٹل چھوڑ کر، اسلام آباد کے وی آئی پی علاقے [illegible] گیسٹ ہاؤس میں سکونت اختیار کی، جو جرمن ایمبیسی میں رجسٹرڈ تھا اور خاص طور پہ فارنرز کے لئے [illegible]...... یہاں بھی فائیو سٹار ہوٹل والی سہولیات میسر تھیں۔ پوش علاقہ، اعلیٰ درجے کے ریستوران، کلب،

شاپنگ مال، گولف کلب، گارڈن اور سب سے بڑی نعمت فیصل مسجد بھی بہت قریب...... اُس کی بالکنی سے مسجد کا پاکیزہ سا نظارہ...... مارگلہ کی خوبصورت سرسبز پہاڑیاں...... نیلا آسمان، مہکتے ہوئے درختوں کے جنگل...... یہاں پہنچ کر وہ جیسے نہال سی ہوگئی...... ٹیلی فون سے اُس نے خان کو اپنی نئی اقامت گاہ سے آگاہ کر دیا تھا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اُسے اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں...... جرمن ایمبیسی اور پاکستان ٹور ازم کی وساطت سے مَیں نے اپنا سارا پروگرام ترتیب دے لیا ہے...... وہ بلا تردد و تناؤ اپنی مصروفیات جاری رکھے...... کسی قسم کی ضرورت یا پریشانی کی صورت میں مَیں از خود رابطہ کر لوں گی...... اور ہاں اپنے ساتھ میرے ہاں کبھی نہ لانا۔ اس کو یقین دلاؤ کہ اس کی بہن کو کم از کم مجھ سے کوئی اندیشہ لاحق نہیں ہونا چاہیے۔

اسلام آباد میں قریب قریب ایک عشرہ قیام کے دوران، فیصل مسجد میں ہر روز پہنچنا اُس کا معمول بن گیا تھا...... اذان کا سننا، یہاں نماز پڑھنا اور یہاں نمائش و برکت کے لیے رکھے گئے عظیم الشان نادر قرآن پاک دیکھنا اور پڑھنے کی کوشش کرنا اُسے خوب اچھا لگتا تھا۔ اسلامی لباس و حجاب میں وہ کسی عرب ریاست کی کوئی معلمہ یا سیر و سیاحت پہ نکلی ہوئی کوئی پُر وقار خاتون دکھائی پڑتی تھی...... اتفاق سے یہیں اس کی ملاقات مطالعاتی سفر پہ نکلی ہوئی چند لڑکیوں سے ہوئی جو کراچی کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ گروپ میں [illegible] دوستی ہو گئی...... روزہ قیام کے دوران ان کی آپس میں خوب گاڑھی چھننے لگی۔ پھر انہی کے اصرار پہ وہ ان کے ساتھ بذریعہ ٹرین کراچی نکل گئی...... کراچی اسے بہت پسند آیا۔ اس دوران وہ خان سے بھی رابطہ میں رہی۔ وہاں سے بائی ایئر کوئٹہ بلوچستان کی جانب نکل گئی...... وہاں سے اسلام آباد لوٹی تو پانچ وقت کی نماز اس کی محافظ بن گئی تھی اور تلاوت اُس کی سہیلی...... اندر سے مسلمان تو وہ پہلے ہی تھی مگر باقاعدہ مسلمان وہ کراچی میں بلقیس کے ایک عالمِ دین کے ہاتھوں ہوئی۔ کراچی والی سہیلیوں میں ایک سہیلی کے وہ فیملی دوست تھے...... کراچی کی یونیورسٹی میں اسلامیات اور تاریخ کے پروفیسر بھی۔ ایک گھریلو نشست میں جو ان کی توجہ نصیب ہوئی بس یہیں سے کایا پلٹی ہو گئی...... یہ حضرت صاحب کوئی روایتی طرز کے پیر، مولوی، مولانا نہیں تھے بلکہ دین کے علوم کے جید روشن خیال عالم تھے...... انہوں نے دینِ فطرت کچھ ایسے انداز سے سمجھایا کہ اس کی پہلے سے نیم کھلی ہوئی گرہ بس ایک معمولی سے جھٹکے سے مکمل کھل گئی۔ اس کے ظاہر و باطن کے عکس سے اندھیرے یقین اور ایمان کی چکا چوندیوں سے جگمگا اٹھے...... وہ کائنات، خالقِ کائنات، حیات، مقصدِ حیات، عبادات مغزِ عبادت کے معنوں اور باریکیوں سے آشنا ہو گئی...... چھوٹا سا حمائل شریف اُس کے گلے کا زیور بن گیا۔ عبادت سے فارغ ہوتی تو اُس کے چہرے پہ قدسیوں سی پاکیزگی اور نور اتر آتا۔

مستقل مستقر گو اسلام آباد کا یہی گیسٹ ہاؤس تھا لیکن وہ یہاں ٹھہرتی بہت کم تھی...... اس کی پوسٹ [illegible] میں میگزین پارسل وغیرہ یہیں پہ پہنچتے...... زیادہ تر وقت اس کا تاریخی نوعیت کے قدیم شہر' قلعے' [illegible] یاں اور عجائب خانے دیکھنے میں گزرتا تھا۔ باقی وقت ڈائری لکھنے' عبادات اور مطالعہ میں [illegible]۔

اب وہ شمالی علاقہ جات کا تفصیلی دورہ کرنے کی پلاننگ کر رہی تھی...... اس کے لئے ضروری سامان [illegible] خوراک کا بندوبست کرنے میں جتی ہوئی تھی...... پہلے وہ پشاور' طورخم' جلال آباد اور کابل قندھار' چمن [illegible] جانا چاہتی تھی...... مگر ایمبیسی اور محکمہ ٹورازم کے مشورہ پہ اس نے ادھر جانے کا پروگرام موخر کر دیا کہ [illegible] سیاسی فضا' اکیلی غیر ملکی عورت کے سفر کے لئے مناسب نہیں۔

اس دوران' خان بھی آیا مگر اس دفعہ وہ اکیلا تھا اور اگر کوئی ساتھ بھی ہوگا تو اسے ساتھ نہیں لایا [illegible] اتنی بڑی تبدیلی دیکھ کر وہ حیران رہ گیا...... اور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بارغبت و رضا اسلام قبول کر چکی ہے تو وہ کئی [illegible] مبہوت سا رہا۔ وہ یہ تو جانتا تھا کہ وہ دین فطرت اسلام کی جانب رغبت رکھتی ہے مگر یہ اس [illegible] بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی وہ دائرہ اسلام [illegible] ہو جائے گی...... [illegible] اپنا اسلامی [illegible] خان [illegible] تک اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا...... ایسا پُر نور چہرہ' [illegible] نیلے نیل نین' کمر تک اتری ہوئی سنہرے بالوں کی چوٹی...... اور اسلامی طرز پیرہن نے [illegible] نسائی شخصیت میں ایک ملکوتی دلآویزی پیدا کر دی تھی۔

خان نے آج اسے ایک [illegible]...... وہ خوب دیکھ رہا تھا اس جانِ خوباں [illegible] وہ اس کی محویت کو توڑنے کی غرض سے اس کی آنکھوں کے سامنے اپنا ہاتھ لہراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا' مجھے اس طرح گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے ہو؟"

وہ اسی طرح گم صم سا بولا۔

"دیکھ رہا ہوں کہ تمہیں پاکستان خوب راس آیا ہے۔"

"ماشاء اللہ' بھی ساتھ کہو......" وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی۔

"ماشاء اللہ' ماشاء اللہ! چشم بدور...... اللہ تمہاری طہارت و پاکیزگی کی حفاظت فرمائے۔ ڈرتا ہوں تمہیں کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔ لاؤ میں ذرا تم پہ انگلی سے ذرا تھوک لگا دوں۔"

اسی طرح ہنسی مذاق میں مومنہ نے بتایا وہ عنقریب شمالی علاقہ جات کی جانب مراجعت کرنے والی ہے...... کاغان' ناران' جھیل سیف الملوک' شاہراہ ریشم' کوہ ہندوکش' کے ٹو...... گلیشیر' وادی ہنزہ' چترال'

گلگت' سکردو' کا قبرستان......!

وہ حیرانی سے ڈیلے نکالتے ہوئے گویا ہوا۔

''اتنی ساری جگہیں! جھیلیں' وادیاں' دشوار گزار گھاٹیاں' پتھریلے برفیلے راستے...... مہربان

موسم اور پھر عجیب و غریب لوگ...... آسائشوں اور سہولتوں کا فقدان! تم یہ سب کچھ برداشت نہ کر

بیمار پڑنے کا اندیشہ بھی موجود ہے۔

وہ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

''مائی ڈیئر پاکستانی! میں جرمن ہوں اور مسلمان ہوں...... میرا عزم' شوق اور حالات کے

کو ڈھالنے کی صلاحیت' میرے ہاں بدرجہ اُتم موجود ہے۔''

وہ اپنے گلے میں تعویذ کی شکل کا ایک قرآن پاک دکھا کر مزید کہنے لگی۔

''یہ خدا کا معجز کلام' میرے پاس موجود رہتا ہے...... یہ میرا [illegible] ہے۔ دن میں روشن

رات کو قطبی ستارا۔ نماز' میری حفاظت اور ایمان میری جرأت اور طاقت ہے...... جبکہ تمہاری حفاظت

بیوی اور تمہارا سالا کرتا ہے......''

[illegible]

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... ہمارے ہاں عورت کا تصور' کچھ اور طرح کا ہے۔ عورت کو

لیے پھرنا ہماری تہذیب و رواج کے خلاف ہے۔ اب تم دیکھنا کہ یہ لباس و حجاب محرم نامحرم کا مسئلہ

لئے کتنی مشکلات پیدا کرتا ہے۔''

مومنہ جان کا یہ عجیب و غریب طریقہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ روز سیر و سیاحت پہ

پھر واپس اسلام آباد اپنے بیس سٹیشن پہ پہنچ جاتی...... دو تین روز' آرام اور اپنی ڈائری لکھنے' ڈاک پڑھنے

گزارتی۔ نئے سفر کا عزم' موڈ بناتی...... پلاننگ کرتی اور دیگر انتظامات میں جٹ جاتی۔

ایک خاصا خطرناک اور طویل سفر طے کر کے وہ سکردو پہنچی تھی...... کراچی والے شاہ بابا نے' جن

ہاتھوں پہ اسلام قبول کیا تھا' اسے یہ علاقہ دیکھنے کی ترغیب دی تھی اور خاص طور پہ ایک بزرگ کے

نشاندہی کرتے ہوئے تاکید کی تھی کہ وہاں پہنچے' فاتحہ شریف پڑھے اور اپنے لئے خیر و برکت' دین

استقامت طلب کرے...... ایک آدھ محکماتی رہائش گاہ' نیم سرکاری اور پرائیویٹ قسم کی اقامت گاہوں کی

فہرست اس کے پاس تھی۔ پیشگی بکنگ کی اگر کوئی سہولت ہوتی تو وہ شاید اسلام آباد سے ہی انتظام کر

[illegible] دشوار گزار اور بنیادی سہولتوں سے خاصے محروم علاقے میں' خاص طور پہ غیر ملکیوں کے لئے [illegible] تھیں اور اس پہ مستزاد ایک جوان لڑکی' آفتاب چندے ماہتاب...... وہ تو بہتر تھا کہ مکمل حجاب میں [illegible] عشق مشک' حسن و خوبی' سکھ اور پٹھان' نائی اور میراثی...... ہیجڑا اور نامرد' کبھی لاکھ چھپائے [illegible] روز روشن کی مانند عیاں ہو جاتے ہیں۔ سات پردوں میں بھی اپنی خوشبو چھوڑے بنا نہیں رہتے۔

[illegible] جان جب شکر درہ پہنچی تو نماز عصر کی اذان بلند ہو رہی تھی...... کوہستانی فضائیں' اللہ بلند و برتر کی [illegible] گونج رہی تھیں۔ ٹورسٹ کوچ سے اترتے ہی ہلکی ہلکی سردی نے اس کے وجود میں جھرجھری سی پیدا کر [illegible] بچوں' جوانوں اور بوڑھوں کی ایک خاصی تعداد وہاں پہلے سے ہی موجود تھی۔ سرخ و سپید چہرے [illegible] کچھ کھوجتی ہوئی [illegible] آنکھیں لباس و حال [illegible] لپٹے ہوئے عسرت و تنگدستی کے [illegible] چند تیز و طرار قسم کے نوجوان' اس ہجوم کو اپنی مقامی زبان میں کوچ کے قریب آنے سے منع کر رہے [illegible] کوچ سے اترتے ہوئے لوگوں اور ان کے سامان کو یوں تاڑ رہے تھے جیسے یہ لوگ' [illegible] اور ان کے لئے اوپر سے تحفہ تحائف [illegible] ہوں [illegible] لوگوں کو [illegible] بتانے والے [illegible] مقامی گائیڈ [illegible]۔ دیگر لوگ [illegible] باربرداری کے مزدور' جو ادھر پہنچنے والوں کے سامان کی نقل و حرکت کے لئے یہاں انتظار کر [illegible] مسافروں میں مومنہ جان کے علاوہ بھی چند غیر ملکی یہاں پہنچے تھے۔ مومنہ چونکہ پورے حجاب میں تھی [illegible] اسے کوئی غیر ملکی کے طور پہچان نہ پایا تھا...... ان مقامی لوگوں اور گائیڈوں کی ساری توجہ [illegible] ڈالروں پہ مرکوز تھی۔ اس نووارد بے چاری کو کوئی نیک پروین سمجھ کر کسی نے گھاس تک نہ [illegible] جب قریب قریب سب مسافر نبٹ گئے تو ایک لمبا سا گائیڈ لڑکا اس کی جانب بڑھا...... ایک دو منٹ [illegible] میں ہی وہ جان گیا کہ یہ کوئی غیر ملکی مسلمان خاتون ہے۔ مومنہ جان نے گائیڈ کو کسی محفوظ سے [illegible] انتظام کرنے کو کہا...... اتفاق کہ شکر درہ کے کسی بھی اچھے ہوٹل میں اسے جگہ نہ ملی۔ نچلے درجہ کے سرائے [illegible] رہنے کے قابل نہ تھے۔ کسی معقول سی جگہ کی تلاش میں ایک اور مقامی اہل دار کو شامل کیا [illegible] مرد ہوتا تو کوئی پریشانی نہ ہوتی...... غیر ملکی خاتون' جو حجاب میں اور صوم و صلواۃ کی پابند تھی' کے لئے [illegible] رہائش کا بندوست نہ ہو سکا۔ آخر کار ایک مقامی بزرگ' جو ایک رفاہی ادارے کے سربراہ اور [illegible] ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے ازراہ ہمدردی غیر ملکی مسلم خاتون' اسے اپنے ذاتی گھر میں' سر چھپانے کے لئے رہائش فراہم کی۔ اس گھر میں ان کی دو پڑھی لکھی لڑکیاں' ایک سادہ سی بیمار بیگم اور ایک جواں

سال بیٹا بھی رہتا تھا۔ مومنہ جان ان کی قریب قریب ہم عمر بیٹیوں سے مل کر بہت خوش ہوئی۔۔۔۔ خوبصورت اور ہنس مکھ روشن خیال...... عذرا اور نصرت بھی مومنہ جان سے یوں گھل مل گئیں۔ جیسے اسی گھر میں پل بڑھ کر جوان ہوئی ہوں۔ یہ رات تو ان تینوں نے ایک دوجے کے سننے سنانے میں دی...... اسلام سے محبت' نماز قرآن سے رغبت اور پھر حیاداری اور حجاب...... یہ سب کچھ ایسا تھا کہ مومنہ جان کا گرویدہ ہو گیا۔ اسی گھر میں عذرا اور نصرت کا اکلوتا بھائی گل نواز بھی رہتا تھا۔ نیم تعلیم یافتہ اخلاق باختہ یہ نوجوان' سیاحوں' کوہ نوردوں کو باربرداری کے لئے مزدور' گائیڈ' خیمے اور جملہ سامان فراہم کرتا تھا...... اکلوتا ہونے کے ناطے خاصا بگڑا ہوا اور نجی معاملات میں بے حد غیر ذمہ دارانہ رویوں کا تھا...... والدین تو شاکی رہتے ہی تھے مگر بہنیں اس کی غیر اخلاقی حرکات سے اکثر ملول رہتی تھیں۔ ایک جگہوں پہ شادی کی بات بنتے بنتے رہ گئی تھی کہ بھائی کا چال چلن مشکوک اور مشاغل غیر شریفانہ تھے مرتبہ بات تھانے کچہری تک بھی پہنچی تھی...... لڑائیوں جھگڑائیوں میں اکثر ملوث رہتا...... آئے دن ہوتی رہتی...... اپنے پڑھے لکھے اور چار شریف آدمیوں میں اٹھنے بیٹھنے والے عزت دار باپ کی وجہ سے آفات و تعزیرات سے بچا رہتا...... سچی بات تو یہ کہ اس کا [illegible] اپنی [illegible] کرتوتوں کی [illegible] سے لاتعلق کے بارے میں [illegible] اپنی بیماری کا دے کر اسے ٹال لیتی تھی۔

مومنہ جان بھی شکردرہ میں پہلی رات' اپنی میزبان عذرا اور نصرت کے ساتھ بیٹھی' قرآن حدیث فقہی مسائل پہ بات چیت کر رہی تھی' تو عین اسی وقت گل نواز اپنی چار دیواری میں بیٹھا نائو نوش اور شباب میں مگن تھا۔ ایک اوباش سی چھنالہ سفلانہ ادائیں دکھا دکھا کر ساقی گری کر رہی تھی...... شہری آبادی سے پرے یاکوں کا ایک باڑا تھا۔ یہاں ان کی نسل کشی پرورش ہوتی تھی...... یہاں ان کا ڈیرا تھا۔ یہیں ایک دوست نے شکردرہ پہنچنے والے سیاحوں کی تفصیل بتائی اور یہ بھی خاص طور پہ بتایا کہ کس طرح ایک مسلمان لڑکی کی رہائش کا مسئلہ پیدا ہوا...... کوشش کے باوجود جب اس کے لائق رہائش دستیاب نہ ہوئی کے والد صاحب نے اپنے ہاں ٹھہرا کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

غیر ملکی مسلمان لڑکی؟...... گل نواز نے خود کلامی کے انداز میں یہ الفاظ دہرائے...... اُس کے چہرے کی کئی شکلیں بنیں۔ اُس نے اپنے دوست کو پاس بلا کر پوری بات سُنی...... مقامی طور پہ کشید کی ہوئی شراب سے چہرہ پہلے سے شعلہ بداماں ہو رہا تھا۔ اب غیر ملکی لڑکی کے ذکر سے آتشِ ہوس بھی سوا ہوگئی۔ کی محبت تو چھوڑی جا سکتی تھی مگر طبیعت میں جو مستی اور رنیت میں جو فتور اُمڈ آیا تھا اُس کا ظہور لے کر اس وقت

[illegible] مصلحت نہیں تھا۔

بقیہ شب اُس نے شراب نہیں پی...... تاش اور رقص و موسیقی سے جی کو بہلاتا اور دھیرے دھیرے [illegible] کو جیتا تا رہا۔ صُبحدم وہ ہلکی سی نیند لینے کے لئے وہیں فرشی بستر پہ پڑ گیا تھا۔ دن چڑھے نہادھو' خود کو [illegible] کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کی راتیں رنگین ہوتی ہیں اُن کی صُبحیں [illegible] سنگین ہوتی ہیں...... طوائف کی صُحبت' رقص و سرور کی سنگت' شراب کباب کی محفل' اور تاش جوئے کی [illegible] کے بعد جو صبح طلوع ہوتی ہے وہ بیتی رات والے بندے پہ بڑی بھاری ہوتی ہے...... اُس کا ضمیر' ذہن' [illegible] دماغ اور رُوح تک' ہر چیز اک ہولناک لعنت میں مبتلا ہوتی ہے۔ وہ دوسرے سے کیا خود اپنے سے شرمندہ شرمندہ سا ہوتا ہے۔ وہ اپنوں کی چبھتی سی نظروں اور بہت سے سوالات اُٹھائے ہوئی زبانوں کا [illegible] نہیں کر سکتا...... وہ بیماری آوارہ گردی اور دیگر غیر معقول سے بہانوں کا آسرا لے کر کسی گوشہ تنہائی میں [illegible] میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے۔

[illegible] اُس وقت اس کا تھا...... اگر اس غیر ملکی اور غیر معمولی سی لڑکی کو دیکھنے کا [illegible] بدرجہ' اتم نہ ہوتا [illegible] بہت سے گھر نہ لوٹتا...... دیکھا سُنا ہو گا کہ ایسے عیش و عیاشی' نشیات' قمار بازی اور عورت بازی [illegible] اپنے [illegible] بھی دیکھتے رہتے [illegible] تو والد صاحب حسبِ معمول سکول چلے گئے ہوئے تھے۔ والدہ اور چھوٹی بہن' دوپہر کے [illegible] میں کہیں گئی ہوئی تھیں۔ بڑی بہن اور مومنہ جان' باورچی خانے کے باہر دالان میں چارپائی پہ بیٹھی اپنا [illegible] ہوئے تھیں۔ اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے کسی اجازت کی ضرورت تو ہوتی نہیں...... یہ [illegible] کے اندر چلا آیا...... غیر متوقع' اچانک جب کوئی حرکت برکت ہو جاتی ہے تو انسان چند لمحوں کے لئے [illegible] سا ہو کر رہ جاتا ہے' حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ بعد ازاں وہ جب کچھ وقفہ دے کر واپس اپنے آپ میں آتا [illegible] وہ اپنے اچھے یا بُرے ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ بعینہ یہی کچھ یہاں بھی ہوا...... اِدھر اُنہی قدموں پہ [illegible] رکا کیا تھا؟ زمین نے جیسے اس کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑے بے حیاؤں کی طرح [illegible] رہا تھا...... اور وہ باحیا' سر کا سکارف دُرست کر نصرت کی طرف متوجہ ہو گئی...... بھائی کے اس طرح [illegible] داخل ہونے پہ نصرت قدرے خجل سی ہو گئی...... اُسے اپنے اس آوارہ بھائی کے اس وقت گھر پہنچنے [illegible] بھی ہوا اور شرمندگی بھی...... اس کی آنکھوں اور حلیے سے صاف عیاں تھا کہ وہ کس حال میں ہے...... نصرت کو ہلکا سا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ اس وقت بھی آ سکتا ہے تو وہ یقیناً اندر بیٹھتی...... وہ تو کئی کئی دن گھر سے [illegible] رہتا تھا۔ خیر اَب جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ نُصرت نے آہستہ سے مُومنہ جان کو بتایا کہ اس کا بھائی گُل نواز

ہے۔ اب وہ بھائی سے مخاطب ہوئی۔

”بھائی! یہ میری بہن ہے، مومنہ جان...... جرمنی سے پاکستان دیکھنے آئی ہے۔ ماشاء اللہ بے حجاب میں رہتی ہے۔ تمہیں دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہونا چاہئے تھا۔“

گل نواز تو جیسے کہیں اور پہنچا ہوا تھا...... اس نے کچھ سنا یا نہیں۔ منہ سے صرف ”جی“ بمشکل کے وہ باورچی خانے میں گھس گیا...... نصرت نے سوری کہتے ہوئے مومنہ جان کو بتایا۔

”اکلوتا بھائی ہے، والدہ کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑ کر رکھ دیا ہوا ہے۔ پڑھائی بھی مکمل نہیں کی اور بدقماش دوستوں میں اُٹھنا بیٹھنا ہے۔ والد صاحب اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسے راہ راست لا سکے۔ تنگ آ کر انہوں نے اس سے قطع تعلق کر کے گھر بدر کر دیا ہوا ہے...... ان کی غیر موجودگی میں ماں سے ملنے آ جاتا ہے...... ماں اسے بڑا پیار کرتی ہے۔ آنے میں دیر کر دے تو رو رو کر ہلکان ہے...... اور ستم یہ کہ وہ اسے معصوم سا بچہ سمجھتی ہے۔ جبکہ والد صاحب کو وہ ایک ظالم اور اولاد کی محبت سے انسان کہتی ہیں۔“

مومنہ جان بولی۔

”ہاں [illegible] معصوم اور بچے ہیں...... وہ اپنے بچوں کے معاملے میں قطعی کوئی سمجھوتا نہیں کرتیں...... خاوند تو پھر خاوند وہ اپنے آپ سے بھی جھگڑ لیتی ہیں۔“

”ہاں! یہی کچھ ہمارے گھر میں بھی ہو رہا ہے...... ہر وہ اخلاقی بُرائی بھائی میں موجود ہے قابلِ دست اندازیِ پولیس، اخلاق اور شریعت ہے...... لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے کئی بار جیل تھانے بھی والد صاحب کا شہر کے معزز ترین اور پڑھے لکھے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ پورے علاقے میں ان کی عزت مگر غیرت اور شرم کے مارے وہ لوگوں سے مُنہ چھپاتے پھرتے ہیں۔“

مومنہ جان، نصرت کے کان کے پاس سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اکلوتا بھائی ہے اس کی شادی کر دیتے تو شاید ایسی حرکتیں نہ کرتا۔ بیوی اچھی ہو تو بگڑے خاوند بھی گھر سے دلچسپی لینے لگتا ہے۔“

وہ آنکھیں پھیلا کر کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے بولی۔

”توبہ توبہ...... اس کی شادی کا تو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کسی معصوم کی زندگی خراب کیا؟ ایسے بگڑے ہوؤں کو گھریلو بیویاں اچھی نہیں لگتیں۔ جن کو باہر کے چسکے پڑے ہوں اُن کے حلق سے

[illegible] بھی نیچے نہیں اُترتی......''

[illegible] کی کانا پھوسیوں میں خاصا وقت گزر گیا...... گُل نواز باورچی خانہ میں ماں کے پاس بیٹھا شاید اسی [illegible] باتیں کر رہا تھا۔ وہ نظریں بچا کر باہر بھی دیکھ لیتا۔ وہ حیران تھا کہ یہ کس طرح کی غیر ملکی لڑکی ہے جو [illegible] ہے...... چہرہ ڈھانپ کر رکھتی ہے...... جو فارنر لڑکیاں میمیں اس نے دیکھ رکھی تھیں وہ تو بڑی [illegible] فر فر باتیں کرنے والی...... سگریٹ، چرس کے دم کش اور وہسکی، شیری کے پیگ لگانے والی اور یہ [illegible]ن کہ غیر کو اپنا سایہ تک نہ دکھائے۔

دراصل اسے شروع میں خراب ہی غیر ملکی میموں نے کیا تھا...... پہلا پیپرامنٹ کے ذائقہ والا غیر ملکی [illegible] نے ایک امریکن لیڈی سے مانگ کر پیا...... سکاچ وہسکی کا گھونٹ بھی ایک انگریز میم کی چھوڑی [illegible] کی بوتل سے نصیب ہوا تھا اور بعد میں اسے خالص چرس کے سُوٹے لگوائے تھے۔ اسی [illegible] پہلے جو عورت وقت اس کے انگ لگی تھی وہ ایک فرانسیسی اُدھیڑ عمر خرّافہ تھی جس کا فربہ سا مصور خاوند، [illegible] فنکاروں کی اسکیچنگ میں بسر کرتا تھا...... یہ نوعمر، تنومند سا لڑکا خلاصی کی حیثیت سے پہاڑی [illegible] کی خدمت میں تھا۔ ہوا یہ کہ ایک یخ بستہ [illegible] شب شباب اور چرس [illegible] ایسا رنگ جمایا [illegible] ہی باقی رہ [illegible] کسر بھی ہم پیشہ، ہم نشینوں نے پوری کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شریف عزت دار باپ نے اپنی [illegible] بے کار جاتے دیکھ کر اسے گھر نکالا دے دیا۔

[illegible] پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں کہ کچے میں ٹوٹے ہوئے مرد یا عورت کی نفسانی خواہشات کبھی [illegible] نہیں ہوتیں...... ایسی ٹوٹی پیاس کی مانند جو گھڑوں پانی پینے کے باوجود نہیں بجھتی۔ اس نوع کے [illegible] افراد کا جنس مخالف کے بارے میں اپنا اپنا الگ معیار اور مطالبہ ہوتا ہے۔ کوئی رنگ انگ پہ مرتا [illegible] قد و کاٹھ پہ کان بھی دھرتا ہے۔ آنکھیں، ہونٹ، بال، ہاتھ، کلائیاں۔ جسمانی ساخت و بند وغیرہ بے پناہ [illegible] کے حامل ہوتے ہیں۔ کوئی تو محض انہی پہ ریشہ ختمی ہو جاتے ہیں...... مصری، لبنانی، شامی اور سیاہ فام، [illegible] مرد جسمانی اور جنسی لحاظ سے اک خاص شہرت و شوکت رکھتے ہیں...... مغربی ممالک میں ایشیائی، [illegible] ہندوستانی، نمکین ملیح رنگت عورتیں، بے پناہ کشش کی حامل تصور کی جاتی ہیں۔ اسی طرح ہندوستانی پکی [illegible] رنگت کے مرد ولایت کی میموں، گوریوں سے خاصے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ ان کی آئیڈیل آئیٹم [illegible]۔ خاص طور پہ سرحدی شمالی پس ماندہ علاقوں کے ناآسودگیوں اور محرومیوں میں دبے پسے جنس ثقیل [illegible] وحشی عورتیں، اس دنیا میں جنت کی حوروں سے کم درجہ نہیں رکھتیں...... ان دور دراز علاقوں میں اگر

کوئی پرکٹی گوری میم سیاحت کے لئے پہنچ جاتی تو آس پاس کے سب گاؤں گوٹھوں والے مردوزن' بچے اس عجیب مخلوق کی زیارت کو پہنچ جاتے۔

گل نواز کی نفسانی کمزوری بھی اسی قسم کی غیر ملکی میمیں تھیں بلکہ اسی پہ ہی کیا موقوف' اس کی پوری بھی اسی علت میں دھنسی پڑی تھی...... چرس' گانجا' افیون اور یہاں کی مقامی کشید کی ہوئی شفتالو کی دیسی ان کے بڑے بڑے پھندے تھے...... جن کے ذریعے یہ مفلوک الحال' منشیات کے عادی بھی مردوزن اپنے چنگل میں پھانستے۔ پھر ان کی مدقوق مجروس آبروباختہ چھتوں سے اجتماعی زیادتی کے مرتکب ایسے بدکاروں کا کہنا ہے کہ دیسی عورتیں...... مولویوں' حافظوں' قاریوں اور شریف نیک لوگوں کے ہیں...... ایسی عورتیں محض گھریلو کام کاج یا پھر بچے پیدا کرنے کی مشین کی مانند ہوتی ہیں اور یہ مٹی کے طرح تھوڑے کا تھوڑا ہوتی ہیں۔ یہ مرد کی زندگی کو گھٹاتی اور اسے جلد بڑھاپے کو بڑھاتی ہیں...... اور رفاقت کے لطف وحظ کو دو چند بلکہ سہ چند کرنے کا ڈھنگ اور فن جانتی ہیں اور یہ بھی کہ پرانی شراب سر بولتی ہے اور [illegible] ہوا شباب کبھی اُوٹتا ہے اور کبھی بدوٹتا ہے۔

[illegible] اجازت چاہی اور کسی سے ہوٹل تک رسائی میں مدد کی درخواست کی۔ نصرت نے جواب دیا' ناشتہ لئے بغیر ہی جانا ہو گی؟...... ناشتہ ہو چکا تو باتیں شروع ہوئیں تو کتر کتر میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا...... اب جو ساتھ' گل نواز کی چلنا ہوئی تو وہ ختم کب ہوتی اگر [illegible] کھانے کی بانگ نہ لگاتی۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو ہلکی ہلکی رم جھم شروع ہوگئی...... موسم تو پچھلے دو روز سے نم آلود خوشگوار سردی نے اردگرد ماحول کو خوب گدرایا ہوا تھا۔ مومنہ جان نے موقعہ پاتے ہی پھر نرم سے الفاظ جانے کی اجازت چاہی...... نصرت بے نیازی سے ہاتھ لہراتے ہوئے کہنے لگی۔

''موسم کے تیور دیکھ لو' کالی گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر آرہی ہیں کسی لمحہ بھی جل تھل ہوا چاہتی ہے۔ بارش کے بعد کی سردی...... توبہ توبہ! میری مانو تو آرام سے ادھر ٹکی پڑی ہو۔ موسم برابر ہوتے ہی جہاں چلی جانا...... فی الحال......!''

مومنہ جان' سمجھ چکی تھی کہ یہ اسے کہیں جانے نہیں دینا چاہتی جبکہ اُسے خود بھی ایسا ہی محسوس جیسے جنم جنم سے وہ یہیں پہ رہ رہی ہو۔ دل' ذہن اور فکر کا ملاپ ہی تو ہوتا ہے۔ جہاں جدھر یہ تینوں ٹھیک وہیں جے جے کار ہو جاتی ہے۔ ورنہ دیکھا ہے کہ صدیوں ایک آنگن میں ایک سنگ رہنے والے' جنم جنم

تے ہیں...... یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ عذرا اور اُن کی ماں بھی باورچی خانے سے فارغ ہو کر ان بیٹھیں...... گل نواز بھی تھوتھا سا ادھر اُدھر ڈولے بڈولے لے رہا تھا اس کی بدنگاہی اس کا ساتھ نہیں تی تھی...... نصرت کا ماتھا ٹھنکا' وہ اس کی بہن تھی...... اُس سے زیادہ اسے اور کون جانتا تھا...... اُس کے ولا...... نصرت' تیرے بھائی کی نیت ٹھیک نہیں' تو اُسے گھر پہ زیادہ دیر نہ رکھ......!

اس کی ماں پوچھنے لگی۔

"بیٹی! تمھیں ہم غریبوں کا کھانا پسند آیا کہ نہیں؟"

عذرا نے ماں کی بات کا ترجمہ کر کے مومنہ جان کو بتایا۔ مومنہ جان نے اظہارِ تشکر کے طور پہ آگے کے ہاتھوں کو چوم کر شکریہ کہا اور کھانے کی تعریف کی۔ نصرت نے ماں کو بتایا کہ مومنہ جان' اب کے اجازت چاہ رہی ہے...... ماں نے نصرت کو اشارے سے اندر کمرے میں چلنے کو کہا۔ وہ عذرا کو کے پاس بٹھا کر معذرت کر کے اندر چلی آئی...... وہاں گل نواز خان بھی موجود تھا۔ ماں نے اپنے باندھتے ہوئے مومنہ جان کی تعریف کی اور دبے دبے الفاظ میں اپنی اور گل نواز کی خواہش کا

مجھے بہت پسند آئی ہے...... اس میں تو بےحیا میموں والی کوئی بات بھی نہیں...... ب...... سگھڑ میم تو میں نے آج تک نہیں دیکھی...... نماز ادا کرتی ہے...... باقاعدہ قرآن کی قرآن تو ہر وقت اس کے گلے میں تعویز کی مانند لٹکا رہتا ہے۔ تمہارے بھائی کو بھی یہ بہت پسند آئی میرے سر پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے کہ [illegible] دوں گا...... ابا جو کہیں گے وہی میری اس سے شادی کروا دیں۔"

نصرت ہڑبڑ ماں کو دیکھ رہی تھی۔ اسی دوران اس نے ایک اُچٹتی سی نظر گل نواز کو بھی دیکھا جو سر ئے تھے بڑا معصوم اور شریف سا بنا یوں کھڑا تھا جیسے وہ قعدہ کی حالت' نماز کی نیت باندھے ہوئے کی اور بھائی کی مکاری پہ بیک وقت اس کا ہنسنے اور سر پیٹ لینے کو جی چاہا...... اُس نے ماں کی دھورا چھوڑتے ہوئے گل نواز سے کہا۔

بھائی! تم تھوڑی دیر کے لئے ذرا باہر چلے جاؤ اور مومنہ جان کے لئے کسی اچھے سے ہوٹل میں م کرو اور وہ ہوٹل غیر ملکیوں کے لئے نہیں بلکہ پاکستانیوں' مسلمانوں کے رہنے کے قابل ہوتا ں سے......"

تے ہوئے' بیچ میں ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

"مفضو! اچھی بھلی بات کو بگاڑنا تمہاری پرانی عادت ہے۔ اتنی نیک اور اچھی لڑکی' جسے ابا خود

سے گھر لائے۔ تم اسے ہوٹلوں میں دربدر ہونے کے لئے بھیج رہی ہو...... ماں بتا رہی تھی کہ ایسی سمجھ

نیک' سلیقہ شعار لڑکی تو اس نے مسلمانوں میں بھی نہیں دیکھی۔ ایک ہی دن میں وہ ایسی گھل مل گئی ہے

اسی گھر میں پیدا ہوئی ہو۔"

نصرت نے فی الفور جواب دیا۔

"اگر وہ اسی گھر میں پیدا ہوئی ہو تو اس حساب سے وہ تمہاری بہن برابر ہے۔ اب تم بتاؤ

نکاح ہو سکتا ہے......؟"

اس کا غصہ دیدنی تھا...... اس کے بس میں نہیں ورنہ وہ اس بات پہ نصرت کو قتل کر دیتا

ضبط و جبر سے وہ ماں کی جانب متوجہ ہوا۔

"ماں! تم نے سنا اس نے کیا بکواس کی ہے...... بہن نہ ہوتی تو میں اس کی زبان کاٹ دیتا

ذرا غور کرو جس طرح بھی آئی وہ خود اپنی مرضی سے چل کر ہمارے گھر پہنچی...... اس کا ہمارے ہاں آ

کا اظہار کر [illegible] حقیقت کا

کہ ہمیں پسند کرتی ہے۔ یہاں رہنا چاہتی ہے۔ اگر اس نے روبرو یہ [illegible] رکھنے [illegible] کراوٹ ہے

ایک اور بات [illegible] جب میں گھر میں داخل ہوا تھا تو اس نے شرما کر اپنا منہ چھپا لیا تھا......!"

نصرت نے [illegible] کی بکواس پہ جھلا کر کہا۔

"تم اپنی بکواس بند [illegible] اگر اسے تمہاری اس [illegible] کی بابت معلوم ہو جائے تو کیا

یہی کہ ایک رات پناہ دی اور صبح ہاتھ مانگ لیا۔"

"کیا کسی لڑکی سے شادی کی خواہش رکھنا یا پوچھنا بُری بات ہے؟"

"نہیں! بُری بات نہیں لیکن یہ ساری کارروائی' موقع' مناسبت اور بہت لحاظ سے برابری کی

ہے...... وہ جرمنی کی اعلیٰ ترین یونیورسٹی سے تعلیم یافتہ ہے۔ ایک معزز صاحب حیثیت خاندان سے

ہے۔ کھلے' صاف اور روشن خیالات اور فکر و طبع کی حامل ہے اور اس کے مقابل تم؟...... اگر ایک

رکھنے کے علاوہ تم میں کوئی اور خیر و خوبی ہو تو بتاؤ؟...... بھائی! محض چاہ لینے سے کچھ نہیں ہوتا......

اہل ہونا بھی ضروری ہے۔"

وہ پنجے جھاڑتے ہوئے چنگاڑا۔

"شکر ہے کہ تم نے مجھے انسان کا کلبوت تو تسلیم کیا۔"

سے مخاطب ہوا۔ "ماں! اسے سمجھا لو...... میں اس لڑکی سے شادی ضرور کروں گا۔ چاہے اس
مجھے آگ کا دریا، شعلوں سے بھرا صحرا اور لاوا اگلتا پہاڑ ہی کیوں نہ عبور کرنا پڑے۔" وہ کسی بگولے کی
سے باہر نکل گیا۔

دونوں اپنی اپنی جگہ حیران و ششدر بُت سی بنی دروازے کے پٹ کو دیکھ رہی تھیں جو ابھی تک لرز
[illegible]

کی دھمکیاں...... میں پہاڑ پر سے کُود جاؤں گا...... اس گھر کو مکینوں سمیت آگ لگا دوں گا...... اس
گا...... اس کی پسلیاں توڑ دوں گا وغیرہ وغیرہ ایسی بڑیں، بونگیاں، دھمکیاں گویا اس کا روزمرہ کا وطیرہ
تھیں۔ اس کے باوجود جیسے نصرت کے اندر خطرے کا گھگو بج چکا تھا۔ اب شاید ماں کے بولنے کی
[illegible]

نصرت! سب کچھ اپنی جگہ پہ درست ہی سہی مگر مومنہ جان تو میرے من کو بھی لگتی ہے...... میری بہو
گھر میں بیٹھی اٹھی کھاتی پیتی باتیں کرتی ہوئی بیگانی نہیں لگتی۔ اپنی جان کا ٹکڑا محسوس ہوتی
لا کہ بگڑا ہوا کسی پہ ہے تو تمہارا بھائی [illegible] عقل [illegible] ہی مل جائے تو
[illegible] سے آ جا سکے
تمہاری مرضی!"

بیٹے کی باتیں سن کر وہ جیسے بولا سی گئی تھی...... ایسے عقل کے بودے کہ خود ہی اپنی مرضی کے فیصلے
چاہ رہا ہے کہ دوسرے [illegible] چند ثانیے وہ جیسے سکتے کی صورت
پھر اچانک سر کو جھٹک واپس برآمدے کی جانب بڑھ گئی۔ جدھر مومنہ اور عذرا منہ طرف
اسے آتے دیکھ رہی تھیں۔ نصرت کو ان دونوں کا اس طرح دیکھنا کچھ عجیب سا لگا۔ جیسے پولیس
ہیں۔ وہ پاس بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

دونوں ایسی جان نکالنے والی نظروں سے مجھے کیوں گھور رہی ہو؟"

عذرا نے پہل کی۔

ڈیئر پھوپھو جان! شاید تمہیں یہ خیال نہیں رہا کہ یہ برآمدے والی کھڑکی کے پٹ کھلے پڑے
اندر جو شیکسپیئر کا میکبتھ شروع کر رکھا تھا اس کا ایک ایک ڈائیلاگ ہم تک پہنچ رہا تھا...... یہ تو آپ
کہ یہ ڈرامہ کتنی لاؤڈ پچ کا حامل ہے......!"

نصرت سمجھ گئی کہ اندر کی گفتگو باہر والوں تک پہنچ گئی ہے۔ اب وہ خجل سی مومنہ اور عذرا کی جانب

دیکھ رہی تھی مگر اُسے اِدھر کسی قسم کی کوئی تبدیلی دکھائی نہ دی...... خفگی، استعجاب یا کوئی بھی ایسا تاثر کہ جس سے کے ردِعمل کی کیفیات کا کوئی اندازہ لگایا جا سکتا...... اس کے لئے یہ درمیانی وقفے بڑے اذیت ناک تھے کہ اندر ساری گفتگو مومنہ کے متعلق تھی...... اور یہاں وہ یوں مطمئن سی بیٹھی ہے کہ جیسے گفتگو اس کی شادی سے متعلق نہیں، اُسے عمرے پہ بھیجنے کے بارے ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی، کیا بات کرے، کس طرح سے کرے؟ لاشعوری طور پہ مُنہ سے نکل گیا۔

"مومنہ! سُن لی تم نے اس جاہل کی گفتگو، اس پاگل کی خواہش کا اندازہ کر لیا...... اس کی ایسی حرکتوں کی وجہ سے ہم کسی کو مُنہ دکھانے کے قابل نہیں...... پلیز مومنہ! اس کی ان فضول باتوں کو سیریس نہ لینا...... اس کی جانب سے میں معذرت خواہ ہوں۔"

مومنہ نے فرشتوں کی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، ہر شخص کو خواب دیکھنے کا حق ہے اسی طرح خواہشیں بھی ہوتی ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ بار آور بھی ہوں۔ ایک شخص کی خواہش ہے کہ وہ ایک بڑا ایکٹر بنے یا ایک کامیاب بزنس مین بنے خواہش وہ کر سکتا ہے مگر آسانی سے ایسا بن نہیں سکتا کیونکہ اس کے پاس محنت، اہلیت اور شخصیت کا فقدان ہے وہ موقع شناس [illegible] اپنا [illegible] حیات خواہش کرنا غلطی تو ہو سکتی ہے مگر اس میں بُرائی کوئی نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مثبت رویے کی علامت ہو سکتی ہاں ایک زاویے سے تمہارا بھائی گریٹ ہے کہ اس نے دل میں جو بھی تھا اس کا اظہار برملا کر دیا۔"

اتنا کہہ کر وہ چُپ ہو گئی [illegible] پہاڑوں کو تکنے لگی جن پہ پڑی ہوئی صدیوں سے اترے ہوئے کسی امر کی طرح ہے...... ظلم میں تبدیلی آ سکتی ہے مگر امر تو گزرے ہوئے کی مانند ہوتا ہے...... اس کے چہرے پہ بھی جیسے برف سی سپیدی گھُلنے لگی تھی۔ نُصرت، وقفے سے خاموشی اور چہرے کے گُم ہوتے خدوخال دیکھتے ہوئے شاید پریشان سی ہو گئی تھی۔ اس کے شانے کو ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"مومنہ! تم ٹھیک تو ہو نا؟ بات کرتے کرتے اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے۔"

مومنہ جیسے چونکتے ہوئے بولی۔

"ہاں الحمد للہ میں اب ٹھیک ہوں، جبکہ پہلے نہیں تھی۔"

"کیا مطلب میں کچھ سمجھی نہیں؟"

مومنہ اُس کی توجہ پہاڑوں کی جانب مبذول کرواتے ہوئے بولی۔

ٹمپریچر میں مریض کے سر پہ برف کی تھیلی اس لئے رکھتے ہیں کہ اس کا ٹمپریچر کنٹرول کیا جا ان برف پوش پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ شاید ان پہاڑوں کا ٹمپریچر کنٹرول کرنے سب سے بڑے حکیم نے ان کے سروں پہ ازل سے ہی برف کے پوٹلے رکھ دیئے ہوئے ہیں کہ یہ گے۔ دیکھنے کو بہت سے پہاڑ برف کے بغیر بھی ہوتے ہیں کہ یہ نارمل ہوتے ہیں یا اپنی جغرافیائی کی ہیئتی اور مزاجی اعتبار سے ماٹھے مٹھن۔ اسی طرح شاید انسانوں میں بھی کچھ ماٹھے اور کچھ ہوتے ہیں۔ کچھ جو اپنے اندر کے لاوے اندر ہی اندر رکھتے ہیں اور کچھ یوں بھی کہ اپنے اندر کی چنگاری باہر نکال رکھتے ہیں۔ اب میں تمہیں کسی پہاڑ کا تو نہیں البتہ ایک چھوٹی سی پہاڑی کا مختصر سا جس نے اپنے اندر ایک پہاڑ کی بے وفائی، بے حسی کا کھولتا ہوا لاوا چھپا رکھا ہے۔"

پھر اس نے ساری پریم کہانی بغیر نام و مقام سنا ڈالی...... چند ساعتیں خاموش رہنے کے بعد تھکی تھکی

دیکھا تم نے خواہشیں انسان کو کیسے رولتی ہیں...... اپنی نظر سے گرا دیتی ہیں۔ خواہشوں اور ہوئے نادان نہ جیتے ہیں اور نہ مرتے ہیں ہمارا بھائی بھی ایک ایسا ہی نادان ہے جس ایک ہے...... ایسے ایسے نادانوں میں بڑی پائیداری خصوصیت بھی ہوتی ہے۔"

نصرت، سومنہ کی تقریب سن کر گم صم سی ہو کر رہ گئی تھی...... وہ سوچ رہی تھی کتنی عظیم لڑکی ہے، کسی کو اپنے جسم سے نزدیک نہیں گئی پھر اس کا دھیان کی جانب ہوا، کیسا بدنصیب اور بے وفا! چار سال تک اس سے مدد لیتا رہا، غلط فہمی میں مبتلا کی سوچوں اور جذبات سے کھیلتا رہا...... پھر اچانک اپنا مقصد پورا ہونے پہ اس سے یوں علیحدہ ہو بھی نہ تھا...... پاکستان میں بھی اس نے ایسا ہی اجنبیوں سا سلوک روا رکھا۔ شادی کر لی، ٹھیک بھی کوئی چیز ہے۔ انسان کو اتنا خودغرض اور کمینہ بھی نہیں ہونا چاہئے۔

نے اسے چپ چاپ دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"کس سوچ میں ہو......؟"

"سوچنا کیا ہے، بس انسانوں کی اقسام پہ غور کر رہی تھی۔"

پلے پڑا یا محض غور ہی کرتی رہی ہو؟...... مائی ڈیئر! یہ زندگی اور یہ دوپایہ جانور یعنی دونوں اک چیستان کی طرح ہیں...... ان دونوں کے مفہوم، کبھی، کہیں اور کسی کے لئے بھی

ہمیشہ ایک سے نہیں رہے...... ہنستی مسکراتی خوش و خوشحال زندگی، کبھی کیسی خوبصورت دکھائی دیتی ہے سوہانِ روح ہو کر جہنم کی آگ بن جاتی ہے...... اسی طرح بظاہر خوبصورت اور با اخلاق تعلیم یافتہ میں خدائے پاک کا تحفہ محسوس ہوتا ہے اور یہی کبھی ایسا پینترا بدلتا ہے کہ انسان کے نام سے نفرت سی ہے۔ اچھے میں بُرا اور بُرے میں اچھا، یہی ری سائیکلنگ ہی فطرتِ زندگی اور فطرتِ انسان ہے۔ کبھی دیکھ کر فوری ایمان نہ لے آؤ اور نہ کبھی کسی کو بُری حالت میں پا کر اس کے خلاف فتویٰ صادر کرو...... انسان ہر کروٹ اور ہر سانس کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں...... کون جانے کس بُرے کا انت اچھا ہے اچھے کا آخیر ذلّت و رسوائی سے مملو ہے......!"

مومنہ جیسے گفتگو کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

"بہت ہو لیں باتیں، اب اجازت دو اور بھائی کو بلوا کر کہو کہ وہ میرے لئے کسی اچھے سے رہائش اور کسی گروپ کے ساتھ آؤٹنگ کا بندوبست کرے۔"

نصرت بڑے عجیب سے لہجے میں بولی۔

"[illegible] تم کو دیکھ لو یہاں کی ٹھنڈ [illegible] کے لئے [illegible] ہڈیوں کو ہے...... اور [illegible] اسے بھائی کو بلانے کی بات ہی...... [illegible] پہنچنے اور جانے کے باوجود تم ابھی کرنا چاہتی ہو تو [illegible] چار بجے ابا آئیں گے وہی تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کریں گے۔ ان کی غیر موجودگی اجازت کے بغیر اگر جانا چاہتی ہو تو جاؤ......!"

مومنہ کو پہلے ہی کھٹک سی تھی کہ یہاں سے نکلنا اگر ناممکن نہیں تو بے حد مشکل ضرور ہے...... چائے کی نوید سنائی دی تو اس کے منہ سے تھینکس گاڈ خود بخود ادا ہو گیا۔

نصرت کے والد صاحب نے مومنہ کو ایک روز مزید اپنا مہمان رکھا...... دین و دنیا پہ سیر حاصل کی...... کچھ کتابوں کے تحفے اور ڈھیر ساری دعائیں بھی دیں...... مومنہ نے نصرت اور عذرا سے خاص استدعا کی تھی کہ وہ والد صاحب کو گل نواز کی گھر پہ آمد اور اس کے رونے کے متعلق کچھ بھی نہ بتائیں۔ کے بعد اُسے اس گھر کے باہر قدم دھرنا نصیب ہوا اور وہ شہر سے قدرے ہٹ کر ایک نیم سرکاری ہٹ ہو گئی۔ اس کا انتظام نصرت کے والد صاحب نے کیا تھا۔ یہاں قریب بنے ہوئے دیگر ہٹوں میں اور غیر ملکی سیاح پہلے سے ہی مقیم تھے...... بجلی، ٹیلیفون، ٹرانسپورٹ اور دیگر ضروریاتِ زندگی کی سہولتیں بھی میسر تھیں...... یہاں اسے یہ آسانی ہو گئی کہ وہ دوسرے غیر ملکیوں کے گروپ میں شامل سیاحت کے لئے جا سکتی تھی۔ اگلے چار پانچ روز وہ چیدہ چیدہ جگہوں پہ ہو آئی تھی...... بس یہیں ایک

[illegible] کہ اس کا کھانا پینا' پہناوا اور دیگر مشاغل اپنے ساتھیوں سے لگا نہیں کھاتے تھے۔ وہ اس کے سر سے [illegible] تک کے حجاب' نماز و درود کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے تھے۔ شراب' خنزیر اور سگریٹ تو دُور کی چیزیں [illegible] پیک کوئی مچھلی' پنیر اور سُوپ تک استعمال نہ کرتی جو یورپ سے منگوایا گیا ہو۔ مصحف پاک اور مصلّے [illegible] کے ساتھ رہتا۔

● داستانِ نفس و ہوس کا دُم کٹا باگھ اور چنچل بکری......!

ایک خنک سی دوپہر وہ اپنے کالج کے برآمدے میں پائیں کرسی پہ پڑی جھولے لے رہی تھی...... ہلکی [illegible] دھوپ میں بڑی میٹھی سی تمازت جو سردی اور گرمی کا اک انوکھا سا امتزاج پیش کر رہی تھی۔ اپنے ممی ڈیڈی [illegible] کے خطوط جو پچھلے دنوں اسے اسلام آباد موصول ہوئے تھے' اس کے سامنے بید کی تپائی پہ کھلے دھرے [illegible] وہ ان کا تفصیل سے مطالعہ کر کے ہٹی ہی تھی کہ وضع قطع سے نہایت شریف دکھائی دینے والا ایک [illegible] اس کے پاس "السلام علیکم" کہتا ہوا آ کھڑا ہوا' وہ دیکی قسم کی انگریزی میں مخاطب ہوا۔

[illegible] ایک گروپ پہاڑوں کی سیاحت کے لئے روانہ ہو رہا [illegible] میں اکثریت خواتین کی ہے کچھ نوعمر بچے بھی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ آپ ماشاء اللہ مسلمان [illegible]...... آپ خوش ہوں گی کہ گروپ میں اکثریت باپردہ خواتین کی ہے۔ یہ لوگ کراچی سے آئے [illegible] پڑھے لکھے ہیں۔"

مومنہ کی تو مُراد بھر آئی تھی...... وہ ایسی ہی کوئی سنگت چاہتی تھی' جس میں اُسے کسی طور بھی اجنبیت کا [illegible] ہو' پڑھے لکھے' روشن خیال و روشن ضمیر...... تاکہ وہ اُن سے کھل ڈل کر ہر طرح کی بات چیت کر [illegible] مومنہ نے اس گائیڈ قسم کے شخص سے لوکیشن' قیام و طعام کے علاوہ دیگر اُمور کے متعلق بھی تفصیلات [illegible]۔ اس کا لائسنس چیک کرتے ہوئے اگلی صبح تیار رہنے کا عندیہ دے دیا۔

گل نواز تو جیسے مجنوں ہو چکا تھا...... مومنہ کوئی ایسی حسین و جمیل لڑکی بھی نہیں تھی کہ اس جیسی کہیں اور [illegible] ہو...... پر دل آنے کے ڈھنگ نرالے ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کسی کی چھب' کوئی ادا حرکت' دل کو [illegible] ہے کہ اچھا بھلا آدمی گھن چکر بن کر رہ جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے گل نواز بھی کسی غیر ملکی لڑکی سے کوئی [illegible] کر اپنے ہم مشربوں یا تعلقداروں میں اپنی بے جا بہ جا بنانا چاہتا ہو...... اُسے اسی دن معلوم ہو گیا تھا

مومنہ کسی ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرنا چاہتی ہے اور وہ اس علاقے کی سیاحت کے لئے جرمنی سے آئی ہے۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے والدہ اور عذرا سے کافی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اُسے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ اس نے شادی والی بات پہ قطعی کوئی بُرا نہیں منایا تھا۔ بلکہ یہ تک کہا کہ گل نواز نے اپنے دل کی بات کو زبان تک لا کر بڑی اخلاقی جرأت کا ثبوت دیا ہے۔ اس بات نے اس پہ اُلٹا اثر کیا بلکہ غیر ملکی میموں گوریوں کے بارے میں جو اس کا خبط تھا اُسے مزید بھڑکا دیا۔

مومنہ عام سی غیر ملکی ہوتی تو کوئی بات نہ ہوتی...... ایسی عورتیں اور مرد آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کا کاروبار خاص طور پہ ان غیر ملکیوں کی آمد و رفت سے وابستہ ہے۔ ڈالر' پونڈ' سگریٹ' شراب' کپڑے' کیمرے وغیرہ ان کے لئے بڑی کشش کا باعث ہیں۔ اِدھر پہنچنے والوں میں زیادہ تر منشیات کے شوقین ہوتے ہیں اور جو نہیں ہوتے انہیں یہاں کے اکثر گائیڈ اور مددگار قسم کے لوگ' شوقین بنا دیتے ہیں۔ گھوڑے' خچر' کوہ نوردی کے آلات' گرم کپڑے' برتن' ڈوریاں' خیمے' کیمرے وغیرہ کرائے پہ اُٹھانے والے' [illegible]' گائیڈ' مزدور' مددگار' ان پڑھ اور نیم پڑھے لکھے نوجوان [illegible] پیشے [illegible] اپنا اپنا رزق [illegible] کرتے ہیں—— بڑے بڑے [illegible] کے برعکس یہاں [illegible] ہیں [illegible] خراب [illegible] نہیں ہوتا جب تک اچھوں کے مقابل کچھ بُرے نہ ہوں۔ ان پیشہ ور لوگوں میں بھی چند گندے دانے موجود تھے جو اس سیر و سیاحت کے پیشے کی آڑ میں منشیات' کرنسی' سمگلنگ' بردہ فروشی اور اخلاقی برائیوں میں ملوث تھے۔ یہ ایک علاقائی مافیا تھا۔ جس کی پشت پناہی مقامی [illegible] حیثیت کے [illegible] سیاسی لوگ اور کچھ سرکاری اہلکار کرتے تھے۔ ان کے خفیہ ڈیرے تھے' جہاں شراب نوشی' مجرے' قمار بازی' منشیات کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان عیش کوش بگڑے لوگوں کی سب سے اعلیٰ عیاشی' غیر ملکی حسین عورتوں کو چرس گانجے کی زد پہ لا کر انہیں بے آبرو کرنا تھا—— اس طرح ان کے ہاتھوں' نشے اور جنسی بے راہروی میں پھنسی ہوئی عورتیں پھر کہیں بھی جانے کے قابل نہ رہتیں۔ یہ لوگ یہ حرکتیں مل جل کر کرتے تھے۔ لیکن ان کا ایک اصول بھی تھا وہ یہ کہ وہ خراب کو ہی مزید خراب کرتے...... اچھے اور ایک نمبر لوگوں کے لئے وہ ایک نمبر ہی رہتے تھے۔

اس مافیے کا سرغنہ وہاں کے ایک نامور خاندان کا چشم و چراغ تھا جسے آپ فی الحال شاہ جی کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف سماجی طور پہ ایک مخلص اور فعال انسان تھا بلکہ سیاسی اور کاروباری اُفق پہ بھی ایک کامیاب شخص تھا...... اس کا کمال یہ تھا کہ وہاں کے مقامی باشندوں میں اس کی شرافت' اخلاق اور وضع داری کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کمال ہوشیاری اور حکمت سے اپنی منفی مصروفیات پہ پردہ ڈال رکھا تھا...... اس کی احتیاط اور

کو یہ علم تھا کہ مافیا کے چند سینئر لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ ان کے چنگل میں پھنسنے والی کوئی عورت سب سے پہلے اس شخص کے تصرف میں آتی ہے...... اس کا ڈیرہ بہت ہی الگ تھلگ پہاڑ کے اندر ایک قدرتی غار میں تھا...... جس کے باہر ایک برائے نام سا ہوٹل بنا ہوا تھا۔ دراصل پہاڑ کی جانب بڑھنے والوں کے لئے یہ جگہ پہلے زمینی پڑاؤ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان لوگوں کی یہ کمین گاہ ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ تھی۔ شاہ صاحب کے خاص الخاص گماشتے ہی اس راستے سے واقف تھے جو اس کے عیش کدے کی جانب جاتا تھا۔ چونکہ یہ بااختیار شخص سیاحت کے کاروبار میں بھی ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے ہاں آنے جانے والوں کی تعداد جنس اور قومیت کی تفصیل اس تک پہنچ جاتی تھی۔

مومنہ کے شکردر میں قدم رکھنے کے ایک گھنٹہ بعد اس کی رپورٹ اُس تک پہنچ چکی تھی اور یہ بھی کہ مناسب قیام کی سہولت نہ ملنے کی وجہ سے گل نواز کے والد صاحب اسے اپنے گھر مہمان کی حیثیت سے لے گئے تھے...... دو روز بعد وہ جب ایس این ایچ کے ہٹ میں پہنچی تو بھی اُسے اطلاع پہنچ گئی...... اُسے تو اپنے ذرائع سے یہاں تک معلوم ہو چکا تھا کہ گل نواز اس غیر ملکی مسلمان لڑکی پہ فریفتہ ہو گیا ہے اور شادی کرنے پہ [illegible] چند ایک غیر معمولی اطلاعات تھیں جن کی [illegible] کے اندر ایک عجیب تجسس پیدا ہو چکا تھا۔ [illegible] اپنی دلہن بنانے پہ تلا ہوا تھا۔ اسے گل نواز کی جرأت پہ حیرت بھی تھی اور خفگی بھی...... کیونکہ یہاں تو مل بانٹ کر کھانے والا معاملہ تھا شادیوں وادیوں کا کوئی چکر نہیں تھا۔ اس نے طے کیا پہلے وہ اس میم کو دیکھے گا اور پھر وہ گل نواز سے نمٹے گا...... اس مقصد کے تحت وہ صبح جوگنگ فیلڈ میں پہنچ گیا تھا لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھی۔ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد وہ اس کے ہٹ کی پچھلی جانب ہو لیا...... وہ بیک سائیڈ چھجے کے نیچے کوئی کتاب پڑھ رہی تھی (غالباً وہ تلاوت کر رہی تھی) وہ کچھ یوں اپنے آپ میں مگن تھی کہ یہ اُسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ صبح کا ہی 'نُور کا اُجالا' اس کا چہرہ ایک گلاب کی مانند دمک رہا تھا۔ وہ اسے محسوس کرتا ہی رہ گیا۔ ایسا ملکوتی 'حُسن' من موہنا دلآویز حسن...... اس سے پیشتر کہاں کسی نے بھلا دیکھا سنا ہوگا؟ گل نواز کا اس پہ فریفتہ ہونا اور شادی کا سوچنا 'اُس کی سمجھ میں آ چکا تھا۔

یہ لڑکی اُس کے دل میں ببول کے کانٹے کی مانند اتر سی گئی تھی۔

گل نواز کی تلاش ہوئی تو وہ گھر پہ اپنی ماں کو مومنہ کے سلسلے میں اپنا ہمنوا بنا رہا تھا۔ شاہ جی کا پیغام ملتے ہی وہ اس کے ڈیرے پہنچ گیا۔ شاہ جی نے بلاتمہید و تکلف سیدھی سیدھی مومنہ کی بات شروع کر دی اور اپنا یہ فیصلہ بھی صادر کر دیا کہ یہ غیر ملکی عورت دیر بدیر ان کے ٹھکانے پہ پہنچنی چاہئے۔ دراصل یہ بات کہہ کر وہ گل نواز کا

عندیہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ مومنہ کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ انسان جبلّی طور پہ انتہائی خودغرض واقع ہوا ہے۔ خاص طور پہ عورت، دولت اور شہرت کے معاملہ میں تو وہ اخلاقی، انسانی اور قانونی حدوں کو بھی انتہائی سفاکی سے پار کر جاتا ہے۔

شاہ جی کی زبان اور آنکھوں سے مومنہ کی بات سُن اور جان کر وہ کسی کرونڈیے سانپ کی طرح کسمساتے ہوئے کہنے لگا۔

"شاہ جی! دراصل مومنہ ہمارے ہاں، اباّ کے جاننے والے ایک دوست کی وساطت سے آئی ہے۔ وہ دوست پاکستانی ہے مگر جرمنی میں رہائش پذیر ہے۔ مومنہ ایک نومسلم ہے، وہ اباّ سے اسلام کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتی ہے اور ساتھ ساتھ سیر سیاحت بھی...... اب چونکہ ان ذاتی باتوں کا یہاں کسی کو کوئی علم نہیں اس لئے اُسے محض ایک ٹورسٹ ہی سمجھا جا رہا ہے۔"

شاہ جی جانتا تھا یہ صریحاً جھوٹ بول رہا ہے پھر اُس نے اتمامِ حُجت کے طور پہ کہہ دیا۔

"آپ کے اباّ سے دین سیکھنے آئی ہے اور تم اس سے شادی کا چکر چلانا چاہتے ہو۔ کیا یہی دین اسلام ہے؟...... دراصل تم یہ آم خود اکیلے اکیلے ہی کھانا چاہتے ہو۔ بچے اور باقی سب مچھیروں کے لئے ہو [illegible]...... آج کے بعد بھول جاؤ کہ مومنہ نام کی کوئی لڑکی تمہارے گھر رہی تھی اور تم نے اس سے شادی کا کوئی خواب دیکھا تھا۔"

شاہ جی نے اپنا خاص گماشتہ بھیج کر مومنہ کو اپنے گروپ میں شامل کر لیا تھا...... اٹھارہ رکنی یہ گروپ سات روز کے لئے برفانی پہاڑوں، وادیوں، جھیلوں کی سیاحت پہ روانہ ہوا...... بیس کیمپ وہی پہاڑ کا دامن تھا جدھر ان کا ہوٹل اور پہاڑ کے اندر خفیہ غار تھا۔ اس بیس کیمپ میں چند ہٹ بنے ہوئے اور گودام بھی، جس میں ایندھن، تیل، جلانے کی لکڑی، گیس سلنڈر، خیمے، سلیپنگ بیگ اور گھوڑوں، خچروں، ٹٹوؤں کے لئے اصطبل اور قلیوں خلاصیوں کے واسطے جھونپڑے بنے ہوئے تھے...... پہلے پڑاؤ پہ پہنچ کر گروپ نے ناشتہ کرنا تھا اور ساتھ بریفنگ بھی تھی۔ پہلے روز کا سارا سفر محض چند کوس پیدل واک تھی...... راستے میں ایک تنگنائے بھی موٹے موٹے گرم لبادوں میں ملبوس، سروں پہ گرم ٹوپیاں، ہاتھوں پہ دستانے...... پیدل اور کچھ خچروں، ٹٹوؤں پہ سوار...... ساتھ ساتھ رہبر اور قلی، جو ضرورت کا سفری سامان ٹٹوؤں پہ لادے سیاحوں کی مصاحبت میں تھے۔ مگر ان میں گل نواز کو دانستہ شامل نہیں کیا گیا تھا۔

پہاڑوں میں کیا ہوتا ہے جو لوگ انہیں دُور دُور سے دیکھنے آتے ہیں۔ میرے اپنے خیال میں

کے ڈھول سہانے کی طرح"...... "پہاڑ دور سے ہی اچھے" بھی ہونا چاہئے۔ پہاڑوں میں آوارہ گردی کرنا' ترین مشغلہ ہے۔ بندہ ایک آدھ دن پہاڑوں میں گزار لے تو خود کو بندے سے زیادہ بندر سمجھنے پہ مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ گنڈیوں اور رسّوں کی مدد سے جان جوکھم میں ڈالے ہوئے سرپھرے جو عموداً پہاڑوں پہ چڑھتے ہیں۔ بندۂ خدا! پھر اُوپر ہی رہو وہیں سے پچھاڑو اور اُوپر' اُوپر ہی اُوپر' اُس سے بھی اُوپر چلے جاؤ۔ نیچے کی مت سوچو...... آخر اگر نیچے ہی اُترنا ہے تو اُوپر کی مت ٹھانو۔ یہ پاگل سیاح جو پہاڑوں پہ بڑے شوق سے چڑھتے ہیں نیچے اُترتے ہی چارپائیوں پہ پڑ جاتے ہیں پھر کئی کئی روز ان کی ٹانگوں کی کھلیاں نرم نہیں ہوتیں۔ بخار اور بے طرح کی تھکاوٹ ان کی جان ضیق میں ڈالے ہوئے ہوتی ہے۔

پہلے دن یہ لوگ اتنا زیادہ تھک گئے کہ دوسرے روز کے پروگرام کینسل کرنا پڑے۔ وہاں کے آرگنائزر کو بھی بہت بڑا فائدہ ہوتا ہے۔ اُجرت تو وہ پورے دنوں کی لے لیتا ہے مگر اُسے فعال بہت کم رہنا پڑتا ہے۔ وہ پہلے اور دوسرے روز سیاحوں کو اتنا تھکا دیتا ہے کہ اگلے ایک دو روز یہ بیچارے ایک دوسرے کی ٹانگیں دباتے رہتے ہیں یا سردی' تھکاوٹ کھا کر بیمار پڑ جاتے ہیں

ادھر بھی [illegible] لوگ' خوب تھکاوٹ کر پڑ گئے تھے۔ مگر مومنہ کا معاملہ دگر تھا۔ اس کے روزمرہ کے معمولات میں رتی برابر بھی فرق نہیں آیا۔ صبح کی سیر' ورزش' مختصر تلاوت اور ناشتہ کے ساتھ ہلکا پھلکا مطالعہ۔

وہ حیران ہوئی جب اگلی صبح نئی لوکیشن کی سیاحت کے لیے' اس کے علاوہ صرف دو فرد ہی جانے کے لیے بچے' باقی سب گھوڑے بیچ سوئے پڑے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر ان دونوں نے بھی آج کا پروگرام ملتوی کر دیا اور انفرادی طور پہ اِدھر اُدھر نکل گئے...... اپنے ہٹ کی جانب لوٹ رہی تھی کہ سامنے سے عبیداللہ گائیڈ دکھائی دیا۔ یہ وہی شخص تھا جس سے پہلے روز' سیاحت کے سلسلہ میں بات ہوئی تھی...... سلام کے بعد اس نے آج کا پروگرام موخر ہونے پہ معذرت چاہی...... ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے ہوئے وہ اس کے ہٹ تک آ پہنچا تھا۔

"میڈم! اگر آپ پسند کریں تو میں صرف آپ کی خاطر ایک خاص لوکیشن دکھانے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں۔" بڑے عجز' خلوص اور ادب کی چاشنی میں بھیگی ہوئی آفر تھی جیسے وہ قبول کر بیٹھی۔

ہلکی سی تیاری کے بعد وہ اُسے دم ڑی کے پُراسرار غار کی جانب لے گیا۔ اس قدیمی غار کے اندر گرم نیلے پانی کا چشمہ رواں تھا...... ہلکی ہلکی گندھکی دھانس اور سفید جھاگ اُڑاتا ہوا شفاف پانی' جلدی

اور سحری امراض کے لیے اکسیر مانا جاتا تھا...... راستہ دشوار گزار، کٹا پھٹا اور چڑھائی کا تھا۔ عام لوگ اور سیاح ادھر آتے ہوئے کتراتے تھے۔ صرف بیمار، حاجتمند اور اس پانی کا کاروبار کرنے والے ہی ادھر کا رخ کرتے...... لوگوں کا کہنا تھا کہ اس شفا آمیز پانی کی اجارہ داری بھی شاہ صاحب کے پاس ہے۔ یہ طلسمی معجزاتی پانی کی حیثیت سے دور دور تک بھیجا جاتا تھا...... یعنی یہ قدرتی پانی بھی ایک اچھا خاصا کاروبار بن چکا تھا۔

ایک معتمد مددگار، گائیڈ عبیداللہ اور میڈم مومنہ جان، جو خچر ٹٹوؤں پہ سوار تھے دم وی کے پہاڑی سلسلہ کی جانب روانہ ہوئے۔ موسم رسیلا اور چمکیلا تھا...... کھانے پینے کا سامان اور کچھ ضروری اشیاء معتمد مددگار، ٹٹو پہ بندھی ہوئی تھیں...... وہاں پہنچتے پہنچتے دو اڑھائی گھنٹے لگ گئے...... راستہ چونکہ پُرخطر اترائیوں چڑھائیوں اور گہری کھائیوں سے اٹا پڑا تھا اس وجہ سے مومنہ پورا وقت ورد درود پڑھتی رہی۔

یہ صدیوں پرانا غار شروع دہانے پہ قدرے تنگ مگر اندر سے دور تک ایک وسیع منظر پیش کرتا تھا۔ اندر کچھ غیر قدرتی سی تبدیلیاں بھی تھیں۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کچھ انسانی عمل دخل بھی ہے۔ نیلے اور فیروزی رنگت کے خوبصورت ملائم پتھروں سے اٹکھیلیاں کرتا ہوا رواں پانی جانے کہاں سے نکل کدھر غائب [illegible] مقام پہ پانی کے بیچ پتھروں سے ایک دیواری اٹھا دی گئی تھی...... یہاں لگتا تھا کہ یہ جگہ غسل کے لیے مخصوص ہے۔ پانی کے گول گول چمکیلے سے پتھر تھے شاید ان پہ بیٹھ کر غسل کیا جاتا ہوگا...... مددگار باہر قدرے ہموار سی جگہ پہ کے کھانے پینے کے انتظام میں جت گیا...... عبیداللہ گائیڈ، مومنہ کو لے کر غار کی طرف آ گیا۔ ٹارچ اس کے ہاتھ میں اور تھیلا اس کے کاندھے پہ لٹکا ہوا تھا...... دہانے میں داخل ہوتے ہی اس نے ٹارچ روشن کرتے ہوئے کہا۔

”صرف چند قدم ٹارچ کی ضرورت ہے پھر آگے اندر ضرورت محسوس نہیں ہوگی...... قدرتی طور غار کے اندر روشنی ہوتی ہے۔“

دورانِ سفر اس نے اس پُر اسرار غار کے بارے میں کافی حد تک جھوٹی سچی معلومات بہم پہنچا کر مومنہ کے شوق و تجسس کو ہوا دی تھی...... اب اس نے مزید بتانا شروع کیا۔

”میڈم! یہ غار بڑا مقدس مانا جاتا ہے، ہم نے تو اپنے بزرگوں، لیکن انہوں نے اپنے پرکھوں سے ہے کہ یہ غار، حضرت سلیمان علیہ السلام کے دورِ حکومت میں جنوں اور پری زادوں کے لیے ایک خاص مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔ جھیل سیف الملوک کی مانند یہ بھی نوری ناری مخلوق کی ارضی تربیت کی آماجگاہ تھا۔ وہاں

برفانی چوٹیوں پہ ہوتی تھی اور یہاں برفانی چوٹیوں والے پہاڑوں کی پُراسرار غاروں اور گھپاؤں میں۔۔۔۔ انسان کے پاس سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھ ہو تو آج بھی اس مقدس غار میں پری زادوں کے [illegible]وں کی سرسراہٹ' اُن پاکیزہ تنفس کی خوشبو اور بے خدوخال شبیہوں والے سراپے لہراتے سے محسوس ہوتے ہیں۔۔۔۔۔"

وہ ذرا سی ذرا سانس درست کرنے کی خاطر رُکا تو سردی یا خوف سے سکڑی ہوئی مومنہ بادل نخواستہ پوچھنے لگی۔

"کیا اب بھی یہاں جنوں اور پری زادوں کا عمل دخل ہے؟"

"عمل دخل کے بارے میں تو میں وثوق سے کچھ نہیں بتا سکتا۔ ہاں البتہ کچھ اثرات ضرور موجود ہیں۔" گائیڈ نے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

مومنہ مزید کُریدتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا یہ اثرات یہاں ہر پہنچنے والا محسوس کرتا ہے یا محض غار کے اندر داخل ہونے والے پہ ہی ظہور پذیر ہوتے ہیں اور وہ اثرات کس نوعیت کے ہوتے ہیں؟"

"اس [illegible] ہوں کو لا چکا ہوں لیکن سوائے چند ایک کسی نے بھی اثرات محسوس نہیں کیے۔"

"مثلاً چند ایک نے کس قسم کے اثرات محسوس کیے......؟"

وہ تو جیسے ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ گائیڈ بوکھلاتا سا بولا۔

"یہی کہ کوئی اچانک چُپ سادھ لیتا' آنکھیں حیرانگی سے ذرا پھیل جاتیں' چہرے پہ سپیدی کھنڈ آتی اور کوئی خود بخود بڑبڑانے لگتا ہے جیسے کسی نادیدہ ہستی سے باتیں کر رہا ہو۔۔۔۔۔ ایک آدھ کو بے ہوش ہوتے ہوئے بھی دیکھا۔" پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ "عجیب بات کہ چند ایک کو بے پناہ خوشی اور مسرت کے عالم میں بھی دیکھا۔۔۔۔۔ جیسے انہوں نے یہاں پہنچ کر اچانک کوئی خزانہ پا لیا ہو یا کوئی ایسی چیز مل گئی جس کی کھوج میں وہ سرگرداں' ملکوں ملکوں خاک چھان رہے تھے۔۔۔۔۔ میڈم! دو چار کیس ایسے بھی......؟"

اچانک اُسے بریک لگ گئے' جیسے نہ دکھائی دینے والی کسی پُراسرار ہستی نے اس کے ہونٹوں پہ اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھ دیا ہو کیونکہ وہ متوحش سی آنکھوں کے ساتھ تھر تھر کانپ بھی رہا تھا۔

وہ اسے ایسی حالت میں دیکھ کر گھبرا سی گئی' پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا؟۔۔۔۔۔ یہ لو پانی پیئو!۔۔۔۔۔ بیٹھ جاؤ اور اپنی بات مکمل کرو۔ تم کہہ رہے تھے دو چار کیس ایسے

بھی...... کیسے کیس تھے یہ؟...... سکون سے بتاؤ۔"

ایک بڑا سا گھونٹ لے کر وہ بولا۔

"میڈم! ایسے در اصل یوں ہوتا تھا دو چار کیس ایسے ہی ہوئے کہ بندے ہی غائب ہو گئے۔

وہ غار کے اندرونی حصے کو دُور تک نیم تاریکی میں ڈوبا دیکھتے ہوئے مزید گویا ہوا۔

"وہ غار کے اس تاریک خطرناک حصے کی جانب یوں بڑھتے ہوئے چلے گئے تھے جیسے کسی نے اُدھر پہنچنے پہ مجبور کر دیا ہو۔ میری وارننگ پہ بھی اُنہوں نے کان نہیں دھرے' آگے بڑھ کر روکا بھی...... سحر زدہ سے آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔"

وہ فلاسک کپ میں باقی ماندہ پانی پینے لگا تو مومنہ نے ایک اور سوال چھوڑ دیا۔

"بتا سکتے ہو کہ یہ غار' کہاں پہ ختم ہوتا ہے...... یہ کہاں تک گیا ہے اور کیا تم یا کوئی اور...... اس کے اندر انتہا تک گیا ہے؟"

وہ غار کے اندرونی' تاریکی میں آگے بڑھتے ہوئے راستے سے نظریں چُراتے ہوئے بتانے لگا۔

"میڈم! یہ آپ دیکھ رہی ہیں کہ اندر کہیں سے نکلتے ہوئے چشمے کا پانی یہاں پہنچتے پہنچتے دو حصوں میں تقسیم ہو جا [illegible] جلدی امراض سے شفایابی کی خاطر بایاں حصہ عورتوں اور دایاں حصہ مردوں کے غسل کے لئے مخصوص ہے مگر شاید ہی کوئی ایسا موقع آیا ہو کہ مرد اور عورتیں اکٹھے غسل کے لئے موجود ہوں۔ اگر ایسا کبھی ہو بھی جائے تو پہلے صرف مرد اور عورتوں کو موقع مل جاتا ہے کہ انہیں بدن کے ساتھ باطنی غسل درکار ہوتا ہے۔ وہ یہاں سے فارغ ہو کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جدھر بظاہر اندھیرے مگر باطن اجالے ہی ہوتے ہیں...... پھر اُن لوگوں کا [illegible] فضول ہوتا ہے۔ انہیں اب کسی گائیڈ کی ضرورت نہیں رہتی وہ اپنی راہوں کے خود ہی راہی اور اپنی منزل کے آپ ہی متلاشی ہوتے ہیں۔"

"یہ باطنی غسل کیا ہوتا ہے؟"

مومنہ پاس ہی ایک بڑے سے پتھر پہ بیٹھتی ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"میڈم! میں ایک نکما سا گائیڈ ہوں۔ میری معلومات سینہ بہ سینہ سُنی سُنائی باتوں پہ مبنی ہیں۔ یہی سُنائی باتیں میں آگے بھی سُنا دیتا ہوں...... سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اس کی بابت اللہ بہتر جانتا ہے...... مگر ایک بات بالکل سچ ہے کہ اِدھر کہساروں اور برفزاروں میں رہنے والے کم از کم دروغ گو نہیں ہوتے۔ [illegible] کے اردگرد' اوپر نیچے نزدیک و دُور سچائیاں ہی سچائیاں اور قدرت و فطرت کی بے باکیاں ہوتی ہیں۔ ایسے

میں ہم لوگوں کو دروغ کی جرأت کہاں ہوتی ہوگی۔ ویسے میرے ذاتی تجربے اور مشاہدہ میں ابھی روحانی غسل کا ادراک نہیں آیا۔"

وہ اپنی چھڑی سے غار کے اندر ذرا دور ایک ابھری چٹان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں اس جگہ سے آگے کبھی گیا ہی نہیں......!"

"کیا اس غار کے اندر چمگادڑیں یا اسی نوع کے پرندے جانور بھی ہیں؟"

"میڈم! میں آپ کو بتاتا ہوں ایسے مکروہ پرندے جانور وہاں ہوتے ہیں جہاں بھوت پریت یا روحوں کی آماجگاہیں ہوں۔ ہمارے ان برفانی علاقوں پہاڑوں میں ایسے ابلیسی ٹھکانوں کی گنجائش ان برف زاروں میں پری زاد اور جنات تو رہتے ہیں مگر وہ جو دائرہ اسلام میں ہوں...... یہاں تک کہ یہاں چرند پرند یا درندے بھی خوئے حلیم والے ہوتے ہیں...... بلکہ موذی جانور، چمگادڑیں، الو، سانپ، بچھو وغیرہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ آپ اس غار کو ہی دیکھیں یہاں آپ کو کسی جانور یا کی غلاظت دکھائی نہیں دے گی اور نہ کوئی مکروہ حرام جانور نظر آئے گا...... جہاں گندگی [illegible] وہاں غلاظت، گندگی بھی نہیں رہے گی...... [illegible] وغیرہ تو [illegible] بلیات ہوتے ہیں۔"

مومنہ [illegible] عجیب سی نظروں سے اسے تولتی رہی...... پھر بولی۔

"اس غار میں پینے کا صاف پانی بھی ہے؟"

"ہاں! تر وڈے سے تین چار [illegible] اوپر چھت کی دراڑ سے قطرہ قطرہ پانی ٹپکتا رہتا پتھر کی کھدائی کر کے ایک حوض سی بنا دی گئی ہے۔ ایسا یخ بستہ میٹھا امرت سا پانی...... چلو بھر پیو تو اندر پھریری سی محسوس ہوتی ہے۔ جنم جنم کی پیاس بجھ جاتی ہے...... دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ اپنی قطار میں رکھ جاتے ہیں...... پچھلے دو مہینے پہلے تک یہاں ایک مجذوب سا پڑا رہتا تھا۔ خدا بسر اوقات کہاں سے کرتا تھا۔ جب دیکھو وہ بڑبڑاتا ہی دکھائی دیتا جیسے کسی سے جھگڑا کر رہا ہو۔ حق مانگ رہا ہو...... عاجز بن کر تو کبھی آنکھیں دکھا کر...... کبھی کبھی اپنے موڈ میں ہوتا تو کپیاں بھر بھر کر اپنی اپنی جگہ رکھ دیتا جب لوگ دوبارہ ادھر کا چکر لگاتے تو اپنا اپنا پانی اٹھا کر لے جاتے کچھ نہ کچھ، روٹی، پھل یا نقدی کی صورت اس کو دے جاتے۔ دو ماہ ہوئے وہ ادھر سے لوگ عجیب عجیب تاویلیں گھڑتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے اس کی یہاں ڈیوٹی ختم ہو گئی ہے۔ کوئی کہتا مر کھپ گیا ہے، کچھ کہتے ہیں وہ غار کے اس پار کہیں نکل گیا...... غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔"

تروڈا وہ جگہ تھی جہاں سے چشمے کا پانی دو علیحدہ آب جوؤں میں تقسیم ہوتا تھا...... بڑا سا چمکیلا درمیان میں تھا جس پہ سفید رنگ سے تروڈا شریف لکھا تھا...... آگے آگے عبیداللہ گائیڈ اور پیچھے پیچھے مومنہ گیلے چکیلے بے ڈھبے پتھروں پہ مضبوطی سے پاؤں جماتے ہوئے پانی کے حوض کے پاس پہنچ گئے...... حوض کے اندر سبز رنگ کی کائی کی شاخیں ادھر اُدھر لہرا رہی تھیں۔ اوپر اُونچائی سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ ٹھہرے پانی میں جب موٹا سا قطرہ گرتا تو ایک خاصا گرداب سا لہرا اُٹھتا اور ٹپ کا آہنگ عجیب سرمدی سی موسیقی ارتعاش پیدا کر دیتا...... وہ جھک کر جمع شدہ پانی کو دیکھنے لگی پھر ہاتھ کا چلّو بنا کر پانی ہونٹوں کے قریب لے نوکِ زباں تر ہوئی تو پانی اُنگلیوں سے اُتر گیا...... اب دونوں ہاتھوں کے اُوک سے پانی اُٹھایا' سیر ہو کر فلاسک میں بھر کر رکھنے لگی۔

"سبحان اللہ! ایسا منظر اور معطر پانی زندگی میں پہلی بار پیا ہے۔ شکریہ عبیداللہ! تم نے مجھے عجیب نعمت سے مستفید کروایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ جب تک میرا قیام یہاں ہے پینے کے لئے مجھے پانی دستیاب ہو۔ کیا تم میرے لئے اس کا انتظام کر سکتے ہو؟"

"اس کے لئے مجھے شاہ جی سے رابطہ کرنا پڑے گا کیونکہ یہاں کے دونوں پانیوں اور غار کا سارا انتظام اُنہی کے [illegible] آپ [illegible] ہو جائے گا لیکن...... !"

"اب "لیکن" بیچ میں کہاں سے آ ٹپکا......؟"

"میڈم! یہ سمجھ لیں کہ ان دونوں پانیوں کی تاثیر اور اصل لطف و مزہ یہیں اسی غار میں ہے۔ اس میں بند کر کے گھر لے جانے میں شاید یہ اپنی کرامت و برکت کھو بیٹھتے ہیں۔ مور کا ناچ جنگل میں لطف ہے...... گھر یا چڑیا گھر میں نہیں۔"

"شاید تم نے ٹھیک کہا ہے۔ اچھا اب یہ بھی بتا دو کہ شاہ صاحب کون ہیں؟"

"شاہ صاحب کوئی بوڑھے سے بزرگ یا پیر فقیر نہیں ہیں۔ یہ تو خوبرو جوان آدمی ہیں۔ اس پورے علاقے میں اُن کی بڑی عزت' شہرت ہے۔ کاروباری اور سیاسی آدمی ہیں...... یہاں اردگرد اکثر زمینیں پہاڑ اُن کی ملکیت میں ہیں۔ یہاں یاتریوں اور سیاحوں کو لانے' لے جانے کے لئے پرچی ان ہی کے کٹوانی پڑتی ہے...... پڑھے لکھے ہیں بہت سی زبانیں جانتے سمجھتے ہیں اور یہاں کے چپے چپے کی ہسٹری واقف...... اس علاقے میں موجود تمام مزارات' شاہرات' قلعے' پہاڑ' غاریں' ٹیل وغیرہ کے متعلق معلومات مصدقہ اور مکمل ہوتی ہیں۔ اس غار کے بارے میں جو کچھ وہ بتا سکتے ہیں میں بھی نہیں جانتا

[illegible] آئی پی شخصیت یا بیرونی ممالک سے کوئی پروفیسرز لوگ آتے ہیں تو شاہ صاحب خود انہیں یہاں [illegible] کرواتے ہیں۔"

"[illegible] کیلئے اکلوتا گائیڈ نواز...... کیا وہ بھی یہیں کام کرتا ہے......؟"

"ہاں وہ چھوٹے موٹے دیسی قسم کے سیاحوں کو اِدھر اُدھر لے جاتا ہے۔ اسے غیر ملکیوں کو لے کر [illegible] کی اجازت نہیں یعنی اس کے پاس ایسا لائسنس نہیں ہے...... آپ تو اس کے گھر پہ بھی رہی ہیں...... اس [illegible] آپ سے کچھ ایسی ویسی سی توقعات بھی قائم کر لی تھیں لیکن مجھے یقین ہے اس بیوقوف کو آپ نے معاف کر [illegible]۔"

انہی باتوں باتوں میں وقت خاصا آگے نکل گیا تھا۔ ہلکا پھلکا گرم گرم کھانا کھانے کے بعد مومن اور [illegible] نے الگ الگ اپنی نماز ادا کی۔ مومن نے عبیداللہ سے کہا کہ وہ اب غار کے باہر دوسرے مددگار کے [illegible] اپنی مرضی سے وقت گزار سکتا ہے...... وہ کچھ وقت اکیلے غار کے اندر رہنا چاہتی ہے...... وہ پریشان سی [illegible] سے مومن کو دیکھتا ہوا غار سے باہر اُتر گیا۔

غار [illegible] انسان کے باطن کی مختلف کیفیتوں کی مانند ہوتے ہیں...... پُراسرار [illegible] والی کیفیتیں، اندھیرے ملگجے، نیم اُجالے، دھواں دھواں دھندلا دھندلا اور دل دہلا دینے والے [illegible] مراحل، انسان کسی غار میں اُترے یا اپنے باطن کی باؤلی میں، لگ بھگ ایک سی ہی صورت حال سے [illegible] ہوتا ہے...... کچ کچ قدم [illegible] تو اس ایک دوجے کا ہاتھ پکڑے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ دل کے طبلے کی گت تیز ہو جاتی ہے۔

یہی کچھ کیفیت مومن کی بھی تھی...... اُسے یوں محسوس ہوا کہ اپنے اندر کے کسی نہاں خانے میں اُتر آئی [illegible] دھیرے دھیرے بہتا ہوا، سپید جھاگ والا نیلا پانی، جیسے اُسی کا ہی لہو ہو...... خامشی تنہائی، جیسے اس کا سدا [illegible] سنگ و سنگ ریزے، اُس کی خواہشیں آرزوئیں...... نیم اندھے اندھیرے، جیسے اس کی نیم نوا [illegible] نامعلوم اَنت والا راستہ، جیسے اس کی منزل کا بے چہرہ سنگِ میل ہو۔

[illegible] کچھ سوچتی، دیکھتی بھالتی ایک تنویمی سی حالت میں وہ غار کے اندر کچھ آگے چلی گئی۔ یہاں غار کا [illegible] کہیں اندر دُور نیلاہٹ آمیز اندھیروں میں گم ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بہت مدھم سی اُبلتے کھلتے پانی [illegible] جیسے اَن گنت زہریلی ناگنوں کا نیلگوں سیّال زہر بہتا ہوا کہیں سے چلا آ رہا ہو...... دریاؤں، [illegible] ہواؤں اور نصیحتوں کے خلاف سفر اور اَمر کرنے میں انسان کی متجسسانہ فہم و فکر کو بڑی تسکین ہوتی ہے۔

علمی اور مشاہداتی فہامت و فراست کے سارے سوتے یہیں سے پھوٹتے ہیں…… دُنیا کی کم و بیش دریافتیں' ایجادات' عجائبات' نوادرات وغیرہ اسی نوع کے اُلٹے سفر اور اُلٹی کھوپڑی کے اَمر سے منصۂ شہود پہ آئے۔ عام سفر ہو تو مسافر راستہ طے کرنے پہ جُت جاتا ہے مگر کچھ سفر ایسے بھی درپیش ہوتے ہیں جہاں خود راہی کو طے کرتا ہے…… یہ بھی شاید کوئی ایسا ہی سفر تھا کہ وہ آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی کا عجیب نظام ہے کہ ایسی تاریک و عمیق گھپاؤں غاروں میں تازہ ہوا اور روشنی کی کمی محسوس نہیں ہوتی سُوئی کے ناکے سے بھی گزر لیتی ہے جبکہ سورج کی روشنی' عملِ انعکاس سے ایسے ایسے تاریک اور گہرے کھدرے بھی روشن کر دیتی ہے کہ انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے…… نہ تو اس نے کہیں ٹھوکر کھائی کسی دائیں بائیں یا چھت کے کسی پتھر سے ٹکرائی۔ آگے کچھ تنگ اور چڑھائی کی راہ تھی مگر وہ وہاں سے بھی گئی…… کچھ آگے بڑھی تو اب ٹخنے ٹخنے پانی میں چل رہی ہے۔ پانی کا معتدل گرم…… اب قدم قدم جیسے میں اُتر رہی ہو…… پنڈلیوں کے آگے بات جب گھٹنوں تک پہنچنے لگی تو وہ [illegible] رک سی گئی کہ کہیں مزید گہرائی [illegible] واسطہ نہ پڑ جائے…… یہیں سنبھلے نہ سنبھلے کھڑی تھی کہ اُسے سرگوشی سی سُنائی دی۔

[illegible] جائے…… آگے [illegible] بڑھے

تبھی بائیں ہاتھ کنارے پہ ایک ہیولا تھا اس کی جانب بڑھتا ہوا [illegible] وہ ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی تھامتے ہوئے بولا۔

”آگے پانی گہرا ہے ادھر کنارے پہ آ جاؤ۔“

اس مٹے مٹے سے ہیولے نے اسے کچھ سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اگلے لمحے وہ کنارے اس سے جڑی کھڑی تھی۔ وہاں گول گول چکنے گیلے پتھر اور ساتھ پیچھے کئی چٹی عمودی چٹان…… نیچے جمانے کے لئے اتنی جگہ نہ تھی کہ وہ اس سے ہٹ کر الگ سی کھڑی ہوتی پھر نیچے ایسی پھسلن اور ناہمواری کہ وہ اُسے سہارا دیئے ہوئے نہ ہوتا تو شاید وہ دھڑام سے پانی میں پڑی ہوتی۔

جیسے کچھ لوگ مُنہ میں زبان رکھتے ہوئے بھی بے زبان ہوتے ہیں۔ یونہی کچھ لوگ چہرے کے باوجود بھی بے چہرہ ہوتے ہیں…… انسانی چہرہ' محض مُنہ ناک آنکھیں کان ماتھا اور ٹھوڑی سے ہی نہیں ہوتا یہ تو چہرے کے ظاہری خدوخال ہوتے ہیں۔ اصل چہرہ تو اس چہرے کے بہت پیچھے کیفیات کے اندر کہیں ڈھکا چُھپا ہوتا ہے۔ اس چہرے کے خدوخال…… اس فرد کی سوچ و نیت' کرم و کردار کے مطابق ہوتے ہیں' کچھ چہرے خالی پلیٹ کی مانند دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے چہروں لوگ ہوتے ہیں جو صاحب الرائے نہیں ہوتے یا وہ ایک ایسے سرحدے پہ کھڑے ہوتے ہیں کہ دونوں

[illegible] ہوتے ہیں۔ [illegible] کے لئے ایسے رستے منتخب ہو جاتے ہیں جو بارغبت' جنت اور جہنم کی جانب کھلتے ہیں۔ آپ انہیں ہوا کس جانب لے اڑتی ہے یہ راہ کی کسی واردات پہ منحصر ہے۔

وہ بے چہرہ سا شخص اس کو ہولے ہولے کھسکاتا ہوا ایک قدرے فراخ سی جگہ پہ لے آیا۔ یہاں پہنچتے ہی مومنہ نے خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی اس مدد کا شکریہ! میں بے ارادہ ہی اس جانب بڑھ آئی جبکہ عبیداللہ نے مجھے اس غار کی پراسراریت کی بابت ہر بات سے آگاہ کر دیا تھا...... آپ کون ہیں اور ادھر......؟"

اس بے چہرہ شخص نے انتہائی روانی اور آسانی سے جھوٹ بولتے ہوئے بتایا۔

"میں بھی ایک خبطی سا سیاح ہوں۔ قدیمی اور پُراسرار جگہوں پہ آوارہ گردی کرنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ آپ حیران ہوں گی کہ میں پچھلے ہفتے سے اس غار میں مقیم ہوں۔ اس غار کی خوبصورتی' خوشبو' نیلے چشمے اور ٹھنڈے میٹھے معدنیاتی پانی نے مجھے یہیں باندھ لیا ہے۔ جوں جوں میں یہاں وقت گزار رہا ہوں یوں یوں مجھ پہ اس مقدس غار کے اسرار آشکار ہوتے جا [illegible] وہ غار کے کونے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ اس جگہ میں پچھلے چھ سات روز سے رہ رہا ہوں...... میں خود حیران ہوں کہ میں کیسے یہاں رہ پایا ہوں؟ ایسا سکون اور طمانیت بھلا اور کہاں ہوگی؟ یقین کریں میڈم! یہاں بیتے ہوئے یہ چند روز میری زندگی کا ایک بے بہا قیمتی اثاثہ ہیں......!"

وہ مومنہ کو اپنے اس جگہ پہ لے آیا جہاں اس کا مختصر سا ضروری سامان پڑا ہوا تھا...... مومنہ کو ایک ہموار سے پتھر پہ بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے مزید کہنے لگا۔

"آپ یہاں بیٹھئے میں آپ کو گرم گرم کافی پیش کرتا ہوں۔"

وہ اسے ایک چھوٹے سے ہینڈی گیس کے چولہے پہ پانی کی ننھی سی کیتلی دھرتے دیکھ رہی تھی...... مدھم سی روشنی میں اس نے اس کے چہرے کی جانب غور سے دیکھا...... وہ ایک وجیہہ توانا مرد تھا...... اس کے چوڑے سینہ سیاہ بالوں سے اٹے ہوئے تھے...... اس کا چہرہ ہر طرح کے احساسات سے خالی اور آنکھیں تو جیسے اس کی اپنی نہ ہوں کسی سے ادھار مانگ لایا ہو۔ وہ یوں ہی پوچھ بیٹھی۔

"یہ بہتا ہوا نیلا پانی...... گندھک کی بو' خاموشی ویرانی اور تنہائی...... میرے لئے حیران کن! انسان جگہوں میں رہ سکتا ہے پتھروں میں نہیں۔ مجھے آپ کوئی سادھو برہمچاری بھی دکھائی نہیں دیتے جو دنیا کو تیاگ کر ایسی ویران سنسان جگہوں پہ سمادھی لگانے پہنچ جاتے ہیں۔"

وہ اپنے بھیگے ہوئے کینوس کے جوتے اُتارنے کی جانب متوجہ ہوئی تو وہ جواب میں گویا ہوا۔

''آپ نے دُرست کہا' کوئی دُنیادار' کچھ وقت تو اس قسم کی جگہوں پہ گزار سکتا ہے' لیکن دن ہفتے مہینے نہیں رہ سکتا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس سے پیشتر کوئی موقع ایسا آیا ہو کہ میں کسی ایسی جگہ مسلسل دن رات رہا ہوں۔ ہاں' چند ایک خاص کیفیات میں نے یہاں بطورِ خاص محسوس کی ہیں ایک تو یہ کہ یہاں وقت ٹھہرا ٹھہرا سا رُک رُک' کھسکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ دوسری بات' یہاں بھوک پیاس یاد ہی نہیں رہتی۔ قطرہ قطرہ حوض میں جمع ہونے والے پانی کے دو چار گھونٹ' بھوک پیاس' نیند کمزوری اور ہر قسم کے فکر و فساد کو ختم کر دیتے ہیں۔ اندیشۂ سود و زیاں عنقا ہو جاتا ہے...... انسان اک عجب سی سرشاری اور سرمستی میں مگن رہتا ہے اور اس غار میں صبح و شام کی گردش کا کچھ احساس ہی نہیں ہوا۔''

''ماں باپ' بیوی بچے...... کاروبار' دُنیاداری کے جھمیلوں میں پھنسا ہوا انسان' شاید ان روحانی عیاشیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا...... یہ غاروں' پہاڑوں اور اندھیروں کے راستے رہبانیت کی جانب سرکتے ہیں اور آپ کی عمر بھی ایسی نہیں جو تنہائیوں اور ویرانوں کی جانب راغب ہوں۔''

''بھی تو کوئی ایسی عمر رسیدہ نہیں ہوں جو [illegible] غاروں [illegible] گردشوں میں خراب ہوتی پھریں...... یہ گرم گرم قہوہ ہے لیں آپ کو بے پناہ سکون محسوس ہوگا۔''

یہ قہوے سے کہیں زیادہ کوئی جڑی بوٹیوں کا جوشاندہ سا تھا لیکن جو بھی تھا وہ فرحت اور مسرت آمیز تھا۔ ہر گھونٹ پہ اسے [illegible] ہوا جیسے آہستہ آہستہ اس کے اندر کی گرد تہہ بہ تہہ [illegible] رہی ہو...... پھر کچھ دیر بعد ڈیمالش ہونے والی اس بلڈنگ کی مانند [illegible] جس کی چار دیواری کو گرانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ تبدیلی صرف اندرونِ خانہ ہوتی ہے۔ جسم اور ہوش و خرد کی دیواریں قائم...... لیکن قوتِ مدافعت اور عمل کرنے کی صلاحیت' بس میں نہ رہی...... دیکھ رہی ہے سن اور سمجھ رہی ہے لیکن اس کے حق یا خلاف کچھ کہنے کرنے سے عاجز...... عجیب سی کیفیت در آئی تھی۔ ہوش میں بے ہوشی اور بے بسی...... کوئی پرندہ اس کے اندر سے چیخ اُڈاری مار کر نکلا اور غار کے سنگلاخ کی چھتی چٹانوں سے ٹکراتا ہوا کہیں غائب ہو گیا۔ یعنی احتجاجاً وہ چلائی۔

وہ دیکھ رہی تھی اس شخص نے اسے نیچے پتھروں پہ لٹایا...... اس کی جیکٹ کی زپ نیچے کی...... اس نے مدافعت میں ہاتھ پاؤں چلانے چاہے مگر وہ انہیں ہلکی سی بھی حرکت نہ دے سکی۔ البتہ زبان اس کے بس میں تھی۔ وہ تحکمانہ انداز میں اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم یہ کیا کر رہے ہو؟ میں غیر ملکی ضرور ہوں مگر مسلمان ہوں اور تمہاری علاقے میں مہمان......

وہ تو جیسے سماعت سے محروم ہو گیا تھا۔ سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے اس نے جیکٹ اُتار کر پرے پھینک دیا۔ اب وہ اس کی شرٹ اُتارنے کے دَرپے ہو گیا تھا...... یہیں وہ منت سماجت پہ اُتر آئی۔

”دیکھو میں وضو سے ہوں۔ کچھ دیر قبل میں نے ظہر کی نماز ادا کی ہے...... مجھے آج تک کسی مرد نے نہیں چھوا...... میرا نام مومنہ ہے۔ خدا کے غضب سے ڈرو۔ میں نے عمرہ کرنے کی نیت کی ہوئی ہے۔“

وہ اس کی شرٹ اُتار چکا تھا مومنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے بھیگی آنکھوں سے اپنے ننگے شخص کو دیکھا۔ وہ شخص جیسے بے حس ہو گیا تھا۔ جنسی وحشیوں کی طرح نہیں بلکہ بڑے اطمینان و سکون سے اسے برہنہ کرنے پہ تُلا ہوا تھا جیسے وہ کوئی اہم فریضہ ادا کر رہا ہو۔ جب اس نے اس کے سفاری پاجامے پہ ہاتھ ڈالا تو وہ ایک زخمی شیرنی کی مانند دہاڑی...... ہاتھ پاؤں جسم نے تو ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ اس نے جیسے اپنی تمام توانائی اس چیخ پکار میں اکٹھی کر لی تھی۔

”خدا، رسول، ماں باپ، فقیر، جسے بھی تم مانتے ہو مجھے بے آبرو نہ کرو۔“

وہ گھگھیا رہی تھی...... یہ شاید اس کی بے بسی کی انتہا تھی۔ الاسٹک والا پاجامہ اور پیجامہ اُتارنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی...... اس مردِ خبیث نے اب اپنے کپڑے اُتارنے شروع کر دیے...... ہر طرح [illegible] آپ کو اس سے بے نیاز کر دیا۔

وہ لرزتی، کپکپاتی، یہ کوزۂ نبات کا شفاف مجسمہ کی صورت پڑی تھی...... وہ مرد جب اپنے آپ کو کپڑوں کی قید سے آزاد کرنے کے بعد اس کی جانب بڑھا تو وہ بڑے سکون سے کہنے لگی۔

”جو تم کرنے جا رہے ہو اگر یہی تمہارا منتہائے مقصد ہے تو پہلے ایک کام کرو۔“

وہ اپنے گلے میں پڑے ہوئے ایک بڑے سے تعویذ کے متعلق بتانے لگی۔

”یہ میرے گلے میں میرے بابا کراچی والے کا پہنایا ہوا چھوٹا سا قرآن شریف موجود ہے۔ چونکہ میرے ہاتھ ساتھ نہیں دے رہے اس لئے تم اسے میرے گلے سے اُتار دو...... ویسے بھی شاید مجھے اس کی اب ضرورت نہیں رہی...... مجھے بتایا گیا تھا کہ خدا شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ میں نے اُسی خدا کے کلام کو سینے سے لگا کر رکھا کہ میں ایک عورت ہوں، یہ میری حفاظت کرے گا...... مگر شاید میں نے خدا اور اس کے کلام سے کچھ زیادہ ہی توقع لگا لی تھی...... بہرحال ہم دونوں کے لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم اس قرآنی تعویذ کو میرے گلے سے علیحدہ کر دو۔“

وہ انسان ہوتا تو یہ حرکت ہی نہ کرتا...... وہ تو ایک بے حس جنسی درندہ بنا ہوا تھا...... جھٹ آگے بڑھا

جھپٹا مار کر قرآنی تعویذ کو گلے سے علیحدہ کر لیا۔ بس یہیں ایک قیامت ٹوٹ گئی...... ایک ایسی دلدوز چیخ کہ غار کی چٹانوں کے کلیجے بھی دہل اُٹھے۔ قرآنی تعویذ ہاتھوں سے کسی کروندیئے سانپ کی مانند لپٹا ہوا تھا۔ وہ اُسے جھٹک جھٹک کر پرے پھینکنے کی کوشش میں تھا مگر تعویذ تو جیسے اپنے زہریلے دانت اس کے ہاتھوں میں گاڑ چکا تھا...... وہ کسی زخمی سانڈ کی طرح' بے طرح ڈکراتا چنگھاڑتا...... لوٹنیاں لیتا کسی جانب ہو لیا۔ اس اچانک رُونما ہونے والے واقعہ نے مومنہ کو اک سکتے کی حالت میں ڈال دیا تھا...... وہ اسی طرح بے سُدھ و بےحس پڑی رہی۔ غار کے اندر چیخ کی اُودھم ابھی تک ایک ایکو پیدا کیئے ہوئے تھی...... آپ نے دیکھا ہوگا کہ غاروں' دروں' گنبدوں میناروں اور گہرے کنوؤں باؤلیوں میں بازگشت دیر تک گونجا کرتی ہے۔ یہ کچھ دیر اسی طرح بے حس سی پڑی رہی...... آنکھیں' دماغ روشن تھے۔ اسے قیامت کی آنکھ سے گزرنے والے ہر اذیت آمیز لمحے کا ادراک تھا۔ یہیں اچانک اُسے محسوس ہوا کہ اس کا بے حس جسم اور مدافعت آہستہ آہستہ بیدار ہو رہے ہیں۔ تھوڑی دیر ہلکی سی ہمت سے وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ لباس زیب تن کیا' حواس اور حلیہ دُرست کرتے ہوئے اُس نے وہیں پتھروں پہ پڑے ہوئے اُس شخص کے سامان پہ اُچٹتی سی نظر ڈالی...... یہیں اُسے وہ پلاسٹک کا کپ دکھائی دیا جس میں اُبھی نے کافی پی تھی۔ اس میں ابھی ایک آدھ گھونٹ سیال موجود تھا۔ اس نے اس تلچھٹ کو اپنے چھوٹے سے [illegible]

ایک لمبے وقفے نے دوپہر کو سہ پہر کی منزل پہ کھینچ لیا تھا...... غار سے باہر نیچے ڈھلوان کی ایک آڑ میں عبداللہ گائیڈ اور مددگار نے اچھی خاصی نیند توڑ لی تھی...... گھڑی پہ نگاہ ڈالتے ہوئے عبداللہ غار کی جانب اُٹھ آیا۔ اس کے حساب میں میڈم نے جی بھر غار کے فوٹو اور اسکیچ بنائے ہوں گے۔ عصر کی نماز پڑھی ہوگی۔ قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی سے خوب پیاس بجھائی ہوگی۔

مومنہ نے سلام پھیرا تو عبداللہ سامنے کھڑا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میڈم! سچی بات یہ ہے کہ میں باہر بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا...... آپ کو کہیں میری غیر حاضری سے پریشانی تو نہیں ہوئی؟"

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "نہیں نہیں میں نے تو تمہاری غیر حاضری میں خوب انجوائے کیا — دیکھ نہیں رہے میں کیسی ہشاش بشاش ہوں...... چلو اب واپس لے چلو' بہت دیر ہوگئی ہے۔"

اس رات یہ خوب سوئی' ایسی گہری نیند بچوں پہ اترتی ہے یا پھر اُن خوش نصیب بوڑھوں پہ جن کی گہری نیند کا اعلان مسجدوں کے لاؤڈ سپیکروں پہ ہوتا ہے اور کچھ سانحے' حادثے بڑے سہانے سپنوں والی نیندیں لاتے ہیں اور کچھ خوشخبریاں کامیابیاں' نیندیں اُڑا دینے والی راتوں کا سندیس بھی بن جاتی ہیں...... چاہیے تو یہ تھا کہ یہ

جان بچی تو لاکھوں پائے کہتی ہوئی اسی شام یہاں سے بھاگ لیتی یا کہیں شکایت رپورٹ کرتی، کسی رسالے میں اپنی روداد چھپواتی...... مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا...... اس واقعے نے اس کے کردار و ایقان کو مزید مستحکم سا کر دیا۔ اس نے اپنے سارے پروگرام موخر کر دیئے اب وہ یہاں رہ کر یہ جاننا چاہتی تھی کہ وہ کون تھا؟ یہ طے تھا کہ وہ انسان ہی تھا گو انسانیت کے معاملے میں اس کی بے حسی اور کج روی سے وہ کوئی دیو سا لگتا تھا نہیں، شاید وہ ایک جنسی انتہا پسند مریض تھا۔ جس کی شخصیت کے دو پرت تھے۔ وہ جس پرت کے زیر اثر ہوتا اسی میں انتہا کر دیتا...... اور یہ بھی کہ وہ کہیں دور دراز سے آیا ہوا کوئی سیاح بھی دکھائی نہیں دیتا تھا...... وہیں کا مقامی یا پھر کوئی ایسا آوارہ گرد، جو اس علاقے، خصوصی طور پہ اس غار کے محل وقوع اور دیگر کوائف سے خوب واقف تھا۔ اس نے اپنے تئیں ٹھان لیا کہ وہ اس اسرار کو خوب سمجھے گی...... وہ اس واقعہ کا کسی سے ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتی تھی اور نہ ہی اس معاملے میں کسی کو اعتماد میں لے سکتی تھی...... یہاں گل نواز اس کے علاوہ اور بیٹھیں تھی یا پھر یہ عبید اللہ گائیڈ، ان کے علاوہ کون تھا جس سے وہ اپنی رام کہانی کہتی...... ابھی تو ایک معاملہ بھی اپنے اجمال کے ساتھ صاف نہیں ہوا تھا۔ گزرے دن کا وہ عرصہ اوقات، جو اس نے جھیلے اور اس شخص کے ساتھ بیتا ہنوز غور طلب تھا۔ وہ ان کالمحوں کے لحاظ [illegible] فہم و ادراک کے قریب [illegible] نے کی کوشش کر رہی تھی جب [illegible] نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تھا جیسے اس نے انجانے میں اپنے ہاتھوں سے کسی سرخ انگارہ سیسے کی لوح کو پکڑ لیا ہو...... بری طرح واویلا کرتا ہوا وہ [illegible] برہنہ جسم کہیں غائب ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تک اس کی چیخ و پکار سنائی دیتی رہی پھر بتدریج کم ہوتی ہوتی ختم ہو گئی۔ لیکن وہ شخص آگے کے مزید راہ و راستے سے واقف تھا۔

صبح کے معمولات سے فارغ ہوتے ہی اس نے اپنی میڈیکل کٹ نکالی...... پیرا ڈم بلاٹنگ کاغذ کے ایک ٹکڑے پہ اس محلول کے چند قطرے ٹپکا کر معلوم کر لیا کہ اسے قوتِ مدافعت معطل کرنے والی دوا سے بے بس کیا گیا تھا۔

عبید اللہ گائیڈ جب اپنے وقتِ مقررہ پہ اس کے ہٹ میں پہنچا تو یہ صبح کے مطالعہ اور ناشتہ لینے کے بعد ڈائری تحریر کر رہی تھی۔ وہ صبح کا سلام کرنے کے بعد، آج کے پروگرام کے بارے میں دریافت کرنے لگا...... یہ سنی ان سنی کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”ایک کپ چائے پیو...... اس عرصہ میں میں یہ لکھنے والا کام مکمل کر لوں...... پھر دیکھتے ہیں کہ آج کہاں جا سکتے ہیں؟“

دو گھنٹے بعد جب وہ اپنے گائیڈ اور مددگار کے ہمراہ اس غار تک پہنچی تو موسم خاصا خوشگوار ہو چکا

تھا...... صبح، پہلے پہر کی سردی اور کپکپاہٹ سے کسی حد تک نجات مل چکی تھی...... یہاں پہلے ہی کوہ نوردوں کا ایک گروپ موجود تھا...... غار میں داخل ہوتے ہی اس نے عبیداللہ گائیڈ سے کہا۔

”آج ہم ذرا اندر دور تک جائیں گے...... میں چشمے کے آمدہ پانی اور اندرونی چٹانوں کے کٹاؤ کی قدرتی خوبصورتیوں کی تصویر کشی کرنا چاہتی ہوں...... اس غرض سے میں اپنا مخصوص کیمرہ، جو زبردست فلیش گن مزین ہے ساتھ لے کر آئی ہوں۔“

غار کے اندر اور میٹھے پانی والے حوض کے گرد، چند مقامی اور غیر مقامی ٹورسٹ موجود تھے۔ یہیں اسے گل نواز بھی دکھائی دیا جو ایک دیسی جوڑے کو قطرہ قطرہ ٹپکنے والے پانی کے بارے میں بتا رہا تھا...... مومنہ پر نظر پڑتے ہی وہ بری طرح چونکا...... کچھ محجوب مجحل سا وہ آگے بڑھ آیا...... روایاتی انداز سے سلام کرنے کے بعد اس نے عبیداللہ سے اپنی مقامی زبان میں خیر خیریت دریافت کی۔ مومنہ حسب معمول اپنے حجابی لباس میں تھی، دیکھنے والا اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ملکی ہے یا غیر ملکی...... گل نواز اپنے کلائنٹ کے ساتھ ہو لیا اور یہ گائیڈ کو لے کر غار کے اندر، اس جانب بڑھ آئی جدھر گزرے دن اک قیامت ٹوٹ گئی تھی۔

”میڈم! میں نے پہلے بھی عرض داشت کی تھی کہ آگے بڑھنا خطرے سے خالی نہیں...... دیکھیے یہ اُبھرا ہوا پتھر [illegible] خطرناک ہے۔ ہم کلائنٹ کو بھی یہاں تک ہی لاتے دکھاتے ہیں...... آگے بڑھنے کی ہمیں اجازت نہیں۔“

مومنہ اس کا تذبذب تذکار سن کر کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئی، بعد ازاں خشمگیں سی پوچھنے لگی۔

”تم یہاں کے مقامی ہو، یقیناً تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس پتھر سے آگے گیا ہوگا۔ مجھے سمجھاؤ آگے کیا ہے؟ شیر، بھیڑیا یا کوئی بلا؟ جو اُدھر جانے والوں کو پھاڑ کھاتے ہیں...... یا کوئی خون آشام ہے جو لہو چوستا ہے۔ بتاؤ، کیا کوئی جنسی جنونی ہے جو عورتوں کی عصمت تار تار کر دیتا ہے......!“

وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی تھی۔ وہ خوف سے آنکھیں پھیلائے اسے تکنے لگا۔ خشک حلق تر کرتے ہوئے بولا۔

”میڈم! میں بھی کچھ آگے تک ضرور گیا ہوں کچھ اور لوگ بھی آگے جانے کی ہمت کرتے رہتے ہیں مگر میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ عجیب عجیب سی داستانیں ہیں جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں، جنہیں سن کر پہ تریلی آ جاتی ہے۔ اب سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے...... لیکن بہتری اسی میں کہ اس پتھر سے آگے نہ جایا جائے۔“

”تم آگے کہاں تک گئے ہو یا جا سکتے ہو؟“

با دلِ نخواستہ وہ جواب میں کہنے لگا۔

"میں آگے تسیلی موڑ تک تو کئی مرتبہ گیا ہوں وہاں چشمے کا پانی کافی گہرا ہے اور خوب گرم ہوتا ہے۔ جس کے کنارے کے پتھروں پہ ایک گہرے نیلے رنگ کی کائی جمی ہوتی ہے جو مردوں کے استعمال کی ایک خاص دوا میں استعمال ہوتی ہے۔ ہم لوگ کبھی کبھی ضرورت پڑنے پہ وہاں سے یہ کائی کھرچ لاتے ہیں۔"

"تم بھی یہ دوا استعمال کرتے ہو......؟"

وہ کانوں کی لویں پکڑتے ہوئے بولا۔

"توبہ توبہ جی! یہ انسانوں کی کھانے کی چیز تھوڑی ہے۔ اس استعمال کر کے بندہ بندر بن جاتا ہے۔ ہاں میں یہ گناہ ضرور کرتا ہوں کہ مہینے میں ایک آدھ بار وہاں جا کر یہ کائی ضرور کھرچ لاتا ہوں اور آگے بیچ دیتا ہوں۔"

"کسے بیچتے ہو......؟"

"میں نام بھی لوں تو کیا فائدہ آپ تو کسی کو جانتی نہیں۔"

وہ چند لمحے توقف کر کے کہنے لگی۔

"مجھے اس مقام تک لے چلو جہاں تک تم جاتے ہو۔"

عجیب سی گومگوں کیفیت میں ہکلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میڈم! آپ وہاں جا کر کیا کریں گی؟"

"میں اس خوبصورت جگہ کی تصویر کشی کروں گی۔ جہاں گرم [illegible] نیلا گہرا پانی ہے' جس کے کنارے کے پتھروں پہ ایسی قیمتی نیلی رنگت کی کائی پائی جاتی ہے...... جو مردوں کے کسی استعمال میں آتی ہے...... میں اس پہ مزید تحقیق کروں گی کہ یہ اور کس کس مرض کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔"

سوری میڈم! میں یہ خدمت بجالانے سے معذور ہوں...... میرے رزق روزی کا معاملہ ہے...... میرا تو لائسنس ضبط ہو جائے گا۔ شاہ صاحب کی جانب سے ہمیں کسی کو بھی آگے لے جانے کی اجازت نہیں۔"

وہ سر جھکا کر مزید گویا ہوا۔

"آپ چاہیں تو مجھے میری خدمات سے فارغ کر سکتی ہیں۔"

وہ سوچتے ہوئے کہنے لگی۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ تم بہت اچھے آدمی ہو...... تم کوہ نوردوں کی خصلت عادت سے واقف ہو۔ ہم لوگوں میں بال کی کھال اتارنے کی بیماری ہوتی ہے...... تم کل کی طرح باہر جا کر آرام کرو اور مجھے

میرے حال پہ چھوڑ دو۔''

وہ غار سے باہر نکلتے ہوئے کہنے لگا۔

''میڈم! آپ کے مفاد میں یہ بہتر ہوگا کہ آپ اس مقررہ حد سے آگے نہ بڑھیں کیونکہ......؟''

وہ اُسے گھورتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''کیونکہ کے آگے بھی کچھ کہو......؟''

''میں شاید یہ کہنا چاہ رہا تھا...... آپ بہت اچھی اور مہربان ہیں' مسلمان ہیں...... میں آپ کو کسی بھی ممکنہ نقصان سے آگاہ کرنا اور بچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں...... ماضی میں دو چار ایسے واقعات ہو گزرے ہیں کہ کچھ ایڈونچر پسند گورے غار کے اسرار دیکھنے کی خاطر اندر چلے گئے۔ پھر دوبارہ وہ کہیں دکھائی نہیں دیے...... کوئی کہتا ہے یہ غار اندر ہی اندر ہوتی ہوئی جھیل سیف الملوک تک جا نکلتی ہے۔ پرانے لوگ یہ بھی کہتے ہیں یہ غار کسی بونوں کے ملک تک جاتی ہے...... یہاں اندر کچھ لوگوں کو بونے بھی نظر آئے ہیں۔ میں نے بونوں کی کئی نشانیاں خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ جنات اور پری زادوں کے تو پرانے ٹھکانے یہاں موجود ہیں۔ ان کی بستیاں ہیں۔ اُن کے ہاں شادیوں بیاہوں پہ گانے [illegible] کی آواز سنائی دیتی ہے۔''

مومنہ نے عبید اللہ کی باتوں کو ایک کان سے سنا اور دوسرے سے باہر نکال دیا...... شاید وہ اپنے طور غار کے اسرار کے متعلق کچھ حقائق سے کچھ زیادہ ہی آشنا ہو چکی تھی۔ آج پھر اندر اسی راستے پہ چل پڑی۔ لیکن آج وہ خوب چوکنّی تھی۔ سنبھل سنبھل دیکھتے بھالتے قدم بہ قدم اسی واقعے والی جگہ پہ پہنچ گئی...... مناسب سی قدرتی روشنی موجود اس کے باوجود اس نے ٹارچ بھی روشن کر لی تھی۔ وہاں اس کل والے شخص کا سامان موجود نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس واقعے کے بعد اس سامان کو اُٹھا لیا گیا تھا...... اچانک اس کی نگاہ ایک پتھر کی اوٹ میں کسی چمکتی ہوئی چیز پہ پڑی...... وہ ایک قیمتی گھڑی تھی۔ جس کے سٹریپ کی ایک پن ٹوٹی ہوئی تھی...... بات سمجھ میں آتی تھی کہ ہاتھوں پہ چھاپڑنے کے بعد واویلا کے دوران گھڑی کی پن نکل گئی گھڑی دو پتھروں کے بیچ میں گر پڑی۔ جو بعد میں سامان اُٹھانے والے کی نظر میں نہیں آئی...... مومنہ نے گھڑی کو اپنے بیگ میں محفوظ کر لیا...... وہ ٹارچ کی روشنی میں اس جگہ کا باریک بینی سے جائزہ لیتی رہی۔ وہ جگہ اور پتھر جس پہ وہ برہنہ پڑی رہی تھی۔ اچانک درد کی لہر اُٹھی۔ اس کی پیٹھ اور کولہوں پہ رگڑوں کے نشان اُس منظر واقعہ یاد کرتے ہی دُھواں دینے لگے تھے۔ یہیں کہیں اس کے دماغ کی کوئی ورید کھلی وہ غور کرنے لگی وہ شخص ہاتھوں پہ قیامت ٹوٹنے کے بعد اذیت اور بدحواسی کے عالم میں واویلا کرتا ہوا چشمے کے اُلٹے رُخ پہ لڑکھڑاتا سا بھاگتا کہیں اوجھل ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی ٹارچ کا رُخ آگے کی جانب کر دیا۔ چکنے اور نیلی کائی سے اَٹے ہوئے پتھروں پہ بچ بچ قدم دھرتی وہ آگے بڑھنے لگی۔ کل جو سانحہ ہو گزرا تھا اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ بھولے سے بھی اِدھر کا رُخ نہ کرتی۔ لیکن کیا کیجئے کہ جب کوئی ہونی' ہونے پہ آتی ہے تو وہی کچھ سرزد ہوتا ہے جو نہ ہونا چاہئے اور وہ کچھ نہیں ہوتا' جو ہونا چاہئے۔ آگے کا کٹا پھٹا' پتھروں چٹانوں سے اَٹا' کہیں سُکڑا اور کہیں پھیلا ہوا راستہ' سفید جھاگ اور دُھند دِکھاتی ہوئی بھاپ نے اِک عجب سا سماں باندھا ہوا تھا۔ ٹارچ کے دائرہ میں کسمساتی ہوئی روشنی نے الگ اسرار چھوڑے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں کے گپت موڑ اور کھنڈے کھائیاں ایسی کہ نظر چوکی تو جان گئی...... کہیں وہ بندوں کی طرح قدم جماتی تو کہیں بندروں کی مانند پھلانگے مارتی' کہیں پاؤں کا پنجہ دھرنے کی جا ہوتی تو کہیں ایڑی پہ ٹکنے کی تھا ہوتی۔

انسان اگر کسی لگن میں مگن ہو تو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کیا ہے' کہاں ہے اور کدھر ہے۔ وقت' ہلدی کی اِک گانٹھ...... منتشر بکھرے بکھرے گھسیٹے رام...... اور گھیا' تلوے چاٹ چاٹ کر گٹھلی کا چتو بن جائے لیکن وقت کی ہلدی کی گانٹھ کی گیند نہیں چھوٹتی۔

جھرنے اور آبشار میں مقدار' رفتار' گفتار اور کردار کا فرق ہوتا ہے...... قندیل اور شمع میں بھی یہی ہوتا ہے۔ عورت اور [illegible] النساء [illegible] ہے [illegible] الذکر میں تحمل' سموم اور آخر الذکر میں انسانیت...... یہاں بھی اسی انسانیت کے دو مختلف رُخ' روپ اور رویے تھے۔

اُسے یوں لگا جیسے کوئی کراہ رہا ہے...... عجب سی آواز' کوئی جانور ہے' انسان یا ویسے ہی وہم...... کچھ ہی آگے جا کر ایک ٹیڑھا سا موڑ کے کشادہ ہو گئی تھی۔ یہیں اچھی خاصی ہموار سی جگہ دکھائی دی۔ لگتا تھا کہ انسانی ہاتھوں نے کسی مقصد کے تحت اس جگہ کو ہموار کیا ہے۔ دیوار چٹانوں میں چند قدرتی طاق سے بنے ہوئے تھے...... چشمے کا پانی بھی اُچھلا اُچھلا پھیلا ہوا...... حد یہ کہ یہاں بھی قدرتی روشنی موجود تھی۔ ایسی اور اتنی روشنی کہ دیکھنے کو یہاں تاریکی کا احساس نہ ہو...... ابھی اس جگہ کا معائنہ کر رہی تھی کہ ایک نیم سی کراہ اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ چند ثانیوں کے لئے گم سُم ہو گئی یوں کہ اُسے اپنا سانس بھی ٹھہرا اور ٹھٹھرا ہوا محسوس ہوا...... اپنے قدموں پہ ساکت و جامد کھڑی' آنکھیں پھاڑے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ ایک اور گھٹی گھٹی سی کراہ نے اُسے تھوڑا آگے ایک بڑے سے پتھر کی آڑ میں دیکھنے پہ مجبور کر دیا...... گردن ٹیڑھی کر کے دیکھا تو اُسے کوئی انسان آدھا پانی میں اور آدھا کنارے پتھروں پہ پڑا دکھائی دیا۔ وہ چند قدم آگے اُس طرف بڑھ آئی۔

"کون ہو تم......؟"

کوئی جواب نہ پا کر مزید آگے بڑھ آئی...... اس شخص کے دونوں ہاتھ چشمے کے بہتے پانی میں تھے۔

ہاتھوں میں خاصا ارتعاش تھا جیسے انہیں بجلی کے تاروں سے جوڑ دیا گیا ہو۔ جواب کیا دیتا' وہ تو جیسے کسی عذاب مسلسل میں مبتلا تھا۔

مومنہ' ٹارچ روشن کر کے اس کے سر پہ پہنچ گئی۔ اب چہرہ دیکھا تو اس کی چیخ حلق میں گھٹ کر رہ گئی...... یہ تو وہی کل والا شخص تھا۔ اسے اور تو کچھ نہ سوجھا' ہاتھ گلے کا سارا سامان نیچے پھینک کر اسے پانی سے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگی۔ خاصی تگ و دو کے بعد اسے ایک معقول سی جگہ پہ کھینچ لائی...... اس کی نبض اور ٹمپریچر چیک کیا۔ بوتل نکال ایک آدھ گھونٹ پانی اس کے حلق میں انڈیلا...... وہ بیہوش نہیں تھا' ہاتھوں کے درد سے نڈھال تھا...... بیس چوبیس گھنٹے بن کچھ کھائے پیئے اس آزار میں مبتلا رہا...... نتیجے میں وہ خاصا بدحال ہو چکا تھا۔ مومنہ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے فوراً بسکٹ نکالے۔ گرم گرم کافی کپ میں انڈیلی بسکٹ بھگو بھگو کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ اس دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کی سب سے بڑی مشکل اس کے ہاتھوں کا درد ہے۔ دو تین پین کلر ٹیبلٹ دینے کے بعد مومنہ نے اپنی زبان کھولی۔

''میں آپ کی کل والی دوست ہوں' آپ گھبرائیں نہیں۔ میں نے آپ کو دوا دے دی ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ افاقہ محسوس کریں گے۔''

جسم و جان کا آزار دوست دشمن کی تمیز کو پہ [illegible] بھلا دیتا ہے [illegible] بدحال شخص حرام حلال کے چکر میں نہیں پڑتا' وہ تو بس کسی طرح زندہ رہنا چاہتا ہے۔

وہ بڑی اذیت سے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے ہاتھ جہنم کی آگ میں جھلس رہے ہیں۔ مجھے کسی پل چین نہیں...... خدا کے لئے مجھے معاف کردیں اور مجھے اس عذاب سے نجات دلائیں۔''

مومنہ نے جھکتے ہوئے اس کے ہاتھوں کو دیکھا...... اسے کوئی الگ سی تبدیلی نظر نہ آئی۔ زخم' کوئی آبلہ' چھالا' سیاہی' سرخی' سوجن کچھ بھی تو نہ تھا۔

''تمہارے ہاتھوں پہ بظاہر تو کچھ دکھائی نہیں دیتا جو تکلیف کا باعث ہو۔ کچھ تمہیں معلوم ہو تو بتاؤ؟''

وہ کراہتے ہوئے پہلو بدل کر بولا۔

''میں تو صرف اتنا جانتا ہوں جب تمہارے گلے کے قرآنی تعویذ کو اتارنے کے لئے ہاتھ ڈالا تھا اسی وقت مجھے ایسا جھٹکا لگا تھا۔ جیسے کوئی آتشی جھونکا میرے ہاتھ چاٹ گیا ہو۔ بس وہ دن اور یہ وقت کہ مجھے ایک لمحے کے لئے چین نہیں...... میرے ہاتھوں کے اندر آگ لگی ہوئی ہے۔''

''وہ قرآنی تعویذ کہاں ہے؟ تمہیں معلوم ہونا چاہئے وہ کوئی تعویذ نہیں بلکہ انتہائی مختصر سائز کا مکمل

[illegible] پاک ہے جو میرے کراچی والے بابا نے اپنے ہاتھوں میرے گلے میں برکت اور حفاظت کے لئے ڈالا تھا۔

"مجھے کچھ معلوم نہیں وہ کہاں ہے، مجھے تو اپنی خبر نہیں...... میں کون ہوں، کہاں ہوں...... خدا کے لئے مجھے اس عذاب سے نجات دلاؤ۔ میں تم سے معافی چاہتا ہوں، تمہارے پاؤں پڑتا ہوں......"

وہ لیٹے لیٹے مومنہ کے پاؤں کی جانب بڑھا۔

وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"میں نے تجھے معاف کیا...... اب یہ تیرے اور قرآن کے درمیان معاملہ ہے...... فی الحال تم مجھے بتاؤ تم کون ہو اور کہاں رہتے ہو؟ تا کہ میں تمہیں یہاں سے نکالنے، ہسپتال یا تمہارے گھر خبر کرنے کی کوئی تدبیر کروں۔"

وہ مچھلی کی مانند تڑپتے ہوئے گھگھیایا۔

"نہیں نہیں ایسا مت کرنا...... اگر تم مجھ پہ کوئی احسان کرنا چاہتی ہو تو مجھے صدق دل سے معاف کر دو [illegible] اس کو فراموش کر کے کسی سے ذکر نہ کرنے کا وعدہ کرو [illegible] یہاں سے جانے کے [illegible] تو میں خود یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"میں تمہیں صدق دل سے معاف کر چکی ہوں بلکہ میں تو تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایک بے پناہ نعمت سے روشناس کروایا ہے بلکہ اس واقعے نے قرآن کی عظمت اور حقانیت کے بارے میں میری آنکھیں کھول دی ہیں...... میں دعا کرتی ہوں اللہ تمہیں معاف کرے اور تمہیں اس تکلیف سے نجات دے۔ کیا مجھے اپنا نام بتانا پسند کرو گے اور یہ بھی کہ اگر میں تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لئے کبھی ملنا چاہوں تو مل سکوں...... ویسے تم مجھے اپنا ایک دوست سمجھو...... با اعتماد اور مخلص!"

اس نے آنکھ اٹھا کر چند لمحے اس کی جانب دیکھا...... مرجھائے ہوئے ہونٹوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری بالکل ایسے ہی جیسے سورج کی پہلی کرن کا ظہور ہوتا ہے۔

"میں یہاں "شاہ جی" کے نام سے مشہور ہوں...... یہاں کا ہر مرد و زن، بچہ بوڑھا مجھے جانتا ہے۔ میں ایک اچھے باعزت خاندان کا پڑھا لکھا فرد ہوں۔ لیکن میرے اعمال اچھے نہیں ہیں۔ دولت شہرت اور عزت نے میرے اعمال پہ پردہ ڈالا ہوا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج میں خدا کی پکڑ میں آ گیا ہوں، میں نے قرآن پاک کے تقدس کو پامال کیا ہے...... میں آج تمہارے روبرو اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہوں اور تمہاری [illegible] کا طلبگار ہوں......"

وہ مضبوط مرد ہونے کے باوجود رو رہا تھا۔

''میرا خیال ہے تم شادی شدہ بھی ہو......؟''

''ہاں میں بال بچے دار ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی ہے جبکہ میں بہت بُرا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا کہ میں ایسا بدکار اور گھٹیا انسان ہو سکتا ہوں۔''

مومنہ گھڑی پہ وقت کا اندازہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''میرا خیال اَب مجھے یہاں سے جانا چاہیے۔''

وہ ٹارچ کی روشنی میں اِدھر اُدھر اپنا قرآن پاک والا تعویذ تلاش کرنے لگی...... تلاش بسیار کے باوجود بھی جب کہیں اسے دکھائی نہ دیا تو پوچھ بیٹھی۔

''شاید تمہیں کچھ اندازہ ہو کہ قرآن پاک کہاں پہ گرا ہوگا......؟''

''مجھے تو کچھ ہوش نہیں تھا لیکن اتنا یاد ہے کہ جب میں وہاں سے اِدھر پہنچا تھا تو وہ تعویذ میرے ہاتھوں سے لپٹا ہوا تھا۔ یقیناً وہ اِدھر ہی کہیں گرا ہوگا۔''

مومنہ پھر تلاش میں جت گئی...... اچانک اس کی نظر چشمے کے پانی میں آدھے ڈوبے ہوئے تعویذ پر پڑی۔ ڈوری [illegible] جبکہ تعویذ پانی میں تیر رہا تھا۔

مومنہ بھیگے ہوئے تعویذ کو گلے میں ڈال کر باہر نکل آئی...... آج وہ خلاف توقع بہت پہلے اپنے [illegible] پہنچ گئی تھی۔ دوپہر کا کھانا بھی جو وہ ساتھ پیک کر کے لے گئی تھی یہاں پہنچ کر کھایا بلکہ عبداللہ گائیڈ کو بھی اپنے ساتھ شریک کیا۔ اصل میں وہ اس غار کے بارے میں اس سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔

شام کے بعد شاہ صاحب کسی طور وہاں غار سے واپس اپنے گھر پہنچ چکے تھے۔ بظاہر انہیں دیکھ [illegible] تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن اُن کی آہ و بکا کلیجہ چیر دینے والی تھی۔ کسی پل چین نہیں پڑتا تھا پورے [illegible] میں تھرتھلی سی مچ گئی...... ظاہر کیا کہ غار کے اندر ایک جگہ کھڑے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے یہ حال ہوا ہے۔ پانی میں کوئی زہریلا مادہ جمع تھا یا کسی مارِ سیاہ کی اگلن بس تھی جس کی وجہ سے ہاتھوں کی ناڑیوں میں [illegible] پڑ گئی...... ڈاکٹر، حکیم، سیانے حاضر ہو گئے ہر اک نے اپنی اپنی رائے دی اور اپنا اپنا چارہ کیا...... مگر درد [illegible] سوا ہوتا گیا...... مرہم، مالش، طباطم، تیخیر کیا کچھ نہ آزمایا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی...... چھت سے کپڑا لٹکا کر بازو بلند رکھے گئے...... برگِ حنا کے ذسوت میں ہاتھ بازوؤں کو ڈبو کر رکھا گیا۔ روغن شیر [illegible] روغن زردی کی پٹیاں چڑھیں گئیں مگر چین نہ آیا۔ جب ہر چارہ ساز کی چیں بول گئی تو پھر پیر فقیر ٹونے ٹوٹکوں کی جانب رُخ کر لیا...... غرض مند دیوانہ ہوتا ہے جو کسی نے تجویز کیا اسی پہ عمل کیا مگر نہ ہوئی تکلیف کہیں رکتی

[illegible] ہے۔ بلکہ ایسا وقت بھی آیا اس نے اپنے ہاتھ ٹوکے کے آگے کر دیئے کہ انہیں علیحدہ کر دو۔ مجھ سے یہ تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔

کسی سمجھدار کے مشورہ سے شاہ صاحب کو اسلام آباد بڑے ہسپتال میں لایا گیا وہ اس حالت میں کہ [illegible] کی پرانی ربڑ ٹیوب کاٹ کر اس میں کچا دہی بھر دیا گیا۔ ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈال دیئے گئے تھے۔ کئی طرح کے ٹیسٹوں کے بعد بھی ڈاکٹر کسی نتیجے پہ نہ پہنچ سکے۔ وہ جان ہی نہ پائے کہ ان کے آزار کا اصل سبب کیا ہے۔ ادھر ان کی تکلیف کا یہ عالم تھا کہ اب انہیں نیند کے انجکشن سے مسلسل سلائے رکھنا ڈاکٹروں کی مجبوری بن چکا تھا...... گھر والے، بیوی بچے، دوست احباب سب پریشان کہ کیا کیا جائے۔ دھن دولت کی کمی نہیں تھی لیکن دھن دولت سے اگر دکھ اور روگ دور کیا جا سکتا ہو تو کوئی دھنوان بیمار نہ پڑے...... اب یہ صورت کہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹانے کے باوجود ہنوز دلی دور است والی بات تھی...... تنگ آ کر سب ہی مایوس ہو کر بیٹھ گئے۔ آخری چانس کے طور پہ تعویذوں اور سنیاسی نسخوں ٹوٹکوں کو بھی آزمایا گیا۔ مگر ان سے بھی افاقے کی کوئی صورت دکھائی نہ دی۔

زندگی تو بہر طور کاٹنی ہی پڑتی ہے۔ [illegible] کوئی [illegible] معصوم [illegible] کوئی [illegible] ہوں۔ جان تو تب ہی چھوٹتی ہے جب [illegible] موت سے پہلے آدمی اس سے نجات پائے کیوں‘‘......

اب [illegible] گلے میں پٹہ ڈالے، دہی سے بھری پلاسٹک کی بالٹی پیٹ پہ لٹکی ہوئی ہے...... شاہ صاحب اپنے ہاتھ کہنیوں تک ڈبوئے رکھتے ہیں...... ہائے وائے، میری توبہ، اللہ مجھے معاف کر دے وغیرہ وغیرہ اب ان کا وظیفہ بن چکا ہے۔ چہرے پہ داڑھی اپنی [illegible] ‘‘[illegible]’’ [illegible] ڈھیرے ڈھیرے داغ مفارقت دے گئے اور جو دو چار دانے تعلقات کی شکستہ تسبیح میں باقی بچے تھے وہ بھی اللہ ھو پہ لگ چکے تھے۔ اب بالٹی کے [illegible] کے ساتھ قباحت یہ تھی کہ دو تین گھنٹے بعد اس میں بدبو پیدا ہو جاتی تھی۔ اگر اسے فوراً تبدیل نہ کیا جاتا تو سڑ جانے والی سڑاند پیدا ہوتی کہ بیوی بچے تک ناکوں پہ ہاتھ رکھے وہاں سے کھسک لیتے۔ ہاتھ بازو کہنی تک دہی میں ڈبونے کی وجہ سے گلے اور ملائم ہو چکے تھے جبکہ ان پہ جھریاں بھی پڑ چکی تھیں۔ ناخن سفید اور ہتھیلیاں سرخی مائل...... کلائیاں پتلی پڑنے لگیں جیسے چند دنوں میں سوکھ ناڑے بن جائیں گی۔

شاہ صاحب زندگی کے وظائف میں عملی طور پہ اک ناکارہ وجود بن کر رہ گئے تھے۔ دھیرے دھیرے انہوں نے اپنا سارا کاروبار اپنے چھوٹے بھائی اور دیگر کارندوں کے سپرد کر دیا تھا...... سماجی، سیاسی اور [illegible] مصروفیات ختم ہو کر رہ گئیں...... پرانے احباب، رشتہ دار بس نام کام کا تعلق ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب یہ حقیقت کو شاہ صاحب خوب سمجھ گئے تھے کہ وہ اب محض پنجرے کے شیر بن کر رہ گئے ہیں۔

مومنہ چند روز مزید ادھر ٹھہری تھی...... بڑھتی ہوئی سردی اور بدلتے ہوئے موسم نے اسے اسلام آباد لوٹنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ مگر جانے سے پیشتر وہ اپنے پہلے دن کی میزبان نصرت اور عذرا سے الوداعی ملاقات نہیں بھولی تھی...... نصرت نے اسے زبردستی ایک دن کے لئے پھر ادھر رُکنے پہ آمادہ کر لیا تھا...... وہی عورتوں والی باتیں' گل نواز اس کے یہاں رُکنے پہ بہت خوش ہوا...... اس کی خاطر مدارت میں لگا رہا۔ عجیب بات کہ وہ اس بار بڑی شرافت سے پیش آ رہا تھا۔ مومنہ بھی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے بات چیت کرنے لگی تھی۔ دوپہر کے کھانے پہ موسم' سیاحت اور پہاڑوں غاروں پہ گفتگو کرتے کرتے بات گائیڈوں اور شاہ صاحب تک بڑھ آئی تو برسبیل تذکرہ' گل نواز نے ذکر کیا کہ شاہ صاحب کے ہاتھ پاؤں پہ کسی نامعلوم سی الرجی کا حملہ ہوا ہے جس کے کارن وہ سخت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ ہر طرح کا علاج معالجہ کر چکے ہیں مگر تکلیف ہے کہ دن بہ دن بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اب انہیں اسلام آباد یا لاہور کے کسی بڑے ہسپتال میں لے جانے کا پروگرام بن رہا ہے۔ مومنہ یہ سن کر قدرے پریشان سی ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی شاہ صاحب نے الرجی والی بات خوب بنائی ہے۔ اصل حقیقت بتاتا' ان کے لئے کچھ آسان بھی نہیں تھا۔ مومنہ نے چاہا بھی کہ وہ اس واقعے کے بارے میں نصرت [illegible] بتا دے۔ مگر یہ یاد آنے پہ [illegible] صاحب [illegible] خاموش رہی۔ وہ یہ سمجھ سکتی تھی کہ شاہ صاحب سے بُری صحبت کے اثر یا کسی نفسیاتی' وقتی ہیجان کی بنا پہ ایسا سرزد ہو گیا ہے۔ ابتدائی گفتگو شروع کا بجز' کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جس سے پتہ چلتا کہ وہ کوئی غیر شائستہ انسان ہے۔ وہ نفسیات کی طالبہ تھی' ایسی دُہری شخصیت رکھنے والے کسی انسان کو خوب سمجھ سکتی تھی۔ اس کے نزدیک ایسے انسان بس تھوڑی سی توجہ' نرمی اور کچھ ذہنی آسودگی کے متقاضی ہوتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں اس کے لئے نرم سا گوشہ محسوس کر رہی تھی۔ اپنے خلوص کی اتھاہ گہرائیوں سے چاہتی تھی کہ اللہ اسے معاف کر دے اور بے پناہ آزار والے امتحان سے نکال لے۔ کیونکہ جو کچھ بھی ہو گزرا تھا اس کے لئے کسی حد تک وہ خود کو ذمہ دار سمجھتی تھی۔ وہاں نہ جاتی تو یہ کچھ سرزد نہ ہوتا۔ رہ رہ کر اسے اس کے بیوی بچوں کا خیال آتا۔ خدا جانے اس عذاب سے اس کی جان چھوٹتی بھی ہے یا نہیں۔

باتوں ہی باتوں میں مومنہ نے نصرت اور گل نواز سے اس کے خانگی حالات کی بابت بہت کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اسے یہاں تک بھی پتہ چل گیا کہ اس کی بیوی بچپن میں پولیو کے عارضہ میں مبتلا رہنے کے بعد ایک ٹانگ سے قریب قریب معذور ہے...... خلیری کزن ہونے کے ناتے اسے مجبوراً شادی کرنی پڑی تھی۔ پیارے پیارے بچے ہونے کے باوجود وہ اس سے خوش نہیں تھا جبکہ اس کی خواہش تھی کہ اس کی بیوی

[illegible] خوبصورت اور سوشل سی ہوتی' جو رفاہِ عامہ کے کاموں اور سیاسی اُمور میں اس کا ہاتھ بٹا سکتی۔ اس کے [illegible] اور غیر مقامی رُفقاء کی بیویاں اکثر ایسی ہی تھیں۔ یہ بھی ایک سوشل سٹیٹس ہوتا ہے جس سے وہ [illegible] محروم تھا۔

دوسرے دن وہ نصرت کو اپنے رابطہ نمبر لکھوا کر اسلام آباد چلی آئی تھی...... گل نواز کو بھی اس نے اپنے خلوص اور بہنوں جیسی محبت سے سیدھا کر لیا ہوا تھا جبکہ شاہ صاحب کا ٹیلیفون نمبر بھی اس کی ڈائری میں [illegible] تھا۔

انہی دنوں شاہ صاحب کو ایبٹ آباد سے ایک دوست نے اطلاع بھجوائی کہ اسلام آباد کے ایک [illegible] ہسپتال میں جرمنی سے الرجی اور امراضِ جلد کا ایک سپیشلسٹ ڈاکٹر' بین الاقوامی سطح کے ایک سیمینار میں شرکت کی غرض سے آیا ہوا ہے۔ اسلام آباد میں کچھ سیاسی اور کچھ ذاتی تعلق داری کے چند رابطے کام آ گئے اور [illegible] ختم پشتم ڈاکٹر صاحب سے معائنے کے لئے اسلام آباد پہنچ گئے...... ڈاکٹر نے ان کی میڈیکل فائل [illegible] کی۔ مریض سے جملہ کوائف معلوم کرنے کے بعد چند ایک ٹیسٹ بھی لیے...... مکمل تشخیص کے بعد [illegible] نہ تو الرجی ہے اور نہ ہی فسادِ خون یا کوئی چھوت [illegible] کی بیماری بلکہ یہ کوئی [illegible] شاخسانہ [illegible] بھی یہ [illegible] مسلسل تھا اور بیرانارمل [illegible] تھا۔ اس نے اسے ریکی کے عمل سے بھی گزارا۔ ہر طرف سے ناکامی کے بعد بالآخر شاہ جی نے [illegible] کم وکاست سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ڈاکٹر صرف اتنا کہہ سکا۔

”مجھے یقین تھا کہ تم [illegible] غلط بیانی سے کام لے رہے ہو...... یاد رکھو' ڈاکٹر اور پولیس کے [illegible] کبھی غلط بیانی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ محض وقت برباد کرنے والی بات ہوتی ہے۔ اب غور سے سنو' [illegible] اس تکلیف کا علاج دُنیا کے کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں ہے۔ اب صرف اللہ یا پھر اُس خاتون کی دُعا' معافی [illegible] تمہیں شفا مل سکتی ہے۔“

ڈاکٹر کی بات تو جیسے اس کے دل کی بات تھی وہ جانتا تھا اس تکلیف کی شفا' اللہ یا پھر اس خاتون ہی [illegible] ہے لیکن یہ کافر اس مومنہ کو منظر پہ بھی نہیں لانا چاہتا تھا کہ اس سے دونوں اطراف کی رُسوائی بنتی [illegible] اپنی ہزیمت کی شاید اُسے اتنی پرواہ نہیں تھی لیکن وہ اس عفت مآب کو بے آب کرنا نہیں چاہتا تھا...... [illegible] گزر جانے کے بعد بھی وہ اس واقعے کے دن کے کسی منظر' کسی لمحے...... مابین گفتگو کے کسی لفظ' اپنی [illegible] وفتور اور اس کے ایمان وایقان...... صولت وصبور کے کسی مرحلے کو ایک پل کے لئے بھی اپنے آپ [illegible] نہیں کر سکا تھا۔ یہ سب کچھ ایک ایسے طویل سین کی طرح تھا جو کسی خرابی کی وجہ سے بار بار شروع اور

ختم ہوتا ہو...... شاید یہ اک عذابِ مسلسل تھا جو دل خراش ٹیسوں اور دل پاش چیخوں میں ڈھل کر ماتم کناں تھا۔

شاہ صاحب نے کسی رنگ ڈھنگ سے گل نواز کے ذریعے' مومنہ کا رابطہ نمبر اور ہوٹل کا پتہ حاصل کر کے اُسے اپنی حالتِ زار بتاتے ہوئے پھر معافی اور دُعا کی درخواست کیا اور ساتھ ہی جرمنی کے اس ڈاکٹر کی باتوں کا بھی حوالہ دیا...... یہ محض اتفاق ہی تھا کہ مومنہ اس ڈاکٹر کو جانتی تھی جو کچھ روز قبل واپس جا چکا تھا...... مومنہ نے شاہ صاحب کو بھرپور تسلی دی اور کہا میں نے اُسی روز سے آپ کو معاف کر دیا ہوا ہے اور اپنا عہد بھی نبھایا ہے یعنی کسی سے اس واقعے کا ذکر نہیں ہوا...... بلکہ میں تو آپ سے معافی چاہتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ اس مشکل میں پڑے...... میں اس مشکل میں ہر طرح سے مدد کرنے کے لئے حاضر ہوں۔ فرطِ جذبات سے شاہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے...... آواز بھرا گئی اور انہوں نے ٹیلیفون بند کر دیا۔

شاہ صاحب کی تو جیسے زندگی ہی بدل گئی...... پرانی ہاتھوں والی چوٹ تو تھی ہی اب اک نئی چوٹ دل پہ بھی لگ گئی تھی...... عالم یہ کہ اب کچھ پتہ نہیں چلتا تھا' وہ پرانی چوٹ سے تڑپ رہے ہیں یا نئی چوٹ انھیں نڈھال کیے ہوئے ہے۔

وقت کا پرانا چھکڑا جیسے تیسے کسی نہ معلوم قریب [illegible] منزل کی جانب رواں دواں تھا۔ کچھ سوچتے خیالات...... [illegible] ہیں کہ وقت [illegible] کچھ بگاڑتا دکھائی نہیں دیتا۔ ان چیزوں میں شاہ صاحب کا آزار بھی شامل تھا۔ اتنا لمبا عرصہ گزرنے کے بعد بھی وہی کچھ تھا جو پہلے روز تھا...... کوئی دن اور کوئی شب ایسی نہیں گزری ہوگی جب گھر میں کسی نے سکھ کا سا ہو...... آہ و بکا' بدبو' تعفن...... گھٹن' بے برکتی اور بے صبری۔ کوئی کسی کو برداشت نہیں کرتا تھا۔ جیسے رشتوں کا تقدس ختم ہو چکا ہو۔ یہاں تک کہ بیوی بچے تک شاہ صاحب کے پاس بیٹھنے اُٹھنے سے گریزاں تھے۔ میاں بیوی والے تعلقات تو مدتوں سے دم توڑے ہوئے تھے۔ بیوی اب برائے نام بیوی اور خاوند صرف دکھاوے اور بھلاوے کا رہ گیا تھا۔

اس کے برعکس اسلام آباد خوب آباد اور ٹیلیفون پہ رابطہ بحال...... بہانے بہانے شاہ صاحب خود بھی جاتے۔ علاج معالجہ بھی چلتا تھا اور مومنہ کی زیارت بھی ہو جاتی...... ماتھے کا چراغ اور روا دھی کا سہاگ بھی ہو چکے تھے...... شاہ جی کو ایک مصروفیت مل گئی تھی ویسے بھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مومنہ کا دل موم ہو جائے اور وہ دل کی گہرائیوں سے دُعا مانگ کر اسے اس دُکھ سے نجات دلا دے۔ ادھر مومنہ کے دل میں تھا کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہے لہٰذا اسے شاہ صاحب کی مدد کرنا چاہیے۔

اس دوران مومنہ جرمنی بھی گئی...... اس کے اُدھر کچھ ضروری کام تھے۔ وہاں وہ اسلام آباد

[illegible] کر دوشے سے بھی ملی۔ ڈاکٹر سے مل کر اس نے شاہ جی کی بیماری کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی' مزید [illegible] لیے۔ واپسی پہ وہ چند ہومیو پیتھی کی ادویات بھی لیتی آئی۔ ادھر پہاڑوں' وادیوں میں برف نے [illegible] ڈال دیئے تھے۔ سردی عروج پہ اور موسم انتہائی ناگفتہ بہ...... یہ تیور دیکھتے ہوئے شاہ جی نے عارضی طور [illegible] اسلام آباد کر لیا...... بڑی امامؒ کے قدموں کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی پہ ایک مناسب سی [illegible] تھی جو ایک قریبی جاننے والے کی وساطت سے' اگلے عرس مبارک تک مل گئی تھی...... بیوی بچے تو بھلا [illegible] تھے' بس دو معتمد' جن میں ایک باورچی' دوجا ڈرائیور اور ایک نو عمر سا بچہ' گھر کے چھوٹے موٹے کام [illegible] کے لئے ساتھ تھے۔ اس طرح شاید وہ کاروبار اور قبیل داری کا سارا بوجھ' چھوٹے بھائی پہ ڈال کے [illegible] سب ایک طرح سے آسودہ ہو گئے تھے۔

● منہ بھی اور منہ بھی......!

یہ چھوٹا بھائی بھی عجیب مٹی کا بنا ہوا تھا [illegible] بے حد سمجھدار' [illegible] تھا۔ بڑے بھائی کو باپ کے برابر سمجھتا اور اس کے ہر حکم کی تعمیل اپنا فرض...... یہ نہیں [illegible] کوئی پہچان نہیں رکھتا تھا۔ ضرور رکھتا تھا مگر شکوہ شکایت اس کا شیوہ نہ تھا۔ بھائی کی ہر حرکت اور [illegible] مصروفیت کا اسے بخوبی علم تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ بھائی کن راستوں پہ چل نکلا ہوا ہے اور یہ موجودہ [illegible] کی کسی غیر اخلاقی کرتوت کا نتیجہ ہے [illegible] سے واقف نہیں تھا اور شاید اُسے [illegible] کوئی خواہش بھی نہیں تھی...... ویسے بھی یہ کوئی خواہشوں' آرزوؤں اور تمناؤں کا متلاشی نہیں تھا...... [illegible] تسکین و تسلی سے لتھڑا لتھڑا یہ بچہ بڑا جا تو گیا تو تھا...... درویشوں فقیروں کی سار لیتا رہتا۔ مزاروں [illegible] میں حاضری دیتا...... مطالعہ کا بھی شوقین' کشف المحجوب اور تذکرہ غوثیہ اس کی پسندیدہ کتابیں [illegible] قدرت اللہ شہاب سے لے کر اشفاق احمد خان' بانو قدسیہ اور ممتاز مفتی تک سب کو پڑھا کھنگالا...... [illegible] شوق کے راستے کا راہی تھا۔ اب کسی ذریعہ سے میری کتاب "پیار رنگ کالا" اس کے ہتھے چڑھ [illegible] کچھ سونگھ لینے کے بعد جب وہ اپنی پہلی فرصت میں جب مجھ سے ملا تو میں نے پہلی نظر میں ہی اس [illegible] کے اعمال اور اندوہ کا اندازہ کر لیا تھا۔

کوئی پڑھنے والا ایسا بھی ہوتا ہے جس کے لئے پوری کتاب کا مطالعہ کرنا ضروری نہیں ہوتا بس ایک

آدھ صفحہ شروع کا...... دو چار جملے درمیان اور آخری سطر' تمت بالخیر! یوں پوری کتاب اپنے نفسِ مضمون کے ساتھ اُن کے سامنے ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے بھی کہ خالی جلد یا آستر ہی کو چھو لیں تو کتاب 'الف لِلّٰہ' ہو کر ان کے رُوبرو ہو جاتی ہے اور ایسے بھی کچھ بندہ ''حساب و کتاب'' بھی دیکھے کہ مصنف کو ہی محض اک نظر ٹٹول کر پوری کتاب بھجول لیتے ہیں۔ دیکھا ہوگا کچھ اَن پڑھ عاشق و معشوق قسم کے لوگ اپنے محبوب کی چٹھیاں وغیرہ ڈاکیے یا اپنے اعتماد والے کسی پڑھے لکھے سے پڑھواتے لکھواتے ہیں۔ لیکن اس کاروبارِ قلب و نظر میں مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طالب و مطلوب کو باہمی پیغامبری کی ضرورت نہیں رہتی اور اگر کوئی بے رنگ خط آ بھی جائے تو صرف لفافہ دیکھ کر ہی محبوب کی جیب اور اندر کے مضمون کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ تحریر تو پڑھنے سمجھنے کے لئے ہوتی ہے...... وہ خط کی ہو' کتاب یا چہرے کی۔

میں بھی شاید ایسی تحریریں پڑھنے سمجھنے کے قدرے لائق ہوں لیکن ایک بُری عادت کہ میں ایک نشست میں کبھی کوئی تحریر تمام نہیں کرتا...... چند لائنیں کہیں سے بھی پڑھ کر مزید موخر کر دیتا ہوں کہ ''یار زندہ صحبت باقی!'' جیسا کہ اس بچے کے دیئے ہوئے تحریری پلندے کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا کہ میں نے چند اس کے چہرے کے پڑھے تھے اور کچھ ابتدائی سطریں [illegible] طے کی...... اگر میں [illegible] انہیں پوری [illegible] سے پڑھ لیتا [illegible] ہر کام کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔

''پیا رنگ کالا'' میری [illegible] آشفتہ سری [illegible] ایک ایسی بے سروپا سرگزشت ہے [illegible] قاری کے حال وحسب' اس کی علمی بصیرت اور ذوق طلب کے مطابق اپنے پرت اور معنی اُجالتی ہے۔ یہ کج ذوقے کم سوادے اور سلوک کی سُوجھ سلامتی کے سوتیلے' اگر اسے چھو بھی لیں تو راندۂ ادب ہو جائیں گے۔ اسے وہی چھوتا اور دیکھتا ہے جسے کالا رنگ بھاتا ہو...... اور پڑھتا وہ ہے جسے کسی ''کالے'' نے کاٹا ہو......

عاشق' بھوڑ' فقیر تے ناگ کالے
بناں منتروں مُول نہ کیلیے نی

یہ چاروں ہی اندر باہر سے کالے ہوتے ہیں...... بابا وارث شاہؒ فرماتے ہیں کہ ان چاروں کو منتر سے راہ و رسم استوار کرنا ایک مشکل امر ہے یہ کسی کے مِتر نہیں ہوتے...... اگر ان کی قربت کا حصول مجبوری ضرورت بن جائے تو ایسا رنگ' ڈھنگ اور رویہ اختیار کرنا چاہیے کہ اُن کی فطری مجبوریوں سے محفوظ رہتے ہوئے صرف خیر سے مستفید ہُوا جا سکے۔